مجموعہ سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
حصہ اول
عربی تصنیف: زیر نگرانی
شیخ محمد احمد برانق
ترجمہ
مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار
پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

سلسلہ مطبوعات ۳۸

مجموعہ سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ اوّل

زیرِ نگرانی

شیخ محمد احمد برانق

ترجمہ

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار

رئیس، جامعہ علوم اسلامیہ کراچی

صدر، مجلس دعوت و تحقیق اسلامی، کراچی

دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ سید محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی ۷۴۸۰۰

نام کتاب ——— مجموعہ سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اشراف ——— شیخ محمد احمد برانق

ترجمہ ——— مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار

سنہ طباعت ——— ۱۴۱۳ھ ۔ ۱۹۹۲ء

مطبعہ ——— القادر پرنٹنگ پریس

ناشر ——— دار التصنیف جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۷۴۸۰۰

طبع دوم ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۹۹۴م

طبع سوم ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۹۹۷م

فہرست (جلد اوّل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ الذی بنعمته تتم الصالحات، والصلاۃ والسلام علی أشرف الموجودات، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ أجمعین، وبعد۔

ہر چیز کا ایک باعث اور سبب ہوتا ہے اور کچھ یہی بات "مجموعہ سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے ساتھ بھی ہوئی۔ ایک روز دار التصنیف میں "کشف النقاب" کے کام میں مشغول، احادیث کی تخریج میں لگا ہوا تھا کہ ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ تشریف لائے اور فرمایا کہ ایک کتاب ہے۔ بچوں کے لئے اچھی ہے اگر اس کا ترجمہ کر دیا جائے تو بہت اچھا ہوگا۔ ساتھ ہی مجھے اس کام کے کرنے کی ترغیب بھی دی اور حکم بھی، اور عربی کی کتاب میرے حوالے کر دی۔ میں چونکہ ان دنوں حدیث کے کام میں بہت زیادہ منہمک تھا اور صبح سے شام تک تقریباً اسی میں لگا رہتا تھا اس لئے کچھ تأمل ہوا لیکن بزرگوں کا حکم تھا اس لئے مجالِ انکار نہ تھی حامی بھر لی اور ترجمہ کرنا شروع کر دیا، غالباً دو اجزاء کا ترجمہ

کر کے آگے کام نہ کر سکا۔

وقت گذرتا رہا صبح و شام ہوتی رہی اور یہ کتاب طاقِ نسیان میں چلی گئی۔ ایک روز الماری میں کوئی کتاب تلاش کر رہا تھا کہ اسی دوران اصل کتاب و ترجمہ والا مسودہ مل گیا۔ پھر خیال پیدا ہوا اور دوبارہ پھر چند اجزاء کا ترجمہ کیا لیکن مختلف مشاغل، وقت میں بے برکتی، ہجومِ افکار، بے ہمتی اور بے بضاعتی کی وجہ سے کام پھر رک گیا اور اس کام میں ایک مرتبہ پھر انقطاع پیدا ہو گیا لیکن موضوع کی اہمیت اور احادیث کے شوق نے پھر اس پر مجبور کیا اور مختلف سفروں میں اسے اپنے ساتھ لے گیا اور اس طرح الحمد للہ دو تین مرتبہ کے ہفتہ عشرہ کے سفروں میں باقی ماندہ اجزاء کا ترجمہ بھی ہو گیا۔

دار التصنیف اس کتاب کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

بچوں کے لئے یہ کتاب الگ الگ اجزاء میں مختصر انداز سے لکھی گئی تھی۔ اصل کتاب میں جا بجا بعض تصاویر بھی تھیں لیکن شرعی نقطۂ نگاہ سے ان کے ناجائز ہونے کی وجہ سے انہیں نکال دیا ہے، کتاب پیشِ خدمت ہے۔

بچوں کو پڑھایئے، خود پڑھئے اور سیرتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیے، دین و دنیا کی کامیابی اگر مقصود ہے تو اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں جنہوں نے اللہ کے دین کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، انہی کی جدوجہد اور محنت سے آج دنیا میں اسلام کا نام باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کی پیروی اور اتباعِ سنّت کی توفیق بخشے۔

ناانصافی ہوگی اگر برادرانِ محترم مولانا حسن الرحمٰن صاحب، مولانا فیض الرحمٰن صاحب اور مولانا عطاء الرحمٰن صاحب کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، ان حضرات نے تصحیح کی اور اغلاط درست کیں اور اس طرح یہ حضرات بھی اس کارِ خیر میں شریک بنے، اور ساتھ ہی برادر محترم سیّد شاہد حسن صاحب جنہوں نے خصوصی توجہ سے کتاب کی طباعت کرائی، اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزاءِ خیر عطا فرمائے جنہوں نے اپنی اپنی جدوجہد صرف کی اور کتاب سے امتِ محمدیہ کو فائدہ پہنچانے اور راقم الحروف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

وصلی اللہ تعالےٰ علیٰ قائد الغر المحجلین،

وإمام المتقین محمد وآلہ وصحبه أجمعین۔

کتبہٗ

محمد حبیب اللہ مختار

۸ - ۷ - ۱۴۱۲ھ

۵ - ۲ - ۱۹۹۲ء

۱

مولدِ نبوی

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کا دین و مذہب عربوں میں زیادہ وقت تک زندہ نہ رہ سکا اور بلادِ عرب میں بت پرستی پھیلنے لگی، لوگوں نے اللہ کی عبادت کے ساتھ بتوں کی پرستش بھی شروع کر دی اور بتوں کو خدا اور بندوں کے درمیان وسیلہ وسفارشی قرار دے دیا اور اپنی مشکل اور اہم ضروریات میں ان کے ذریعہ اور واسطے سے دعا کرنا شروع کر دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس دین سے انحراف جو صرف خداء وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا داعی و علمبردار تھا بتوں اور مورتیوں کو خدا کی عبادت کے ساتھ شریک بنا کر آہستہ آہستہ ایک طویل عرصہ اور صدیوں کے گذرنے کے بعد وجود میں آیا۔

خدا کی عبادت کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے ...... اور اس شرک کے پھیلنے کا ذریعہ ان پتھروں کی تعظیم بنی جو خدا کے گھر میں اس کعبہ کے اردگرد لگے ہوئے تھے جسے حضرت ابراہیم و اسماعیل نے مکہ میں تعمیر کیا تھا۔

ہوتا یہ تھا کہ جب بھی بنو اسماعیل کی کوئی جماعت طلبِ معاش اور

روزی کمانے کے لئے مکہ سے ہجرت کرتی تو وہ برکت کے لئے وہاں کے پتھروں میں سے ایک پتھر اپنے ساتھ لے جاتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کام کے لئے سفر کرتا تو برکت کے لئے وہ بھی ایک پتھر اپنے ساتھ لے جاتا۔

صورتحال اسی طرح آگے بڑھتی رہی اور مکہ سے جانیوالے بنواسمٰعیل وغیرہ عرب قبیلوں میں سے ہر ایک جماعت اور قوم کے پاس مکہ کا ایک پتھر ہوتا اور وہ بیت اللہ کی طرح اس کا طواف کرتے اور حجراسود (جس کو حضرت ابراہیم نے کعبہ کی تعمیر کے وقت نصب کیا تھا) کی طرح اس کو مقدس سمجھتے تھے۔

اس طرح پتھروں کو مقدس سمجھنے کی وہ عادت عرب علاقوں میں دوبارہ لوٹ آئی جس کا پہلا سبب ان پتھروں کا مقدس سمجھنا تھا جو زمین سے لاوہ کی شکل میں پھوٹ کر نکلتے تھے جن کو لوگ یہ سمجھا کرتے تھے کہ آسمان سے بجلی بن کر جو ستارے ٹوٹتے ہیں یہ ان کے ٹوٹے ہوئے پتھر ہیں۔

سابقہ قوموں اور قبیلوں میں سے بعض قومیں اور قبیلے ستاروں کو عظمت اور تقدس کی نگاہ سے اس لئے دیکھتے تھے کہ ان میں خالقِ کائنات کی عظمت اور قدرت کے اسرار کا ظہور ہوتا ہے۔

ستاروں کی عظمت اور تقدس کے ماننے والے تھوڑا اور آگے بڑھے

اور انہوں نے ستاروں کی پوجا بھی شروع کر دی، اس طرح وہ ان پتھروں کو اور زیادہ مقدس سمجھنے اور عظمت کی نگاہ سے دیکھنے لگے جو ان کے خیال کے مطابق ستاروں سے ٹوٹ کر گرے تھے اور نیزہ نما آسمانی بجلی کی وجہ سے وجود میں آئے تھے۔

وقت گذرتا رہا اور یہ عبادت و عظمت کا عقیدہ بھی ترقی پذیر رہا حتیٰ کہ ہر وہ پتھر جو خوبصورت یا انوکھا ہوا جس سے کسی چیز کی مورت بنائی گئی یا وہ کسی مخلوق کی صورت میں ہو اس کی عظمت کی جانے لگی اور اس کو مقدس سمجھا جانے لگا اور اس کی عبادت و پوجا ہونے لگی۔

ٹھیک اسی وقت سے لوگوں نے پتھروں کو بنانا اور سنوارنا شروع کر دیا اور جس شکل و صورت میں چاہا اس کو بنا کر بت کی شکل میں کھڑا کر دیا اور پھر جو نام اچھا سمجھتے وہ اس کو دے دیتے اور عبادت کرنے لگے اور ان کے تقرب و تعلق کے خاطر ان پر چڑھاوے چڑھانے لگے اور ان کے لئے نذریں ماننا شروع کر دیں تاکہ وہ ان کے لئے برکت کا ذریعہ اور سفارشی بنیں۔

سب سے پہلے جو بت مکہ میں آیا اور کعبہ میں نصب کیا گیا اس کا نام ہُبل تھا، عمرو بن لحُی نامی ایک مکی شخص اس کو لے کر آیا تھا، ہوا یوں کہ وہ ایک مرتبہ سفر میں تھا اس کا گذر ایک ایسی بستی پر ہوا جو بت پرست

لوگوں کی تھی۔ اس نے انہیں دیکھا کہ وہ بت کی پرستش کر رہے ہیں تو اس نے ان سے ایک بت مانگ لیا تاکہ اپنے شہر میں نصب کر سکے، انہوں نے وہ بت اس شخص کو دے دیا، اس کے بعد کعبہ میں کئی بت ہو گئے جن میں اساف اور نائلہ تک بھی دو بت تھے جو زمزم کے اس کنوئیں پر تھے جو ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اور اس کا پانی خشک ہو گیا تھا۔

اسی طرح عرب کے بیشتر قبائل کے پاس مختلف علاقوں اور شہروں میں مختلف بت تھے جن میں سے ایک عُزّیٰ بھی تھا جو قریش کے بڑے بتوں میں سے تھا اور اللات نامی بت طائف کے قبیلۂ ثقیف کا بت تھا اور مناۃ مدینہ کے اَوس و خزرج قبیلوں کا بت تھا۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت سے بت تھے۔

اس طرح اللہ کے اس گھر کو جسے حضرت ابراہیم و اسماعیل نے بنایا تھا مشرکوں نے اسے بتوں کا مسکن و ٹھکانہ بنا دیا اور اس کے صحن کو بتوں کا گھر بنا دیا اور یہ سمجھتے رہے کہ وہ اس طرح اللہ کو راضی کر رہے ہیں اور اس کا قرب حاصل کر رہے ہیں۔

مکہ پر اس طرح وقت گذرتا چلا گیا اور قومیں اس پر حکومت کرتی رہیں حتیٰ کہ اس پر حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے قُصَیّ بن کلاب کی حکومت آئی جن کی مدد ان کے قریش کے رشتہ داروں نے بھی کی۔

اب تک مکہ کے مکانات خیموں کی شکل میں تھے کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ اللہ کے گھر کے برابر اپنا گھر تعمیر کرے یا اللہ کے گھر سے اپنے گھر کو بلند کرے۔

قُصَیّ نے ابتداء کی اور مشورہ کے لئے ایک مکان تعمیر کیا جس میں مکہ کے رؤساء کے ساتھ مل کر اپنے شہر کے حالات پر مشورہ اور تبادلہ خیال کرتے اور وہاں آپس میں گفت و شنید کرتے، وہیں فیصلے کئے جاتے اور وہیں شادی بیاہ ہوتا۔

پھر قصی نے قریش کو مکانات تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس طرح قریش نے کعبہ کے اردگرد اپنے مکانات اس طرح بنائے کہ کعبہ اور ان کے مکانات کے درمیان اتنا فاصلہ رہ جائے جس میں لوگ طواف کر سکیں اور حج کرنے والے اس کے اردگرد آسانی سے اپنے مناسک پورے کر سکیں۔

کعبہ کے سلسلہ میں حسب ضرورت آہستہ آہستہ کئی منصب نکل آئے اور جو شخص بھی ان میں سے کسی منصب کا ذمہ دار ہوتا وہ اس کو اپنے لئے ایک بہت بڑا شرف و اعزاز سمجھتا تھا، قصی کو ان سب مناصب کے متولی ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔

ان مناصب میں سے ایک منصب سقایۃ کا تھا جس کے ذمہ دار کا یہ

کام ہوتا تھا کہ وہ حجاج کو پینے کے لئے میٹھا شیریں پانی مہیا کرے جو اس وقت
مکہ میں کمیاب تھا اور زمزم کے کنوئیں کے ویران ہونے کے بعد دور دراز
کنوؤں سے لایا جاتا تھا۔ اسی طرح اس کا کام یہ بھی تھا کہ حاجیوں کو (نبیذ)
کھجور کا پانی یا دیگر حسبِ طبع مرغوب مشروب مہیا کرے۔

ان مناصب میں سے ایک منصب حجابۃ کا تھا جس کے متولی کے پاس
بیت اللہ کی چابیاں ہوتی تھیں اور وہ ان کا محافظ ہوتا تھا اور بغیر
اجازت کسی کو اندر داخلہ کی اجازت نہ دیتا تھا۔

ایک منصب رِفادۃ کا تھا جس کے عہدہ دار کا کام تھا کہ حاجیوں کو
ہر موسم میں کھانا کھلائے جس کا بندوبست اس رقم سے ہوتا تھا جو قریش
اس مقصد کے لئے دیا کرتے تھے۔ قصی سب سے پہلا وہ شخص تھا جس
نے یہ ٹیکس مقرر کیا تھا۔

ان عہدوں کے علاوہ اور بھی کئی --- عہدے تھے جنہیں قصی نے
اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ جب قصی عمر رسیدہ ہو گئے اور ان ذمہ داریوں
کے بوجھ اٹھانے کے قابل نہ رہے تو انہوں نے کعبہ کے یہ مناصب اپنے بڑے
لڑکے عبد الدار کے حوالہ کر دیئے۔ پھر یہ عہدے عبد الدار سے اس کی
اولاد میں منتقل ہو گئے۔

لیکن قصی کے دوسرے بیٹے عبد مناف کی اولاد قوم میں معزز و محترم بھی

جاتی تھی اور اپنے چچا عبد الدار کی اولاد سے عزت و مرتبہ کے اعتبار سے
فوقیت رکھتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ اپنے چچازاد بھائیوں
سے یہ مناصب لے لئے جائیں۔

سخت جھگڑوں اور طویل نزاع کے بعد طرفین اس بات پر متفق و متحد
ہو گئے کہ کعبہ کے مناصب آپس میں تقسیم کر لئے جائیں، چنانچہ بنو عبدِ
مناف کے حصہ میں سقایۃ و رِفادۃ کے عہدے آئے ہاشم بن عبدِ مناف اپنے
بھائیوں اور قوم میں بڑے تھے اور مال و دولت بھی زیادہ تھی لہٰذا دونوں منصب
ان کے حصہ میں آ گئے۔

موصوف ہاشم نہایت بافضل و کمال ہمدرد اور شفیق قسم کے آدمی تھے،
انہوں نے اپنے دادا کی طرح قریش کو حجاج کی میزبانی کرنے کی دعوت دی
ان کی ہمدردیاں غریب اہلِ مکہ پر عام ہو گئیں۔ انہوں نے اہلِ مکہ کی تجارت
کے لئے دو سفر مقرر کئے جن میں تاجر تجارت کے واسطے جماعت کی شکل
میں نکلا کرتے تھے ایک سفر سردی میں یمن کی جانب ہوتا تھا اور دوسرا
گرمی میں شام کی طرف۔

ساتھ ہی انہوں نے اور ان کے بھائیوں نے بہت سے ملکوں کے
ساتھ تجارتی اور سیاسی قسم کے معاہدے کئے جس کی بنا پر قریش کو
اطمینان و سکون نصیب ہوا اور دیگر بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔

ایک سال ایسا ہوا کہ ہاشم تجارت کے سلسلہ میں شام گئے، واپسی
میں تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ یثرب پر سے گذرے، ان کے ساتھ
اہل یثرب کے چند تاجر تھے جو اپنے علاقہ کی ایک عورت کی جانب سے
تجارت کیا کرتے تھے۔

عورت اپنے تاجروں سے مخاطب ہو کر تجارت کے بارے میں استفسار
کرنے لگی کہ کیا بیچا کیا خریدا، وہ اپنے ایجنٹ تاجروں سے نہایت سمجھداری
عقلمندی و بردباری سے بحث و مباحثہ کر رہی تھی، یہ سب کچھ ہاشم کے
سامنے ہو رہا تھا، ہاشم کو یہ عورت اچھی لگی اور اس کی عقل و سمجھ دیکھ کر
متاثر ہوئے اور اس کا کمال و وقار ان کو بھلا معلوم ہوا۔

چنانچہ انہوں نے اس کی قوم کے ان لوگوں سے پوچھا جو ان کے رفیق
سفر تھے: یہ عورت کون ہے؟

انہوں نے جواب دیا: خزرج میں سے بنو نجار قبیلہ کی عورت سلمٰی بنت
عمرو ہے۔

پوچھا: کیا یہ شادی شدہ ہے؟

انہوں نے جواب دیا: جی نہیں، یہ اپنی قوم میں بڑے مرتبہ کی مالک
ہے ایسے شخص سے شادی کرنا چاہتی ہے جو اس سے اس کے اختیارات
نہ چھینے۔

ہاشم نے کہا: اس سے پوچھو کیا یہ مجھے اپنا شوہر بنانا پسند کرتی ہے؟

انہوں نے اس عورت سے پوچھا تو اس نے حامی بھرلی اس لئے کہ اسے
ہاشم کے بلند مرتبہ اور قوم میں عزت و رفعت کے حال کا علم تھا۔

ہاشم نے اس سے شادی کرلی اور اسے اپنے ساتھ مکہ لے گئے جہاں وہ
ان کے ساتھ ایک ... زمانہ تک رہی اور پھر یثرب لوٹ آئی اور وہاں
ایک بچہ جنا جس کا نام شیبۃ رکھا، اس کے بعد چند ایک سال گذرے۔

اس کے بعد ایک مرتبہ ہاشم موسم گرما میں تجارت کے لئے نکلے اور
شام کے علاقہ غزہ میں انتقال ہوگیا، ان کے عہدوں کے ذمہ دار ان کے
بعد ان کے بھائی مطلب ہو گئے۔

مطلب کو اپنے بھتیجے ہاشم کے بیٹے کی فکر ہوئی جو اپنی والدہ کے ساتھ
یثرب میں رہ رہا تھا۔

چنانچہ انہوں نے چاہا کہ اسے مکہ لائیں اور اپنی قوم اور اپنے خاندان
میں رکھیں، اس مقصد کے لئے مطلب نے یثرب کا سفر کیا، جب اپنی
بھابی سلمٰی سے ملاقات ہوئی تو اس سے کہا: میرا بھتیجا بڑا ہو چکا ہے
اور جوان ہو گیا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اسے اپنے ساتھ اس کی
قوم میں لے جاؤں اس لئے کہ آپ جانتی ہیں ہم اپنی قوم میں عزت
و مرتبہ والے ہیں اور یہ یہاں غیر قوم میں اجنبیوں کی طرح ہے۔

سلمیٰ نے کہا: اس کی جدائی مجھ پر بہت شاق ہے لیکن میں یہ بھی نہیں
چاہتی کہ وہ غیر قوم میں اجنبیوں کی طرح رہے آپ اس سے پوچھ لیں کہ کیا
پسند کرتا ہے۔ جب مُطّلب نے اپنے بھتیجے سے اس بارے میں دریافت
کیا جس کی وجہ سے اس نے سفر کیا تھا تو اس لڑکے نے جواب دیا: میں
اپنی ماں سے جدا نہیں ہوں گا مگر یہ کہ میری والدہ مجھے خود اجازت دے
دیں۔ اس پر سلمیٰ نے اجازت دے دی اور مطلب اس کو اپنے ساتھ
مکہ لے آئے۔

مطلب مکہ داخل ہوتے ہیں اور اونٹ پر اپنے پیچھے لڑکے کو بٹھایا
ہوا ہوتا ہے قریش اس کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ سفر میں خریدا ہوا غلام ہے
لہٰذا باآواز بلند کہتے ہیں:

مطلب ایک غلام لے کر آئے ہیں کیا تم نے مطلب کے غلام کو دیکھا ہے؟ دیکھو
یہ ہے مطلب کا غلام، مطلب ان کے شور وغل کو سن کر ان سے کہتے ہیں:
اے اہل قریش تمہیں کیا ہو گیا! تعجب ہے تم پر یہ تو میرے بھائی ہاشم کا
بیٹا ہے جسے میں یثرب سے لے کر آیا ہوں۔

لیکن لوگوں کا رکھا ہوا لقب عبدالمطلب اس لڑکے کے نام پر غالب
آگیا اور وہ عبدالمطلب کے نام سے پکارا جانے لگا اور پیدائشی نام شیبہ
کو لوگ بھول گئے اور اس وقت سے انہیں عبدالمطلب کہا جانے لگا۔

جب مُطّلب کا انتقال ہوا تو اس وقت عبدالمطلب بڑے اور طاقتور
ہو چکے ہوتے ہیں، چنانچہ وہ اپنے والد ہاشم کے کاموں سقایہ و رِفادہ کو
سرانجام دینا شروع کر دیتے ہیں۔

عبدالمطلب کو سقایہ کا مسئلہ تشویش میں ڈالتا ہے اس لئے کہ اس
میں نہایت مشقت اور تعب سے کام لینا پڑتا تھا حُجّاج کے لئے جو پانی لانا
پڑتا تھا وہ مکہ کے اطراف میں کھدے ہوئے منتشر اور متفرق کنوؤں سے
لا کر کعبہ کے اردگرد حوضوں میں ڈالنا ہوتا تھا ان کی صفائی ستھرائی اور ان
کو ہمیشہ بھرا رکھنا اس کی ذمہ داری تھی۔

چنانچہ انہوں نے زمزم کے اس کنوئیں کے بارے میں غور کرنا شروع
کیا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس سے بغیر محنت و مشقت کے
بہترین عمدہ شیریں قسم کا پانی حاجیوں کو دستیاب ہوتا تھا۔

انہوں نے اس کے پاٹنے کے سبب کی تحقیق کی اور یہ کہ کس نے اسے
پاٹا ہے؟ انہیں بتلایا گیا کہ اسے مُضاض جرہمی نے جو قبیلہ جرہم کا فرد
تھا جس کی مکہ میں سب سے آخر میں حکومت رہی اس نے اسے اس
وقت بند کیا جب بنو خزاعہ اس کی سلطنت پر غالب آگئے اور انہوں
نے اس سے اور اس کی قوم سے جنگ کی تاکہ انہیں مکہ سے نکال دیں
اس لئے کہ اس کی قوم مکہ میں بہت فساد پھیلا چکی تھی، اس موقعہ پر مُضاض

نے کعبہ کے ہدایا وغیرہ کو زمزم کے کنوئیں میں ڈالا اور اس کے اوپر ریت
ڈال دی۔

عبدالمطلب نے کہا مجھے اس وقت تک سکون نصیب نہ ہوگا اور
——— چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک زمزم کے کنوئیں کو پہلے
کی طرح جاری نہ کرا دوں، ایک رات نیند کی حالت میں کسی نے ان سے کہا
کہ زمزم کو کھودو۔

اس غیبی آواز نے ان سے بہت اصرار کیا چنانچہ انہوں نے اس کو
کھودنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ کنوئیں کے کھودنے کے سلسلہ میں انہیں نہایت
مشقت و تکلیف اٹھانا پڑی لیکن بالآخر اس کے کھودنے میں وہ کامیاب
ہوگئے اور اس کی گہرائی میں نچلے حصہ میں عبدالمطلب کو کعبہ کے وہ ہدایا
اور تلواریں مل گئیں جنہیں مضاض جرہمی نے دفن کر دیا تھا، ان ہدایا
میں سونے کے دو ہرن بھی تھے۔

چنانچہ عبدالمطلب نے تلواروں سے کعبہ کا دروازہ بنایا اور دروازے
کی دونوں جانب زینت کے واسطے ان دونوں ہرنوں کو رکھ دیا۔

زمزم کے کنوئیں کے کھودنے میں عبدالمطلب کو جو سخت مشقت اور
تکلیف اٹھانا پڑی اس کا ان پر بڑا اثر ہوا اور خاص طور سے وہ تنہائی
محسوس کرنے لگے اس وقت تک اولاد میں ان کا صرف ایک لڑکا حارث ہی

تھا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے لئے نذر یہ مانی کہ:

اے میرے رب! اگر آپ نے مجھے دس بچے نصیب کئے اور وہ بڑے
ہو کر میرے مددگار و معاون بنے تو ان میں سے ایک کو میں کعبہ کے
پاس ذبح کروں گا۔

عبدالمطلب کی آرزو پوری ہوگئی اور ان کو دس بچے مل گئے اور انہوں
نے ان کی اعانت و مدد کی اور ان کے ہاتھ مضبوط کئے۔

اب نذر پورا کرنے کا وقت قریب آچکا تھا، چنانچہ عبدالمطلب نے
اپنی اولاد کو جمع کیا اور اپنی ——— نذر کے بارے میں انہیں بتلایا تو
انہوں نے یک زبان ہو کر کہا: اے ہمارے ابا جان! ہم آپ کے فرمانبردار
ہیں ہم میں سے جس کو چاہیں نذر پورا کرنے کے لئے پسند کرلیں۔

ان کے والد نے ان سے کہا: تم میں سے ہر شخص اپنا نام ایک تیر
پر لکھ کر لے آئے۔ جب سب نام لکھ کر لے آئے تو وہ ان کو لے کر کعبہ میں
جو فال نکالنے والا تھا اس کے پاس گئے تاکہ وہ ان کے لئے بڑے بت
ہبل سے پوچھے۔

اس لئے کہ اہل مکہ کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی مشکل درپیش آتی تو
اپنے معبود بتوں سے پوچھتے جس کا طریقہ یہ ہوتا کہ فال نکالنے والا فال
نکالتا اور جس کے نام کا تیر نکل آتا اس پر عمل کیا جاتا۔

چنانچہ فال نکالنے والا عبدالمطلب کی اولاد کے فال کے تیروں کو ہُبَل کے پاس لے گیا تو قرعہ فال عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام کا نکلا۔

عبدالمطلب کو اپنی اولاد میں عبداللہ سے سب سے زیادہ محبت تھی اور وہ ان کا سب سے زیادہ چہیتا بیٹا تھا لیکن قرعہ نکلنے کی وجہ سے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے اسے ذبح کردیں،

عبدالمطلب اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر زمزم کے پاس واقع قربان گاہ کی طرف جاتے ہیں جہاں اہلِ عرب اِساف و نائلہ نامی بتوں کے پاس ذبح کیا کرتے تھے۔

یہ خبر مکہ کے اطراف میں پھیل گئی اور محفلوں و مجلسوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ قریش عبدالمطلب کے پاس گئے اور ان کو بیٹے کو ذبح کرنے سے روکنے کے لئے ڈرانے دھمکانے لگے۔

عبدالمطلب نے ان لوگوں سے پوچھا: پھر میں کیا کروں؟ میں تو یہ نذر مان چکا ہوں اور مجھ پر اس کا پورا کرنا ضروری ہے، لوگوں نے کہا: اگر اس کا فدیہ ہمارے مالوں سے ہوسکے تو ہم اپنا مال دے دیں گے اور اگر اس کا بدلہ ہمارے چوپاؤں اور جانوروں سے ہوسکے تو ہم اپنے جانور اللہ کے راہ میں ذبح کردیں گے، قوم آپس میں مشورہ کرنے لگی کہ کیا طے کیا جائے

اور کیا کیا جائے بالآخر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مسئلہ میں یثرب کے علاقہ کی نجومی عورت سے پوچھا جائے جو ایسے مسائل پر عمدہ رائے دیتی ہے۔

اس نجومی عورت نے پوچھا کہ اگر تم کسی گناہ گار کا فدیہ دینا یا کسی قیدی کو چھوڑنا چاہتے ہو تو عام طور سے کیا دیت لیتے ہو؟ لوگوں نے کہا دس اونٹ، اس نے کہا: دس اونٹ قربان کردو، اگر وہ قبول نہ ہوں تو دس دس کرکے بڑھاتے رہو، یہاں تک کہ تمہارا رب راضی ہو جائے۔

چنانچہ انہوں نے عبداللہ اور اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی شروع کردی، وہ عبداللہ کے نام کی نکلی، انہوں نے دس اونٹ اور بڑھا دیئے اور پھر قرعہ اندازی کی وہ بھی عبداللہ کے نام نکلی، چنانچہ وہ اسی طرح اونٹ بڑھاتے رہے اور وہ عبداللہ کے نام پر نکلتی رہی، ادھر عبداللہ کھڑے ہوئے خدا سے دعا مانگ رہے تھے کہ ان کے فدیہ کو قبول کر اور اس کی سفارش قبول فرمالے حتیٰ کہ اونٹ سو تک پہنچ گئے اور پھر قرعہ اونٹوں کے نام کا نکل آیا، لوگ خوش ہوگئے اور لا الٰہ الا اللہ پڑھنے اور عبدالمطلب سے کہنے لگے کہ: اے عبدالمطلب اللہ نے تمہارے بیٹے کے فدیہ کو قبول کرلیا۔

لیکن عبدالمطلب اس پر مصر رہے کہ تین مرتبہ پھر قرعہ اندازی ہوتا کہ

مکمل طور پر اللہ کی رضا مندی معلوم ہو جائے، چنانچہ تین مرتبہ پھر قرعہ نکالا گیا
اور تینوں مرتبہ اونٹوں کے نام کا نکلا اور پھر اونٹ ذبح کر کے چھوڑ دیئے
گئے نہ ان سے کسی کو روکا جاتا تھا نہ منع کیا جاتا تھا۔

*

عبداللہ خوبصورت اور وجیہ قسم کے نوجوان تھے چہرے سے نور ٹپکتا اور پیشانی
پر رونق چمکتی تھی اس لئے قریش کی عورتیں ان کو پسند کرتیں اور
لڑکیاں ان سے شادی کی خواہش مند تھیں۔

عورتوں کی فریفتگی اور لڑکیوں کی رغبت کو فدیہ کے واقعہ اور جو
کچھ اس سلسلہ میں پیش آیا اس نے اور بڑھا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عورتیں
عبداللہ کی محبت حاصل کرنے کی راہ تلاش کرنے لگیں اور ان سے
شادی کی ترکیبیں سوچنے لگیں۔

لیکن تقدیر نے عبداللہ کی دلہن کا انتخاب کر رکھا تھا، اللہ نے ان
کے بچے کی ماں کو منتخب کیا ہوا تھا، چنانچہ ان کی دلہن آمنہ بنت وہب
بنیں جو نسب کے اعتبار سے قریش کی اعلیٰ ترین لڑکی تھیں اور مرتبہ
اور عمر کے اعتبار سے بنو زہرہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔

ان کے والد نے پیغام نکاح بھیجا اور وہ ان کے نکاح میں دے
دی گئیں اور وہ ان سے حاملہ ہو گئیں لیکن تقدیر الٰہی جس نے عبداللہ کی

دیکھ بھال کی تھی اور اسے ذبح ہونے سے بچایا اور اسے ابھی تھوڑے
عرصہ پہلے موت کے منہ سے بچایا تھا اس نے انہیں زیادہ دیر تک
مہلت نہیں دی۔

عبداللہ شام کی جانب جانے والے قافلہ کے ساتھ تجارت کے لئے
نکلے، واپسی میں مدینہ میں اپنے والد کے ماموؤں کے پاس سے گذر ہوا،
سفر کی تکان سے نجات پانے کے لئے وہاں رکے اور بیمار ہو گئے ساتھیوں
نے انہیں ان کے ماموؤں کے پاس چھوڑ کر مکہ کا رخ کیا اور ان کے والد
کو ان کے بیمار ہونے کی اطلاع دی۔

عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا تاکہ اپنے بھائی
کی تیمارداری کرے اور تندرست اور صحت یاب ہونے پر اپنے ساتھ مکہ
لے آئے۔

لیکن افسوس کہ حارث اپنے بھائی عبداللہ کو دیکھ بھی نہ سکا اور
نہ تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ وہ انہیں اپنے ساتھ مکہ لائیں تاکہ ان کے والد
بیوی اور قوم ان کا دیدار کر سکے، عبداللہ مر چکے تھے اور انہیں چند روز
قبل ان کے باپ، ان کی بیوی، ان کی قوم سے دور دفن کیا جا چکا تھا، حارث
اپنے بھائی کی وفات کی خبر لے کر واپس آئے، اپنے اس نوجوان بھائی کے
مرنے کی خبر لے کر آئے جس کی طرف سے موت سے بچانے کے لئے فدیہ دیا گیا

تھا لیکن اب موت انہیں اچک چکی تھی۔

اس نوجوان شوہر کے مرنے کی خبر لائے تھے جو اپنی نوجوان بیوی کے ساتھ زیادہ دن نہ رہ سکے تھے اور نہ ان کے ساتھ ان کی نوجوان بیوی رہ سکی تھی، باپ کو اپنے اس بیٹے کی وفات کی خبر ملی تھی جس پر صبر کرنے پر اس کا دل قادر نہ تھا اور بالآخر وہ غم و صدمے سے ٹوٹ گیا۔

آمنہ نے اپنے اس شوہر کے مرنے کی خبر سنی جس کی زندگی کو وہ اپنے لئے نیک بختی اور راحت و سکون سمجھتی تھیں تمام قریش نے ان کی موت کی خبر کو نہایت غم و افسوس اور حسرت و یاس سے سنا۔

آمنہ کے حمل کے دن پورے ہو گئے اور بارہ ربیع الاوّل بروز پیر ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، جو نہایت خوبصورت اور حسین و جمیل تھا، آمنہ نے عبدالمطلب کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے پوتے کو آکر دیکھ لو، وہ خوشی خوشی آئے کہ اللہ نے انہیں لڑکا دیا جو عبداللہ کا بیٹا ہے، عبدالمطلب نے بچہ کو خوشی سے اٹھا کر اس کی پیشانی چومی اور اسے کعبہ کی طرف لے گئے اور اس کو لے کر کعبہ کا طواف کیا اور محمد نام رکھ دیا۔

اسی رات ایک یہودی کو یثرب کی چوٹی پر دیکھا گیا جو بآوازِ بلند پکار پکار کر کہہ رہا تھا: یہود کی جماعت اے یہود کی جماعت! جب لوگ اس کی آواز سن کر اکٹھے ہو گئے تو اس نے کہا: آج رات احمد کا ستارہ طلوع ہو گیا

اور احمد پیدا ہو گیا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی ساتویں رات عبدالمطلب نے اونٹوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور قریش کو کھانے کی دعوت دی وہ سب شریک ہوئے، کھانے سے فارغ ہو کر بعض لوگوں نے عبدالمطلب سے پوچھا: اے عبدالمطلب تم نے اپنے آباء و اجداد کے نام چھوڑ کر اپنے پوتے کا نام محمدؐ کیوں رکھا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ وہ آسمان میں خدا کا محمود بنے اور زمین میں مخلوق کا، آمنہ نے دودھ پلانے کے لئے اپنا بیٹا اپنے چچا ابولہب کی باندی ثویبہ کو دے دیا تاکہ جب تک گاؤں سے بنو سعد کی دودھ پلانے والیاں نہ آئیں وہ دودھ پلاتی رہے اور جب وہ آجائیں تو بچہ ان کے حوالہ کر دیں، قریش کی باعزت عورتوں کے یہاں یہی دستور تھا، ثویبہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا دودھ ابھی چند روز ہی پلایا تھا کہ بنو سعد کی دودھ پلانے والیاں آگئیں۔

دودھ پلانے والیاں دودھ پلانے کے لئے بچوں کو تلاش کرنے اور اپنے آپ کو بچوں کی ماؤں کے سامنے پیش کرنے لگیں تاکہ وہ ان میں سے کسی کو اپنے بچے کے واسطے منتخب کر لیں اور عمدہ قسم کی عورت منتخب کر لی جائے۔

ماؤں نے اپنے بچوں کے لئے دودھ پلانے والیاں منتخب کر لیں ان میں

سے ہر ایک نے ایک بچہ گود میں لے لیا لیکن ایک دودھ پلانے والی ایسی بچ گئی کہ اسے ماؤں نے اس لئے نظر انداز کر دیا کہ وہ کمزور اور دبلی پتلی نظر آتی تھی اور دیکھنے میں اس پر بھوک و فقر کے آثار نمایاں تھے، یہ عورت حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ تھیں۔

ادھر ایک بچہ بھی ایسا بچ گیا کہ جسے کسی دودھ پلانے والی نے قبول نہ کیا اور نہ کسی نے اسے گود لیا اس بچے کا نام محمد بن عبد اللہ تھا۔

دودھ پلانے والیوں کو یہ معلوم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یتیم ہیں ان کے والد زندہ نہیں ہیں لہٰذا انہوں نے ان سے منہ موڑ لیا اور ان کی دیکھ بھال و پرورش اور دودھ پلانے سے اعراض کیا اور کہا: ہمارا اس یتیم سے کیا جوڑ! ہمیں اس سے کیا ملے گا؟ اس کا دادا ہمیں کیا دے گا؟ اس کی ماں سے ہم کیا توقع رکھیں؟

دودھ پلانے والیاں اپنے وطن واپسی کی تیاری کرنے لگیں اور ان بچوں کو ساتھ لے کر لوٹنے لگیں جن سے انہیں توقع تھی کہ ان کے والدین وغیرہ سے کچھ ملے گا۔

اس موقع پر حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر سے جو ان کے ہمراہ تھا کہا: مجھے یہ بُرا لگتا ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ لوٹوں اور میری گود میں کوئی بچہ نہ ہو، میں تو اس یتیم کو ہی ساتھ لے چلتی ہوں۔

ان کے شوہر نے کہا: ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کی وجہ سے ہم میں برکت دے دے، چنانچہ حلیمہ حضرت آمنہ سے ان کے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آجاتی ہیں اور اپنے شوہر کے پاس لے جاتی ہیں اور خالی ہاتھ لوٹنے سے اسے بہتر سمجھتی ہیں کہ اس یتیم کو لے کر واپس لوٹیں، آمنہ کو بھی اس سے خوشی ہوئی کہ دودھ پلانے والیاں ان کے بیٹے سے منہ موڑ کر نہیں گئیں اور قریش کی عورتوں کے سامنے اپنے بچے کے اس طرح رہ جانے کے غم سے بچ گئیں۔

حلیمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنا خشک سینہ ان کے منہ میں دے دیا لیکن حلیمہ اس وقت سخت حیرت میں پڑ گئیں اور تعجب کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ دودھ ان کے سینہ میں جاری ہے اور پستان بھر گئے ہیں اور بچہ کے منہ میں اس تیزی سے ٹپک رہا ہے کہ جس سے بچے کو اچھو لگنے کا ڈر ہونے لگا۔

حلیمہ کے دودھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ بھر گیا تھا اس کے ساتھ ساتھ حلیمہ کا اپنا بیٹا بھی سیراب ہو گیا حالانکہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اس بچے کا پیٹ اپنی ماں کے دودھ سے بھرے اور اس سے سیراب ہو سکے۔

حلیمہ کا شوہر اپنی دبلی پتلی لاغر عمر رسیدہ اونٹنی کی طرف گیا تاکہ اس سے حسب معمول کچھ اتنا دودھ نکال لے جس سے اس کا اور اس کی بیوی کا

پیٹ بھر سکے، وہاں جا کر دیکھتا ہے تو اس کے تھنوں کو دودھ سے بھرا ہوا
پاتا ہے لہٰذا وہ دودھ دوہ کر خود بھی پیتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی پلاتا ہے
دونوں کا پیٹ بھر جاتا ہے اور خوب سیراب ہو جاتے ہیں۔

دونوں بچوں کے پاس یہ دونوں میاں، بیوی رات خوب مزے سے پرسکون
گہری نیند میں گذارتے ہیں، جب صبح ہوئی تو شوہر نے اپنی بیوی سے
کہا: خدا کی قسم! حلیمہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ تم نے نہایت مبارک بچہ گود لیا ہے،
حلیمہ نے جواب میں کہا: خدا کی قسم مجھے بھی یہی توقع ہے۔

دودھ پلانے والیوں کا قافلہ اپنے گھروں کی طرف لوٹتا ہے، حلیمہ کی
گدھی قافلہ والوں کے گدھوں سے سبقت لے جاتی ہے تو حلیمہ کی رفیق عورتیں
اسے پکار کر کہتی ہیں: اے أبو ذؤیب کی بیٹی! یہ کیا ہو گیا ہے ذرا صبر
تو کرو، ہمارا بھی خیال کرو، کیا یہ تمہاری وہی گدھی نہیں ہے جس پر تم
سوار ہو کر نکلی تھیں اور جو ہمیں تیز چلنے سے روک دیا کرتی تھی اور تمہیں
سب سے پیچھے رکھا کرتی تھی؟ حلیمہ نے جواب دیا: خدا کی قسم یہ وہی ہے،
انہوں نے کہا: خدا کی قسم اب تو اس کی کچھ اور ہی حالت ہے۔

حلیمہ پر برکتوں کا نزول شروع ہو گیا اور جو اس کے ساتھ تھے ان
سب کو بھی خیر و برکت نے گھیر لیا اور حلیمہ کی بکریاں موٹی ہو گئیں اور
ان کے تھن دودھ سے لبریز ہو گئے اور جو کچھ اس کے پاس تھا اس سب

میں اضافہ ہونے لگا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ کے دو سال پورے ہو گئے حلیمہ
ان کو دودھ پلاتی رہیں اور ان کی بیٹی شیماء ان کی دیکھ بھال کرتی رہی۔
دیہات کی صاف ستھری آب و ہوا اور جفاکش زندگی کی وجہ سے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم جلدی نشوونما پانے لگے اور صحت مند اور موٹے تازے ہو گئے۔

اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی والدہ اور اپنی قوم کے پاس واپس
لوٹنے کا وقت آ گیا تھا، حلیمہ ان کو واپس لے کر لوٹتی ہیں اور اندر اندر
دل سے یہ چاہتی تھیں کہ ابھی انہیں واپس نہ کریں، ان کا دل آپ کو جدا
کرنا نہ چاہتا تھا، دل کی خواہش تھی کہ اس کی دیکھ بھال کی مدت مزید طویل
ہو جائے۔

لہٰذا انہوں نے یہ عزم کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ سے کہیں گی کہ وہ
انہیں کچھ دنوں کے لئے ان کے پاس دیکھ بھال کے لئے اور چھوڑ دیں۔
حلیمہ آمنہ کے پاس آکر کہتی ہیں: کیا تم محمد کو میرے پاس نہیں چھوڑ دیتیں
تاکہ وہ ذرا اور بڑے ہو جائیں اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ مکہ کی ہوا ان
کے موافق نہ آئے۔

حلیمہ آمنہ سے بار بار درخواست کرتی رہیں اور آمنہ کو اس بات پر
آمادہ کرتی رہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دنوں کے لئے اور ان کے

پاس چھوڑ دیں اور بار بار یہ یاد دلاتی رہیں کہ آج کل مکہ کی فضا ٹھیک نہیں
ہے بیماریاں اور وبائیں پھیل رہی ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ
لاحق ہو سکتا ہے حتیٰ کہ آمنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس چھوڑنے پر
آمادہ ہو گئیں۔

اور حلیمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی اور سرور میں ڈوبی ہوئی واپس
لوٹیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ پھر اپنی پہلی کیفیت کے مطابق دیہاتی
فضا میں لوٹ آئے، ریت میں کھیلنا کنکروں پر دوڑنا، صاف ستھری ہوا
میں ہم عمروں کے ساتھ کھیلنا پھر شروع ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے پانچ سال پورے کر لئے، دوبارہ
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حلیمہ میں جدائی کا وقت قریب آ گیا حلیمہ اب
بھی ان کو چھوڑنا نہ چاہتی تھیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے گھر لوٹانا
بھی ضروری تھا کہ وہ اپنی قوم میں تربیت حاصل کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو جلد واپس کرنے کا باعث حلیمہ کے لئے ایک اور چیز بھی بنی
اور وہ یہ کہ ایک دن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں کہ ان کے
سامنے سے حبشہ کے عیسائیوں کی ایک جماعت کا گذر ہوا جب ان کی
نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو وہ آپ کو غور سے دیکھنے لگے اور پھر
پہچاننے کی کوشش کرنے لگے اور حلیمہ سے پوچھا: یہ بچہ کون ہے؟ اور پھر

آپس میں اس بچہ کے بارے میں گفتگو کرنے لگے اور کہنے لگے:
اس بچہ کو ہم لے لیں گے اور اپنے وطن اپنے علاقہ لے جائیں گے اس
لئے کہ یہ لڑکا بڑی شان والا ہے ہم اس کی شان سے واقف ہیں۔

حلیمہ ان کا مقصد نہ سمجھ سکیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں جو
ان کے دلوں میں تھا اور جو ان کا ارادہ تھا اسے بھانپ گئیں اور انہیں
ڈر لگنے لگا کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے چھین کر یا اٹھا کر نہ لے
جائیں یا انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائیں، چنانچہ انہوں نے حسن تدبیر سے
آپ کو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دیا اور ان کے دام سے آپ کو
آزاد کرا لیا حالانکہ انہیں قطعاً یہ توقع نہ تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
ان سے چھڑا سکیں گی۔

اس وجہ سے حلیمہ جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آمنہ کے پاس لے
گئیں اور اس طرح ان کی امانت اور قیمتی ودیعت ان کے سپرد کر دی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کے پاس اپنے دادا کی زیر نگرانی
رہتے رہے وہ ان کی دیکھ بھال رکھتے اور شفقت و محبت سے پیش آتے
رہے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے سوچا کہ انہیں
ان کے دادا کے ماموں سے ملاقات کے لئے یثرب لے جائیں جو بنو نجار
سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ وہ آپ کو لے کر مدینہ کی طرف چل دیں

اور ساتھ ہی اپنے شوہر کی حبشی باندی ام ایمن کو لے لیا جسے ان کے شوہر
مرتے وقت چھوڑ گئے تھے۔

مدینہ میں آمنہ نے اپنے بیٹے کو وہ گھر دکھایا جس میں ان کے والد کا انتقال
ہوا تھا اور جس جگہ وہ دفن ہوئے تھے، یہ پہلا موقعہ تھا جس میں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو یتیمی کے معنی معلوم ہوئے اور اس وقت آپ کو افسوس اور تلخی کا
احساس ہوا۔

پھر جب آمنہ ملاقات وغیرہ کرا چکیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر
واپس مکہ کی طرف لوٹیں تو راستہ میں بیمار ہو گئیں جیسا کہ اس سے پہلے
ان کے شوہر بیمار ہو چکے تھے اور پھر ان کا انتقال ہو گیا اور ابواء مقام
پر اپنی قوم سے دور ان کو اس طرح دفن کیا گیا جس طرح ان کے شوہر عبداللہ
کو ان کی قوم اور وطن سے دور دفن کیا گیا تھا۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ آپ کا حافظ ہو، ابھی تو آپ نے باپ سے
یتیم ہونے کے معنی پہچانے تھے کہ اب ماں بھی آپ سے بچھڑ گئی اور ابھی تو
آپ نے اپنے والد کی قبر کا راستہ دیکھا تھا کہ اب ـــ اپنی ماں کی
قبر کو بھی دیکھ لیا۔ ماں کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی انھوں نے یتیمی کو محسوس
کر لیا تھا اور اب ان کا کیا حال ہو گا جب کہ وہ اکیلے اور تن تنہا رہ گئے
تھے؟ انھوں نے محسوس کیا کہ غم و درد بڑھ رہا ہے اور دو چند ہوتا جا رہا

ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے پاس روتے آنسو بہاتے واپس
آئے، ام ایمن نے آپ کو سینے سے لگایا اور دلاسا دیا۔

اس حادثہ کی وجہ سے عبدالمطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور
محبت سے پیش آنے لگے اور انھوں نے آپ کی اور زیادہ دیکھ بھال
شروع کر دی اور پہلے سے زیادہ پیار کرنے لگے، اپنا دل محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو دے دیا اور اپنی محبت کی بارش ان پر برسا دی، اور
بہت شفقت سے پیش آنے لگے۔ ہر وقت ان کی دیکھ بھال کرتے،
حتیٰ کہ اپنی جان اور اولاد تک پر ان کو فوقیت دینے لگے۔

چنانچہ جب قریش کے سردار عبدالمطلب کعبہ کے زیر سایہ اپنے فرش
پر بیٹھتے تو ان کی اولاد ان کے احترام اور عظمت کی وجہ سے فرش کے ارد
گرد بیٹھا کرتی تھی اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا کے پاس آ جاتے
تو وہ انہیں اپنے قریب بلا کر اپنے پاس فرش پر بٹھا لیتے اور محبت
وشفقت کی وجہ سے اپنا ہاتھ آپ کی پیٹھ پر پھیرتے لیکن افسوس صد افسوس
کہ عبدالمطلب بھی وفات پا گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی صرف آٹھ سال
کے ہی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دادا کے مرنے پر اسی طرح افسوس
و صدمہ ہوا جس طرح اس سے قبل اپنے والدین کی وفات پر ہوا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دادا کی وفات پر اپنے ماں باپ

کی موت سے زیادہ صدمہ تھا اس لئے کہ وہ اب بڑے ہو چکے تھے اور
شفقت کو سمجھنے لگے تھے، محبت کا اندازہ ہو چکا تھا، اسی طرح اب ان
چیزوں کے نہ ہونے کا بھی انہیں احساس تھا اور محرومی کی تلخی کا بھی
شدت سے احساس تھا۔

چنانچہ ان کے آنسو رکنے کا نام نہ لیتے تھے پلکیں خشک نہ ہوتی
تھیں، آنسو بہے چلے جا رہے تھے، حتیٰ کہ ان کے دادا کو ان کی آخری
آرام گاہ میں رکھ دیا گیا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲)

نشوونما

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۔
(الضحیٰ - ۶،۷)

کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا
پھر آپ کو ٹھکانا دیا اور آپ کو
بے خبر پایا سو راستہ بتا دیا۔

اللہ کی عنایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے انتقال کے بعد
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور نہ ہوئی، چنانچہ انہوں نے اپنے آپ
کو اپنے دادا عبدالمطلب کی نگرانی میں پایا اور ان کے بعد اپنے چچا ابوطالب
کی نگرانی میں۔

ابوطالب نے اپنے بھتیجے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کے انتقال کے
بعد ان کی نگہداشت خود شروع کر دی۔ اس لئے کہ ابوطالب کے والد
عبدالمطلب مرنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت اور دیکھ بھال
اور خیر خواہی کا حکم ابوطالب کو دے گئے تھے۔

ابوطالب اپنے بھائیوں میں عمر کے اعتبار سے بڑے نہ تھے، نہ ہی
مال کے اعتبار سے زیادہ تھے البتہ ہمت میں سب سے بڑے، سمجھ میں
سب سے زیادہ اور دل کے اعتبار سے سب سے اچھے تھے۔ اس لئے والد

کا ان سے یہ وعدہ لینا اور اس کی وصیت کرنا کوئی تعجب خیز بات نہ تھی۔

ابو طالب نے اپنے بھتیجے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح محبت کی جس طرح ——— عبدالمطلب محبت کیا کرتے تھے اور انہوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اولاد پر فوقیت دی اور اپنی جان پر مقدم رکھا اس لئے کہ وہ ان میں صدق و صفا اور امانت و دیانت پاتے تھے، پاکیزگی اور عفت و شرافت محسوس کرتے تھے اور شرافت اور ذکاوت و سمجھ کی کھلی نشانیاں اور آثار دیکھتے تھے۔

چار سال گذر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی نگرانی میں رہے، جسم نشوونما پا رہا ہے، عقل بڑھ رہی ہے۔ سمجھ میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، جب بارہ سال کے ہوئے تو آپ کا جسم نہایت طاقتور اور مضبوط ہو گیا، عقل بڑھ گئی، بے نظیر ذکی و سمجھدار اور ایسی عقل و دانش کے مالک ہو گئے جو عظیم اور ہر شئی پر محیط اور محفوظ کرنے والی تھی۔

ابو طالب اس بچے کے سلسلہ میں حیرت میں پڑ گئے جو اس چھوٹی سی عمر میں بلوغ سے بھی پہلے ایسے اونچے مرتبہ اور ایسی بڑی منزلت کو پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ بڑے اور سمجھدار لوگوں جیسا معاملہ شروع کر دیا اور ان سے اس طرح مشورہ کرنے لگے جیسے ایک ساتھی دوسرے ساتھی سے مشورہ کیا کرتا ہے۔

اس لئے ابو طالب جب موسم گرما میں شام تجارت کے لئے جانے لگے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے جانے میں کچھ تردد نہ کیا حالانکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ راستہ کی تکالیف اور سفر میں صعوبتیں کس قدر پیش آتی ہیں۔

قافلۂ تجارت روانہ ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہیں جو کچھ دیکھتے ہیں اس پر غور کرتے ہیں اور جو سنتے ہیں اس کے بارے میں سوچتے ہیں اور اپنی یادداشت میں وہ سب کچھ محفوظ کر لیتے ہیں جو ان کی نظر کے سامنے آتا ہے۔

قافلہ بہت سے شہروں پر سے گذرا بہت سے شہروں میں رکا۔ یہاں تک کہ شام ——— کے شہر بصریٰ میں اس نے پڑاؤ ڈالا قریش کے تاجروں کی عادت یہ تھی کہ جب وہ بصریٰ پہنچتے تو کجاوے اتار دیتے اور بحیرا راہب کی عبادت گاہ کے پڑوس میں سایہ دار جگہ میں اونٹ بٹھال دیتے اور اتنی دیر تک یہاں رکتے کہ کچھ آرام حاصل کر لیں اور اپنے تاجر کارندوں سے مل لیں۔

قافلہ اس جگہ ٹھہر گیا اور لوگ اپنی اپنی ضرورتوں کے لئے چلے گئے بعض آرام کرنے بیٹھ گئے، بعض نے کھانے کے لئے دسترخوان بچھا دیا اور بعض نے بیچنے کے لئے اپنا سامان درست کرنا شروع کر دیا اور ان کا کچھ

وقت اسی حالت میں گذر گیا، پھر ان کے پاس ایک پیغامبر آیا اور اس نے
کہا، بحیرا راہب نے تمام لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا ہے تم سب کو بلا
رہا ہے۔

لوگ ایک دوسرے کی طرف دہشت سے دیکھنے لگے اور پوچھنے لگے:
آج راہب ہمیں کھانے کے لئے کیوں بلا رہا ہے حالانکہ ہم کتنی مرتبہ یہاں
ٹھہرے یہاں سے گذرے اور اس نے کبھی دعوت نہ دی؟

لیکن راہب نے ان کے لئے معذرت کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی اور
چلنے پر مجبور کر دیا لہٰذا جس جگہ کے بارے میں اس پیغامبر نے رہنمائی کی تھی
سب وہاں چلے گئے، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوعمری و کم سنی کی وجہ سے
یہیں رہ گئے، بحیرا نے لوگوں سے نہایت خوشی و گرمجوشی سے ملاقات کی
اور ان سے کہا:

اے قریش کی جماعت! میں چاہتا ہوں کہ کھانے کے لئے
سب کے سب آؤ تم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے لوگوں نے کہا ہم سب
آ گئے ہیں، ایک نو عمر لڑکے کے علاوہ کوئی باقی نہیں بچا ہے۔

بحیرا نے کہا: نہیں نہیں اسے بھی بلاؤ کوئی پیچھے نہیں رہنا چاہیے، بحیرا کی
اس دعوت اور پھر اس پر اصرار سے کہ کوئی پیچھے نہ رہے لوگ اور زیادہ
حیرت و دہشت میں پڑ گئے اور انہوں نے بحیرا سے کہا: اے بحیرا آج آپ

نے ہماری دعوت کیوں کی ہے اس سے پہلے تو آپ ہماری دعوت نہیں کرتے
تھے؟ اس نے کہا: آپ ہمارے مہمان ہیں ہمارے پڑوس میں ٹھہرے ہیں
اس لئے میں آپ کا اکرام اور ضیافت کرنا چاہتا ہوں۔

لوگوں نے کہا: اس میں ضرور کچھ بات ہے۔

ادھر ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا جو اپنے چچا کے کجاوے
کے پاس رہ گئے تھے، وہ آدمی آپ کو بحیرا کے پاس لے کر آیا جہاں بحیرا اور
سب مہمان آپ کی آمد کے منتظر تھے۔

اور جیسے ہی بحیرا کی نگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو وہ آپ میں
الجھ کر ہی رہ گئی اور لمحہ بھر کے لئے بھی آپ سے نہ ہٹی۔

جب لوگ کھانا کھا چکے اور اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور راہب کی عبادت گاہ
کا معائنہ کرنے اور اس میں ادھر ادھر پھرنے لگے تو بحیرا آپ کے قریب آکر
کہنے لگا: اے لڑکے میں تمہیں لات وعزیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں میں
جو پوچھوں تم مجھے بتلانا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے لات وعزیٰ کی قسم دے کر نہ پوچھو۔
بحیرا نے کہا پھر خدا کی قسم کیا تم مجھے وہ بتلاؤ گے جو میں تم سے پوچھوں گا؟
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو پوچھو۔
چنانچہ بحیرا آپ سے ایسے سوالات کرنے لگا جو آپ کے حالات سے

متعلق تھے اور آپ کی عادتوں اور طبیعت کے بارے میں پوچھنے لگا، آپ اس کے سوالات و استفسارات کا جواب دیتے رہے یہاں تک کہ ابوطالب ان کے پاس آگئے اور آپ سے واپس چلنے کو کہنے لگے۔

بحیرا نے ابوطالب سے پوچھا: یہ لڑکا تمہارا کون ہے؟

ابوطالب نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے۔

بحیرا نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا: یہ تمہارا بیٹا تو نہیں ہے اور اس بچے کا باپ تو زندہ بھی نہیں ہو سکتا۔

ابوطالب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بحیرا کی اس بات سے دہشت میں پڑ گئے اور فوراً کہا کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔

بحیرا نے پوچھا: اس کا باپ کہاں ہے اسے کیا ہوا؟

ابوطالب نے جواب دیا: وہ تو اس وقت مر گئے تھے جب یہ بچہ ماں کے پیٹ میں تھا۔

بحیرا نے کہا: تم نے سچ کہا، اپنے بھتیجے کو گھر لے جاؤ اور اس کو یہود سے بچاتے رہنا، خدا کی قسم اگر انہوں نے اس کو دیکھ لیا اور جس طرح میں پہچان چکا ہوں وہ بھی اسی طرح اس کو پہچان گئے تو اس کے ساتھ برا سلوک کریں گے، اس لئے کہ تمہارے بھتیجے کی آئندہ چل کر زبردست شان ہو گی۔

بحیرا یہ کہتا ہوا واپس ہوا، جب میں نے بادل کو دیکھا کہ وہ نیچے آ کر

اس بچے پر سایہ کر رہا ہے تو اس وقت میں نے جو اندازہ لگایا وہ بالکل درست تھا۔

ابوطالب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ آگئے اور بحیرا راہب کی بات میں غور کرنے لگے اور اس نے جو پیشن گوئی آپ کے بارے میں کی تھی اس کے بارے میں سوچنے لگے، آپ وطن سے باہر اپنے پہلے سفر سے اس حالت میں واپس لوٹے کہ جو کچھ اس اثناء میں دیکھا تھا اسے یاد کر رہے تھے اور جو سفر کے دوران سنا اس میں غور وفکر کر رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس سفر میں وسیع وعریض صحراء، اونچے اونچے پہاڑ، سرسبز وشاداب باغات، پکے ہوئے پھل دیکھے، اونچے نیچے گڑھوں اور علاقوں کو پار کیا، بہت سی بستیوں اور شہروں پر گذر ہوا اور وہ سب کچھ سنا جو ماضی میں اس کے بارے میں کہا جاتا تھا اور جو نئے تغیرات اس میں آنے تھے ان کا مشاہدہ کیا۔

آپ نے بہت سے ان لوگوں کو دیکھا جو ان چیزوں کو پوجتے تھے جنہیں آپ کی قوم پوجتی ہے اور بہت سے ایسے لوگ بھی دیکھے جو سابقہ نازل شدہ کتابوں کی اتباع کرتے تھے اور آپ نے ان لوگوں کے بارے میں بھی سنا جو آگ کی عبادت کرتے ہیں اور ان لوگوں کے بارے میں بھی جو پتھر کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے تھے جو ان باتوں پر عمل کرتے تھے جن کی طرف ان کے یہودی علماء رہنمائی کرتے تھے اور بعضے

ایسے تھے جو عیسائی نجومیوں کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہیں۔

اس تاریک بیابان میں آپ غور و فکر کر رہے تھے افکار کا آپ پر ہجوم تھا، طرح طرح کے خیالات آپ کے ذہن میں آ رہے تھے۔

ان لوگوں میں سے کون حق پر ہے اور کون غلطی پر؟ کون حق کے پیچھے چل رہا ہے اور کون گمراہی کے پیچھے؟ حق کہاں ہے؟ اور کیا ہے!

چھوٹی عمر لیکن بڑے عقل کے مالک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کوشش کی کہ اس حق تک اپنی بصیرت سے پہنچیں اس کی حقیقت پہچانیں اور اس کے ذریعہ تاریکی سے نور کی طرف نکلیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے کھیل کود سے بچتے تھے، ان کی فضول باتوں، بیکار کھیل سے اپنے کو بچاتے اور اس چیز کی تلاش میں رہتے جس کی چنگاری سے آپ حق تک پہنچیں یا کوئی ایسا اشارہ مل جائے جس سے آپ کی حق کی طرف رہنمائی ہو۔

آپ اپنی قوم و رشتہ داروں کے ساتھ عکاظ، مجنۃ اور ذی المجاز نامی بازاروں میں جاتے تھے ان بازاروں کو مکہ کے پڑوس میں ان اشہرِ حرم میں جن میں لڑائی حرام اور ممنوع ہوتی تھی اور جنگیں روک دی جاتی تھیں، ان مہینوں میں لگایا جاتا تھا، ان بازاروں میں مختلف قسم کے ساز و سامان بیچے جاتے اور مختلف شہروں سے مختلف قسم کا تجارت کا سامان لایا جاتا تھا۔

اشعار پڑھے جاتے تھے، خطبے دیے جاتے تھے، اصحابِ رائے اپنی رائے پیش کرتے تھے اور ہر مذہب والا اپنے عقیدہ کو پیش کرتا تھا، ہر ایک اپنے مذہب و شریعت کے مطابق بغیر کسی خوف و ڈر کے اطمینان سے اپنے مذہب و مدعا کو پیش کرتا تھا اس لئے کہ ہر شخص ان دونوں میں قابل احترام مہینوں میں ہوتا تھا۔

ان مختلف قسم والی چیزوں کی گنجان بازاروں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے ایک نہایت وسیع افق پاتے تھے جس میں لوگوں اور ان کے عقائد کو پڑھا جا سکتا تھا اور ان کے اقوال و افعال سے درست و غلط کو پہچانا کرتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے خلوت میں ہوتے تو جسے وہ حق سمجھتے تھے اسے محفوظ رکھتے اور جسے غلط پاتے اسے اپنے ذہن سے نکال پھینکتے اس غور و فکر پر جس چیز نے آپ کی مزید امداد کی وہ وہ کام تھا جو آپ کو پسند تھا اور جس کے آپ عادی تھے یعنی بکریوں کا چرانا، آپ اپنے گھر کی بکریاں اور جو آپ کو اپنی بکریاں چرانے دیتا انہیں لے کر ٹیلوں اور وادیوں میں چلے جاتے جہاں وہ بکریوں کے لئے چراگاہ پاتے اور اپنے لئے آزادی اور سازگار فضا۔

آپ وہاں بھی اپنے سامنے نہایت وسیع ایسا افق پاتے تھے جس میں اپنے

خیال کے ساتھ پیش قدمی کرسکتے تھے، اپنے افکار کے ساتھ چل سکتے تھے اور
اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ وسیع وعریض مشاہدات قدرت میں غور وفکر کرتے تھے۔

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن اور شباب کے ایام گذارے،
اس طرح نہیں جس طرح دوسرے بچے اور جوان اپنا وقت کھیل کود اور فضول
باتوں میں ضائع کردیتے ہیں بلکہ آپ نے اوقات کو اپنا قیمتی سرمایہ سمجھ کر
اس سمجھداری سے گذارا جیسا کہ بڑے اور عمر رسیدہ لوگ گذارتے ہیں،
شرفا کی پاک دامنی کی طرح پاک دامن رہے اور بوڑھوں کی عقل سے
سوچتے رہے۔

بچپن اور نوعمری کے زمانہ میں ایک روز آپ اپنے ہم عمر لڑکوں کے
ساتھ کھیل رہے تھے، بچے اپنے کپڑوں کو سر پہ رکھ کر ایک جگہ سے پتھر
اٹھا کر اپنے کھیل کے میدان میں لے جارہے تھے لیکن ان بچوں میں حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شرم وحیا کی وجہ سے نہ اپنے کپڑے جسم سے علیحدہ
کئے اور نہ اپنے ساتھیوں کی طرح اوپر کو اٹھائے۔

آپ عفت کے بلند مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے، سچائی کا پہاڑ اور امانت
میں بے مثال تھے، اسی لئے اہلِ مکہ کے آپ کو امین کا لقب دینے میں کسی
بھی تعجب اور حیرت کی بات نہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا ہی میں تیر اندازی سیکھ لی تھی، جوانی

میں ہتھیاروں کا استعمال سیکھا اور جب قبیلہ ہوازن والوں نے اپنے ایک
شخص کے خون کا بدلہ لینے کے لئے قریش سے جنگ کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
اپنے چچاؤں کے ساتھ "حربِ فجار" نامی جنگ میں برابر کے شریک رہے،
اس جنگ کا انجام یہ ہوا کہ دونوں فریقوں نے آپس میں ایک معاہدہ کر
لیا جس کا نام "حلف الفضول" رکھا گیا۔ اس معاہدہ کے وقت حضور صلی اللہ
علیہ وسلم وہیں موجود تھے۔

اس طرح کئی سال گذر گئے ــــــ اہلِ مکہ تو کھیل وکود اور شراب
وکباب میں مست رہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں
خلوت میں لگے رہے یا اجیاد کے کھلے میدان میں اپنی بکریوں کے ساتھ
ہوتے تھے جہاں کھلی ہوا اور روح کو آرام ملتا، آنکھیں بکریوں کی نگرانی کرتیں
اور دل وروح افلاک اور عالم کے مدار میں چکر لگاتی۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی، یہ آپ کا مقصد تھا، یہ آپ کے
سکون کی چیز تھی، تنہائی ہے اور دنیا کے نظام میں غور وفکر کرنا اور خلوت
ہے اور عالم کی بہترین تخلیق کے بارے میں سوچ بچار ــــ بکریوں کا چرانا
اور دیہات کی فضا آپ کے لئے کافی تھی اور آپ کا اپنی روح نفس
اور دل کے لئے اکیلا و تنہا ہونا آپ کی صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرتا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اپنے اور اپنے بھتیجے اور

اپنی کثیر اولاد کے لئے کمائی دھندے میں لگے رہتے تھے، ایک دن ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان سے کہا: اے میرے بھتیجے میں غریب آدمی ہوں، تنگی کا ہم پر دور دورہ ہے خدیجہ بنت خویلد لوگوں کو اپنا تجارت کا مال دے کر تجارت کے لئے بھیجتی ہے کیا میں تمہارے لئے ان سے بات کروں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اے میرے چچا جان جس طرح آپ مناسب سمجھیں کریں۔

خدیجہ بڑے حسب ونسب والی عورت تھیں، بنو اسد بن عبد العزیٰ بن قُصی جو آپؐ کے چوتھے دادا ہیں، ان کے خاندان سے ان کا تعلق تھا، بنی مخزوم کے دو مالدار شخصوں سے شادی کر چکی تھیں اور وہ دونوں ان کے لئے بہت سا مال و جائداد چھوڑ کر مرے تھے، اس لئے انہوں نے اب شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور قریش کے کئی شرفاء کے پیغام نکاح رد کر چکی تھیں اور اپنے آپ کو مال کی دیکھ بھال اور جائداد بڑھانے کے لئے وقف کر دیا تھا، جب ان کے پاس ابوطالب گئے تو وہ ایک ایسے آدمی کو ملازم رکھنے کی خواہشمند تھیں جو معاوضہ پر ان کا سامان تجارت کے لئے لے جائے، جب ابوطالب نے ان سے پوچھا کہ: اے خدیجہ کیا تم محمدؐ کو ملازم رکھو گی؟

خدیجہ نے کہا: اگر تم یہ بات کسی دور کے تعلق والے ناپسندیدہ شخص

کے لئے بھی کہتے تب بھی ہم منظور کر لیتے پھر بھلا اس شخص کے لئے کیوں نہ منظور کریں گے جو آپ کا قریبی عزیز بھی ہے اور امانت دار بھی ہے۔

ابوطالب واپس لوٹے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ: اے محمد اللہ تعالیٰ یہ رزق تمہاری طرف لے کر آئے ہیں۔

شام کی جانب روانہ ہونے کے لئے تاجروں کا قافلہ تیار ہو گیا اور اس قافلہ میں خدیجہ کی طرف سے تجارت کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، ساتھ میں خدیجہ کا غلام میسرۃ بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا صاحبان جن کے آگے ابوطالب ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رخصت کرنے کے لئے کھڑے ہیں اور کامیاب خوش آئند سفر اور کثیر نفع کی دعا کر رہے ہیں اور خدیجہ کے غلام میسرہ کو اپنے بھتیجے کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کر رہے ہیں۔

قافلہ چل پڑا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا کی طرح اس علاقے کو پار کر گئے جس علاقہ کو ان کے چچا نے پہلے سفر میں پار کیا تھا، حتیٰ کہ قافلہ شام کے علاقہ بُصریٰ میں پہنچ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی آپؐ کے لئے بہترین رفیق ثابت ہوئے تھے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے لئے بہترین رفیق ثابت ہوئے، خدیجہ کا غلام میسرۃ آپؐ کی فرمانبرداری اور محبت میں اس طرح سرشار تھا گویا وہ آپؐ ہی کا

غلام ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ سامانِ تجارت تھا اس میں آپ نے نہایت عقلمند حکیم مدبر اور تجربہ کار شخص کی طرح تصرف کیا جو بیچنا تھا وہ بیچا جو خریدنا تھا وہ خریدا، جو بدلنا تھا وہ بدلا یہ سب کچھ نہایت اطمینان وسکون، امانت ودیانت اور سچائی کے ساتھ ہوا اور پھر خدیجہ کے پاس وہ سب کچھ لے کر واپس ہوئے جو وہ ساز وسامان اور تجارت کے اسباب میں سے چاہتی تھیں۔

لیکن ان تمام کاموں اور مشاغل نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شب بیداری اور خلوت نشینی سے نہ روکا اور وہ اپنی عقل کی ترازو میں ان چیزوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے رہے جو لوگوں میں مذاہب، اعتقادات اور حالات کے اعتبار سے تفاوت تھا اور تجارت کے کام کاج نے آپ کو گھنٹوں بیٹھ کر سوچ بچار سے کبھی نہ روکا۔

ایک روز آپ اپنی عادت کے مطابق اسی قسم کے مراقبہ کے لئے ایک بڑے موٹے تنے والے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور میسرۃ غلام ضروریات ولوازمات کی تیاری کے سلسلہ میں آجا رہا تھا کہ میسرۃ کے پاس قریبی عبادت گاہ سے ایک راہب آیا جس کا نام نسطور تھا وہ راہب میسرۃ کو اپنی آقا کے ساتھ تجارت کے سلسلہ میں ہر سال آنے جانے کی

وجہ سے پہلے سے ہی جانتا تھا چنانچہ اس نے پوچھا: اے میسرۃ تمہارے ساتھ کون ہے؟

میسرۃ نے کہا: قریش کے ایک جوان ہیں، راہب نے پوچھا: تم نے اس کے کیا اوصاف دیکھے ہیں؟ میسرۃ نے جواب دیا: امانت، پاکیزگی، خوش اخلاقی اور گھنٹوں اس طرح مراقبہ میں بیٹھنا جیسا کہ اب تم دیکھ رہے ہو کہ فضا کی وسعت میں اپنی روح کے ساتھ پرواز میں ہیں ان کے چہرے پر کچھ ایسی نشانیاں ہیں جو عابدوں کے چہروں پر ہوتی ہیں۔

نسطور نے نہایت بے چینی سے میسرۃ سے سوال کیا، ان کی آنکھیں کیسی ہیں؟ میسرۃ نے جو کہ راہب کے سوالات کی بوچھاڑ کی وجہ سے دہشت زدہ ہو گیا تھا کہا:

کشادہ اور سرگیں آنکھوں والے ہیں آنکھوں کی سفیدی میں کناروں پر ہلکی سی سرخی ہے جو ان کی جاذبیت اور نظر کی چمک کو اور بڑھا دیتی ہے، پلکیں لمبی لمبی نہایت سیاہ قسم کی ہیں۔

نسطور نے اس طرف توجہ کرنے کی تیاری کرتے ہوئے جس طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے، میسرۃ سے کہا: اے میسرۃ بے شک جو شخص اس درخت کے پڑوس میں بیٹھا ہے اور جس پر یہ بادل جھکا ہوا سایہ کر رہا ہے اور اس کی صفات ایسی ہیں جیسی تم نے بیان کیں وہ واقعی نبی ہی ہو سکتا ہے۔

پھر نسطور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور آپ سے آپ کی قوم کے
مذاہب کے بارے میں استفسار کرنے لگا تاکہ معلوم کر سکے کہ آپ ان
کے کتنے متبع ہیں اور ان کے رواجوں کا کتنا احترام کرتے ہیں، حضور صلی اللہ
علیہ وسلم اس کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو میں غالب آگئے اور اپنی قوم
کی ان چیزوں کی عبادت کرنے پر مذمت کی تو راہب نے اپنے مذہب حضرت عیسٰی
علیہ السلام کے دین کے سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی، چنانچہ آپ نے جو چیزیں ان
میں صحیح باقی تھیں ان کی بھی نشاندہی کی اور جن غلط چیزوں کو انہوں نے اپنے
طور پر داخل کر رکھا تھا ان کی بھی نشاندہی کی۔

تاجروں کا قافلہ مکہ کی جانب واپس روانہ ہوتا ہے اور جب مَرْظہران مقام
پر پہنچے تو میسرۃ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
جلدی کیجئے اور جاکر خدیجہ کو بتلا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنا زیادہ
نفع دیا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار ہو گئے اور دوپہر کو ظہر کے وقت
مکہ مکرمہ پہنچے، خدیجہ اپنے مکان کے بالائی حصہ پر شمال کی ٹھنڈی ہوا کھانے میں
مصروف تھیں اوپر سے کیا دیکھتی ہیں کہ ایک سوار سخت گرم ریت پر اونٹ
دوڑاتا ہوا چلا آرہا ہے اور ایک بادل کے ٹکڑے نے اس کے اوپر سایہ کیا
ہوا ہے اور وہ بادل اونٹ کی رفتار سے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

خدیجہ اس مسافر کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہیں تاکہ معلوم کریں کہ یہ کون مسافر
ہے وہ ابھی مکہ کی عمارتوں کے قریب بھی نہ پہنچے تھے کہ انہوں نے پہچان لیا کہ
یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اپنے اونٹ پر سوار اس کے گھر کی طرف آرہے
ہیں۔ ابھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ کے دروازہ پر بھی نہ پہنچے تھے کہ وہ دروازہ
پر استقبال کرنے اور خوش آمدید کہنے کے لئے پہنچ گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے نہایت فصیح و بلیغ عبارت میں سفر کی سرگذشت مختصر طور پر ان کو سنا دی
اور یہ بھی بتلا دیا کہ کیا خریدا کیا بیچا اور تجارت میں جو نفع ہوا وہ بھی ان
کو بتلا دیا۔

خدیجہ نہایت تعجب اور خوشی اور والہانہ طور سے کان لگائے آپ کی باتیں
سنتی رہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ کی باتوں سے خوش ہو رہی تھیں، آپ کی فصاحت
و بلاغت نے انہیں تعجب میں ڈال دیا تھا اور آپ کی سچائی اور امانت کی وجہ
سے وہ آپ کی گرویدہ ہو گئی تھیں اور دوسرے اور تاجروں سے آپ کا زیادہ
نفع کما کر لا دینے کا خدیجہ پر بہت زیادہ اثر ہوا۔

بعد میں جب خدیجہ کے غلام نے خدیجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے
میں بتلایا تو وہ اور زیادہ رشک کرنے لگیں اور مزید تعجب و حیرت میں
پڑ گئیں، میسرۃ نے خدیجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بھی بتلایا کہ
آپ تجارت میں کتنے ماہر ہیں اور ساتھ ساتھ کتنے سچے امانت دار اور

مال کے محافظ ہیں۔

پھر اس نے خدیجہ کو نسطور راہب کا واقعہ اور اس نے جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا تھا وہ بتلایا اور اس بادل کا تذکرہ بھی کیا جس نے آپ کو سارے سفر میں جلا دینے والی چلچلاتی دھوپ اور دوپہر کی گرمی سے بچائے رکھا تھا پھر اس نے کہا:

مجھے جن چیزوں نے تعجب میں ڈالا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب ہم واپس لوٹے تو میرے دو اونٹ تھک گئے اور چلنے سے عاجز آگئے میں پیچھے تھا اس لئے مجھ کو ڈر ہوا کہ میں قافلہ سے پیچھے نہ رہ جاؤں، چنانچہ میں جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور ان کو تمام صورت حال بتلائی۔

انہوں نے میرے دونوں اونٹوں کے پاؤں پر اپنا ہاتھ پھیرا اور ان کی نکیل پکڑ کر کھینچا تو وہ خوب نشاط کے ساتھ ایسے آرام سے چلنے لگے گویا کہ انہیں کچھ ہوا ہی نہ ہو، خدیجہ نے نہایت تعجب کی حالت میں کہا: خدا کی قسم ان کے تو عجیب حالات ہیں۔

بس اس وقت سے خدیجہ اپنے افکار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوچنے سے نہ روک سکیں نہ آپ کی طرف سے ان کا ذہن ہٹ سکا۔

چنانچہ ان کا یہ تعجب وحیرت اور خوشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت میں تبدیل ہو گئی اور ان کا دل یہ چاہنے لگا کہ کسی طرح یہ نیک پارسا

امین جوان ان کا شوہر بن جائے۔

خدیجہ اس سوچ میں پڑ گئیں اور اس کی تمنا کرنے لگیں اور دل وجان سے اس کی خواہشمند ہو گئیں حالانکہ اس سے قبل وہ قریش کے سرداروں اور دولت مندوں کے پیغامات رد کر چکی تھیں اور ان سے منہ موڑ چکی تھیں لیکن اب وہ اپنی خواہش نہ چھپا سکیں اور اپنی قریبی عورتوں میں سے ایک عورت سے یہ بات کہہ ڈالی ان میں سے ایک عورت جس کا نام نفیسہ بنت منبہ تھا اس نے کہا، خدیجہ تمہارے لئے امین سے نکاح کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔

خدیجہ نے کہا: تو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہیئے؟ نفیسہ نے جواب دیا: میں اس معاملہ کے نمٹانے کی ذمہ دار ہوں۔

نفیسہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اپنے مقصد کی بات کرنے کے لئے راہ تلاش کرتی ہے اور کہتی ہے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: میرے پاس شادی کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

نفیسہ نے کہا: اگر آپ کی طرف سے اس کا انتظام کر لیا جائے اور آپ کو حسن وجمال اور مال وشرافت کے قبول کرنے کی دعوت دی جائے تو کیا آپ اسے قبول نہیں کریں گے؟

آپؐ نے پوچھا: وہ کون سی عورت ہے؟ نفیسہ نے جواب دیا کہ: وہ عورت خدیجہ ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیرت میں پڑ گئے، خدیجہ کی بردباری اور علم و ادب سے آپ متاثر تھے اور آپ نے ان میں وہ سب کچھ موجود پایا تھا جو ان کے بارے میں ان کی قوم سے سنا تھا، قوم ان کو طاہرہ (پاکیزہ) کے لقب سے پکارتی تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان سے شادی کا خیال کبھی بھی نہ گذرا تھا اس لئے کہ آپ کو معلوم تھا کہ خدیجہ نے قریش کے شرفاء اور دولت مندوں کے پیغامات ٹھکرا دیئے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: یہ سب کچھ تو ٹھیک ہے لیکن میرا نکاح خدیجہ سے کیونکر ممکن ہے؟

نفیسہ جس طرح پہلے خدیجہ سے کہہ چکی تھی اسی طرح اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اس کی میں ذمہ دار ہوں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کو خدیجہ کے سلسلہ میں بتلاتے ہیں، یہ سن کر ابو طالب سکتہ میں آجاتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ اپنے بھتیجے کے بارے میں درست اور صحیح بات ہی کہا اور سوچا کرتے تھے اس لئے انکار نہ کیا اور کہا:

میرے بیٹے تعجب اس بات پر ہے کہ قریش کی سردار خدیجہ مالداروں اور عزت والوں کو ٹھکرا کر تمہیں اپنا شوہر کیسے بنائے گی، ساتھ ہی ابو طالب

یہ کہنے لگے: میرے بیٹے اگر تم مال کے اعتبار سے کم حیثیت ہو تو کوئی بات نہیں ہے تم نسب اور شرف کے اعتبار سے مالدار ترین ہو۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے میرے چچا مجھے نہ مال کی خواہش ہے اور نہ مال کی کوئی ضرورت، ابو طالب اپنے بھتیجے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے بھائیوں یعنی آپ کے چچاؤں کو لے کر خدیجہ کے رشتہ کے سلسلے میں ان کے چچا عمرو بن اسد اور ان کے بھائی عمرو بن خویلد کے پاس گئے ان دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ کو فوراً منظور کر لیا، اور جلد ہی شادی کا دن طے ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کو مہر میں بیس اونٹنیاں دیں اور اس طرح سے قریش کی سردار قریش کے امین کے نکاح میں دے دی گئی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کا یہ ابتدائی دور تھا، آپ خوبصورت نوجوان تھے، وجیہ و خوبصورت چہرے اور درمیانہ قد والے، نہ بہت لمبے تڑنگے اور نہ بہت چھوٹے قد والے، بڑا سر، گھنگریلے نہ سخت سیاہ بال، کشادہ پیشانی والے جن کے نیچے ایسی بھنویں تھیں جو گھنی ایک دوسرے سے متصل نون کی شکل میں بنی ہوئی تھیں، کشادہ آنکھوں والے جن کی سیاہی خوب سیاہ اور سفیدی بے انتہا سفید تھی البتہ ان کی سفیدی کے کناروں پر ہلکی سی سرخی کی آمیزش تھی جس کی بنا پر آنکھوں کی جاذبیت و خوبصورتی اور نگاہ کی

چمک اور بڑھ گئی تھی، لمبی لمبی سیاہ پلکیں تھیں، سیدھی پتلی سی ناک دانتوں کے درمیان کشادگی تھی، گھنی سیدھی داڑھی، خوبصورت لمبی گردن، کشادہ سینہ، کشادہ چوڑی ہتھیلیاں، صاف رنگ، ہاتھ پاؤں موٹے طاقت ور، چلتے تو جما کر پاؤں رکھ کر اپنے جسم کو آگے کی طرف ڈال کر تیز رفتاری سے چلتے، چہرہ دیکھنے والا چہرے پر غور و فکر کے آثار دیکھتا اور نگاہوں میں ایسے بلند و بالا قوی معانی دیکھتا جو باطل کے سامنے جھکنا نہیں جانتے لیکن دوسرے کو اپنے احکامات کے سامنے جھکانے والے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی حضرت خدیجہ کے ساتھ نہایت خوشگوار اور لمحات نہایت خوش کن تھے، اس لئے کہ حضرت خدیجہ نہایت ہوشیار حکیم اور تجربہ کار عورت تھیں جنہوں نے آپ کی خواہشات کو پہچان کر وہ آپکے لئے مہیا کر دی تھیں، آپ کی مرغوب و پسندیدہ چیزیں پہچان کر ان کے حصول میں آپ کی مدد کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہشات کیا تھیں؟ آپ کی خواہشات تھیں سچ بولنا، امانت داری سے کام کرنا، شور و غوغا کی محفلوں سے دور رہنا اور تنہائی و یکسوئی میں بیٹھ کر غور و فکر کرنا، حضرت خدیجہ ان چیزوں میں آپ کی کفیل بنیں اور ان کی خواہشات کی تکمیل تک جتنی ان میں مقدرت تھی انہوں نے اتنی کوشش کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پچھلے دور کی طرح فراخ میدان کشادہ ہوا جو آپ کو پسند تھی اس میں نکل جاتے

اور جب تک چاہتے اس میں اپنی روح کے ساتھ مل کر منازل طے کرتے رہتے جب تک چاہتے غور و فکر میں مشغول رہتے۔

دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کی ذمہ داریوں کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا تھا اور نہ شب بیداری نے آپ کو حضرت خدیجہ کا مثالی شوہر بننے سے روکا تھا، چنانچہ آپ نے ان کے مال کی حفاظت کی اور جس کو اچھے معاملہ والا اور سچا و امانت دار پایا اسے اپنے ساتھ شریک بنا لیا، اسی طرح تنہائی کی طرف میلان نے آپ کو لوگوں کے ساتھ کبھی کبھار میل جول سے نہ روکا، چنانچہ آپ لوگوں کے ساتھ مل بیٹھتے اور خوب غور و فکر سے ان کی باتیں سنتے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے کی بات غور سے سنتے تھے لیکن گفتگو کم کرتے، لڑائی جھگڑے سے دور رہتے، گفتگو ہمیشہ نرمی اور سنجیدگی سے کرتے، لوگوں سے بات کرتے وقت نہایت پیاری مسکراہٹ سے گفتگو کرتے جو کبھی کبھی ہنسی تک پہنچ جاتی تھی، اسی لئے آپ سے گفتگو کرنے والا آپ کی گفتگو غور سے سنتا تھا اور آپ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے آپ کی رائے کا احترام اور اس پر عمل کرتے تھے۔

تمام اہلِ مکہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک مسئلہ میں پھنس گئے اور وہ ایک بہت بڑی مصیبت تھی جو خطرناک قسم کے سیلاب کی صورت میں مکہ پر آئی تھی، چاروں طرف کے پہاڑوں سے پانی بہہ کر سیلاب آیا تھا اور

بے شمار مکانات گر گئے تھے اور کعبہ کی دیوار میں شگاف پڑ گئے تھے، پتھر کمزور ہو گئے تھے جس کی وجہ سے اہلِ مکہ کو اس کے بارے میں تشویش ہوئی اور اصلاح کی ترکیب سوچنے لگے، اس لئے کہ وہ ان کی عبادت گاہ تھا، بتوں کا ٹھکانہ تھا، اس کی جانب لوگ دور دراز علاقوں اور چاروں طرف سے طواف کے لئے آیا کرتے تھے اس کی وجہ سے ان کی تجارت چلتی تھی اور کام کاج ملتا تھا، لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ کیا پرانی عمارت ڈھادیں اور از سرِ نو نئی عمارت تعمیر کریں؟ اور یہ کہ اس کو کون ڈھائے گا؟ اور دوبارہ کون تعمیر کرے گا؟

کعبہ کے رب سے ان کو ڈر لگتا تھا وہ ڈرتے تھے کہ اگر کعبہ ڈھانے کا ارادہ کیا تو ان پر مصیبت آجائے گی لیکن پھر کریں بھی تو کیا کریں؟ اس لئے کہ کعبہ کے پتھروں کے منہدم ہونے اور دیواروں کے گرنے سے قبل کوئی اقدام کرنا ضروری تھا، چنانچہ نہایت خوف و ڈر اور تردد کی کیفیت میں وہ آگے بڑھے لیکن اس کی تعمیر کے لئے سب سازوسامان ان کے پاس کہاں تھا ایسا سامان کہاں تھا جس سے کعبہ نہایت ٹھوس اور مضبوط تعمیر ہو سکے اور ایسا ماہر معمار بھی کوئی نہیں تھا جو پتھروں کو عمدگی سے کاٹے اور خوبصورتی سے لگائے۔

لوگوں کی حیرت زیادہ طویل نہ ہوئی تھی کہ اتفاق سے لکڑیوں اور تعمیر کے

سازوسامان سے لدی ہوئی ایک کشتی جو ایک رومی شخص کی ملکیت تھی جو اسے مصر سے لایا تھا وہ تباہ ہو گئی اور جدہ کی طرف آگئی اور وہ سازوسامان جو وہ حبشہ لے جانا چاہتا تھا وہیں کنارہ پر لے آیا اور کسی دوسری کشتی کا انتظار کرنے لگا تاکہ سامان اس میں رکھ کر لے جائے، یہ خبر بہت جلد اہلِ مکہ تک پہنچی، انہوں نے فوراً ایک وفد جدہ بھیج دیا تاکہ اپنی ضرورت کا سامان لے لیں، کشتی کا مالک جس کا نام باقوم تھا جب اسے ان لوگوں کی ضرورت کا علم ہوا تو اس نے فوراً ان کی بات مان لی اور انہیں بتلایا کہ وہ نہایت ماہر قسم کا معمار ہے تو لوگوں نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ چل کر ان کے درپیش مسائل میں ان کی امداد کرے۔

جب باقوم نے کعبہ کو دیکھا تو اس نے لوگوں کو بتلایا کہ اس کی تعمیر نہایت آسان ہے کرنا یہ چاہیئے کہ اس کے صحن میں چند ستون کھڑے کر دئے جائیں اس کے اوپر مضبوط چھت بنا دی جائے تاکہ اسے محفوظ رکھے اور آندھیوں سے بچائے، لوگوں نے ستون کھڑے کرنے کی رائے سے موافقت کی، مکہ میں صلیح نامی ایک مصری قبطی تھا جو لکڑیاں چیرنا جانتا تھا اس کو باقوم کی مدد کے لئے بلایا گیا۔

قریش نے کعبہ کے گوشوں کو اس طرح تقسیم کر لیا کہ ہر قبیلہ کعبہ کے چاروں گوشہ میں سے ایک گوشہ گرائے گا اور پھر اسے تعمیر کرے گا۔

ڈھانے کا وقت قریب آ پہنچا، لوگوں پر دوبارہ دہشت غالب آ گئی، ڈر لگنے لگا، تردد میں پڑ گئے، نماز پڑھتے ہیں دعا کرتے ہیں، پڑھاوے چڑھاتے اور جانور ذبح کرتے ہیں، پھر ان میں کا ایک شخص جسے الولید بن المغیرہ کہتے ہیں خوف کی حالت میں آگے بڑھتا ہے اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کلہاڑی لے کر کعبہ کے گوشوں میں سے ایک گوشہ کو گراتا ہے۔

سب نے سانسیں روک لیں اور انتظار کرنے لگے کہ ولید کا کیا حشر ہوگا اور اس پر اللہ کا کیا عذاب نازل ہوگا، رات گذر گئی، صبح ہو گئی، ولید کو کچھ بھی نہ ہوا، بس اب قریش خوشی خوشی اطمینان سے کعبہ ڈھانے کے لئے آگے بڑھے۔

قریش قریبی پہاڑوں سے پتھر اٹھا کر لائے اور تعمیر شروع کر دی، اس کام کے کرنے میں پیش پیش حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چچا تھے۔
عمارت کی دیواریں کھڑی ہو گئیں اور اب حجرِ اسود کو اس کی جگہ مشرقی کنارہ پر نصب کرنے کا وقت آ گیا، عین اس وقت لوگوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ یہ شرف کس کو حاصل ہوگا اور پتھر نصب کرنے کی سعادت کس کے حصہ میں آئے گی، ہر فریق یہ سمجھتا تھا کہ وہ اس شرف کا زیادہ مستحق ہے اور یہ فخر اس کا حصہ ہے۔

اختلاف کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور وہ دل جو اللہ کے گھر کے سلسلہ میں

متفق و متحد ہو گئے تھے ان میں پھر اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔

پانچ راتیں گذر جاتی ہیں لوگ اسی طرح پریشان ہیں کسی رائے پر اتفاق نہیں ہوتا، بنو عبد الدار اور بنو عدی ذرا آگے بڑھ گئے اور آپس میں معاہدہ کر لیا کہ وہ کسی بھی قبیلہ کو اس شرف کے حاصل کرنے کے لئے آگے نہ آنے دیں گے اور انہوں نے اس پر خوب پکی قسمیں کھائیں، بنو عبد الدار خون سے بھرا ہوا ایک پیالہ لائے اور قسم کو اور مضبوط کرنے کے لئے اس میں اپنے ہاتھ ڈال دئے اور اس اختلافی مسئلہ میں فیصلہ کرنے کے لئے تلوار لے کر میدان میں آ گئے، عین اس موقعہ پر ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی جو قریش کے عمر رسیدہ شخص تھے جن کی بات قریش میں مانی جاتی تھی اور جن کو بڑا تسلیم کیا جاتا تھا وہ آگے بڑھے اور قریش کو قسمیں دے کر کہنے لگے:

اے قریش کی جماعت! تم سب کے سب عزت و مرتبت اور سرداری میں برابر ہو اس لئے لڑو جھگڑو مت، عقل سے کام لو اور اس اختلافی مسئلہ کا فیصلہ اس قریشی شخص سے کرا دو جو تمہارے پاس سب سے پہلے بابِ صفا سے داخل ہو کر آئے۔

سب لوگ اس رائے پر متفق ہو گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے کہ بابِ صفا سے پہلے کون داخل ہوتا ہے اور کون ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا، چنانچہ بابِ صفا کو ٹکٹکی باندھ کے دیکھتے رہے، انتظار کو زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ

دروازے سے ایک خوبصورت نوجوان نمودار ہوئے جو تیزی سے چل کر آرہے تھے، یہ لوگ انہیں دیکھتے ہی چیخنے لگے: امین آگئے، امین آگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم امین کے فیصلہ پر ہم راضی ہیں۔

اور جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر اپنا متنازع مسئلہ پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات غور سے سنی اور پھر کہا کہ میرے پاس ایک کپڑا لے کر آؤ۔

کپڑا لایا گیا، آپ نے اسے پھیلا دیا اور اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود اٹھایا اور اس چادر میں رکھ دیا اور پھر فرمایا کہ ہر قبیلہ کا بڑا فرد اس چادر کے ایک کنارہ کو پکڑ لے اور سب مل کر اسے اٹھائیں۔

بڑے حضرات آگے بڑھے اور چادر کے کنارے پکڑ کر اسے اٹھایا، حجرِ اسود اس میں موجود تھا، جب کعبہ کی اس جگہ پہنچ گئے جہاں پتھر لگانا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کپڑے سے نکالا اور اس کی جگہ پر لگا دیا، لوگ جھگڑے کے اس خوش اسلوبی سے طے ہونے اور دور ہونے پر خوشی سے کلمہ پڑھنے لگے۔

پھر قریش نے کعبہ کی تعمیر مکمل کی اور ان ستونوں کے اوپر چھت بنادی جو اس غرض کے لئے بنائے گئے تھے اور ایک دروازہ اندر جانے کے لئے کھول دیا گیا جہاں ہُبل بت نصب کیا گیا تھا، اس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے محبوب تھے بلند و بالا مرتبہ والے تھے اور سچے سمجھے جاتے تھے ان کی بات کو لوگ کان لگا کر سنتے تھے۔

۳

وحیِ الٰہی

مکہ میں چار آدمیوں نے یہ اعلان کیا: اے قریش کی جماعت، اے ابراہیم کی اولاد اللہ کے گھر کو پاک کرو تم نے جو بت اور گونگے پتھر اس میں کھڑے کرکے ان کا طواف اور ان کے لئے ذبح شروع کیا ہے اس سے باز آؤ اور ان بتوں کو توڑ ڈالو۔

اے قوم! جس دین کو تم نے اختیار کیا ہوا ہے اسے چھوڑ کر کوئی اور دین اپناؤ۔

اے قوم! اب وہ زمانہ آگیا ہے جس میں خود تم میں سے ہی ایک نبی ظاہر ہوگا، اس کا تذکرہ توراۃ و انجیل میں موجود ہے، یہود کے بڑے عالموں اور راہبوں اور نجومیوں نے اس پر دلیلیں پیش کی ہیں، تم توبہ کرو اور اس نبی کی آمد کے منتظر رہو، تمہیں دنیا بھی ملے گی اور آخرت کا ثواب بھی۔

قریش نے جب ان آدمیوں کو دیکھا تو وہ مندرجہ ذیل چار اشخاص نکلے:

زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحارث اور عبید بن جحش۔

یہ سب اپنی قوم میں عمر رسیدہ اور مسلّم بزرگ ہستی تھے، سب جانتے تھے کہ یہ اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم کے دین پر چلتے ہیں انہوں نے اپنے اوپر

شراب اور جوا کھیلنا حرام کر رکھا ہے، بتوں کی پوجا پاٹ سے دور رہتے ہیں اور
اپنے مال کو خرچ کر کے زندہ درگور ہونے والوں کو بچالیتے ہیں چنانچہ جب
بھی انہیں یہ معلوم ہوتا کہ کوئی باپ اپنی بیٹی کو فقر یا شرمندگی کے ڈر سے قتل
کرنا چاہتا ہے تو یہ فوراً اس بچی کو اپنی کفالت و ذمہ داری میں لے لیا کرتے تھے
لیکن جب وہ بڑی ہو جاتی اور اس کا باپ اس کو لینے کا خواہشمند ہوتا تو یہ
اس کو واپس کر دیا کرتے تھے۔

قریش اس بات کو مناسب نہ سمجھتے تھے کہ یہ حضرات کھلم کھلا اس طرح اعلان
کرتے رہیں اور یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ انہیں اس طرح آزاد چھوڑ دیں تاکہ ان
کے مذہب و دین کو برا کہیں اور بتوں کی توہین کرتے رہیں۔

اس لئے کہ وہ بچپن سے ہی اس طرح عبادت کرتے چلے آئے تھے یہی
ان کے معبود تھے جنہیں وہ پوجتے تھے جن کو نہ بدلنا چاہتے تھے نہ اس میں تغیر
کو پسند کرتے تھے اس وجہ سے انہوں نے ان بزرگوں کی بات سننے اور ماننے
سے انکار کر دیا بلکہ ایک جماعت ایک ہاتھ اور آگے بڑھی اور اس نے ان
حضرات کو گالیاں دینا ان پر طعن و تشنیع کرنا ان کو تنگ کرنا اور ان
کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

ان بزرگوں پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ان میں سے ہجرت کرنے والے
ہجرت کر گئے، عیسائی بننے والے عیسائی بن گئے اور ان میں سے صرف ایک

شخص زید بن عمر بن نفیل ہی حضرت ابراہیم کے دین پر برقرار رہے وہ کعبہ کی
دیوار سے چمٹے رہتے اور کہتے:

اے اللہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ کون سا طریقہ آپ کو زیادہ پسند ہے
تو اس طریقہ سے آپ کی عبادت کرتا لیکن میں اس طریقہ کو نہیں جانتا ہوں
یہ کہہ کر وہ سجدہ میں گر جاتے۔

قریش نے ان بزرگوں کا مذاق اڑایا جنہوں نے اپنی رائے کھلم کھلا پیش
کی تھی اور اپنا عقیدہ علی الاعلان بیان کیا تھا، قریش نے ان پر الزام تراشی
شروع کی ان پر طرح طرح سے کیچڑ اچھالا، لیکن ان قریش کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں
بھی ایک ایسا نوجوان موجود ہے جسے وہ چاہتے ہیں، پسند کرتے ہیں، محبت
کرتے ہیں، دل سے عزیز رکھتے ہیں، وہ نوجوان بھی وہی عقیدہ رکھتا ہے جو
عقیدہ ان بزرگوں کا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اس نوجوان نے ابھی تک کھلم کھلا
اپنی رائے کا اظہار نہ کیا تھا بلکہ وہ اکیلے عبادت کرتا تھا شب خیزی میں مصروف
رہ کر حقیقت کی تہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔

شمالِ مکہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر جبلِ حراء میں ایک غار تھا جس میں حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت کی تلاش اور معرفت الٰہیہ تک پہنچنے کے لئے
کتنے ہی دن اور کئی کئی راتوں تک تنہا رہتے تھے۔

ہر سال رمضان کے مہینے میں زندگی کے شور وغل اور لوگوں کی چیخ وپکار

سے منقطع ہو کر غار میں چلے جاتے تھوڑا سا سامان کھانے پینے کے لئے اپنے ساتھ
لے جاتے یا آپ کے گھر والے وہاں بھیج دیا کرتے۔

اس طرح زندگی کے شب و روز گذرتے رہے اپنے خیالات میں منہمک
اور ذہن کے صفحات کو الٹتے پلٹتے۔ حق کے متلاشی حق کے مؤید باطل
سے کنارہ کش اور اس سے دور رہنے کی کوشش کرنے والے۔

جس دنیا میں وہ رہ رہے تھے اس کی حقیقت کے جاننے کی جستجو میں لگے رہے
اور اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ اس کے مخفی گوشوں پر سے پردہ اٹھائیں
مہینے اور سال گذرتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اسی حالت پر قائم رہیں
کہ مسلسل غار میں جا رہے ہیں۔ رمضان کا مہینہ آنے پر پورے کے پورے مہینہ
غار میں رہتے اور جب مکہ لوٹ کر آتے تو کعبہ کا طواف کرتے رہتے۔

پھر حضرت خدیجہ اور ان سے جو اولاد تھی ان کے پاس جاتے تو حضرت
خدیجہ نہایت پیار و محبت سے پوچھتیں اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ
خیریت سے ہیں نا۔

آپ جواب دیتے، ہاں اللہ کا شکر ہے میں ٹھیک ہوں، بچے ارد گرد
جمع ہو جاتے اور چھوٹے آپ سے چمٹ جاتے اور بڑے پوچھتے:

ابا جان آپ کہاں تھے؟ ابا جان ہم بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتے
ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ دل لگی کرتے، محبت سے پیش آتے
اور ان سے کہتے کہ ٹھیک ہے جہاں میں عبادت کے لئے جاتا ہوں تمہیں بھی
ساتھ لے چلوں گا۔

کچھ دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال میں اس طرح ہنسی خوشی
گذارتے اور پھر غار حراء کی طرف گوشہ نشینی کے لئے چلے جاتے۔

اولاد کے ساتھ خوشی اور لطف کی یہ گھڑیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
لئے کوئی دیرپا ثابت نہ ہوئیں اور جلد ہی آپ کی نرینہ اولاد یکے بعد دیگرے
رحلت کر گئی، چنانچہ قاسم، طیب اور پھر طاہر تینوں انتقال کر گئے اور اس طرح جدا
ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی رحلت کا وہ صدمہ بھی چکھ لیا جو
بچپن میں اپنے والدین کے کوچ کرنے پر برداشت کرنا پڑا تھا۔ البتہ آپ کی
صاحبزادیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ زندہ رہیں۔

جب زینب بڑی ہو گئیں تو ان کی شادی حضرت خدیجہ کے بھانجے
ابو العاص بن الربیع بن عبد شمس سے کر دی اور پھر رقیہ اور ام کلثوم کی شادی
اپنے چچا ابو لہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کر دی اور آپ کے ساتھ صرف
آپ کی چھوٹی کم سن بیٹی فاطمہ رہ گئیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد وفات پا گئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ
نے آپ کو دو غلام ایسے دے دیے جو بالکل اولاد کی طرح بن گئے اور آپ نے

بھی ان کے ساتھ باپ کا سا سلوک کیا۔

حضرت خدیجہ ایک مرتبہ اپنے بھتیجے حکیم بن حزام بن خُوَیلِد سے مل کر واپس آئیں تو ان کے ساتھ ایک خوبصورت غلام تھا جس پر خوشحالی اور فراخی کے آثار نمایاں تھے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: خدیجہ یہ لڑکا کون ہے؟

حضرت خدیجہ نے جواب دیا: یہ غلام مجھے میرے بھتیجے حکیم نے دیا ہے وہ شام گئے تھے وہاں سے کچھ غلام لائے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: بخدا اس کے چہرے سے تو شرافت ٹپک رہی ہے اور مجھے تو اس میں ذکاوت وسمجھداری کے آثار نظر آتے ہیں۔

حضرت خدیجہ نے جواب دیا: کہتے ہیں کہ یہ صاحبِ حیثیت باپ کا بیٹا تھا، بنو القین بن جسر کے لوگوں نے اسے پکڑ لیا تھا اور پھر حبشہ کے بازار میں جا کر بیچ دیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کو پیار ومحبت سے دیکھتے ہوئے پوچھا: بیٹا تمہارا کیا نام ہے؟

لڑکے نے جواب دیا: میرا نام زید بن حارثہ ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمہارا سلسلہ نسب کیا ہے؟

لڑکا: میرے باپ کا نام حارثہ بن شرحبیل بن کعب ہے اور میری والدہ

کا نام سُعدیٰ بنت ثعلبہ ہے جو قبیلہ طئی کی شاخ بنو معن سے تعلق رکھتی ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ سے کہتے ہیں: اے خدیجہ کیا یہ لڑکا تم مجھے ہبہ نہیں کر سکتیں؟

حضرت خدیجہ: غلام آپ ہی کا ہے اے میرے چچا کے بیٹے آپ قبول کر لیجئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً غلام کو آزاد کر دیا اور بیٹے کی طرح اپنا مُتَبنّیٰ (لے پالک) بنا لیا۔

اور پھر لڑکے کے والدین کے پاس ایک آدمی بھیجا تاکہ وہ ان کو اطمینان دلا دے کہ ان کا بیٹا آزاد ہے اور مزے میں ہے۔

وقت کچھ زیادہ نہیں گذرا تھا کہ زید کے والد اور چچا آپ کے پاس آئے اور آپ سے کہا کہ اس کے بدلہ فدیہ قبول کر لیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی؟

وہ دونوں کہتے ہیں: وہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: میں لڑکے کو بلا کر اسے اختیار دئے دیتا ہوں کہ اگر وہ آپ دونوں کے ساتھ جانا چاہے تو بلا کسی عوض و فدیہ کے آپ لے جا سکتے ہیں لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں اس شخص کے بدلہ کسی کو

نہیں پسند کر سکتا جو خود مجھے پسند کرے۔

ان دونوں نے کہا: آپ نے تو انصاف سے بھی زیادہ بڑھ کر معاملہ کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم زید کو بلاتے ہیں، جب وہ آگئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ یہ دونوں کون ہیں؟

زید نے جواب دیا: یہ میرے والد ہیں اور یہ چچا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اختیار دیتا ہوں اگر تم چاہو تو ان دونوں کے ساتھ چلے جاؤ اور اگر چاہو تو میرے پاس ٹھہرو؟

لڑکا: میں تو آپؐ ہی کے پاس رہوں گا۔

حارثہ کو غصہ آگیا اور لڑکے کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

اے زید کیا تم اپنے ماں باپ، قوم اور وطن پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو؟

زید نے جواب دیا: انہوں نے مجھے غلام نہیں بنایا ہے اور میں ان میں وہ کچھ دیکھ چکا ہوں کہ جس کے بعد ان کو کبھی بھی کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً زید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور قریش کی جماعت کے سامنے جا کر اعلان کیا: لوگو گواہ رہو کہ یہ میرا بیٹا ہے میرا وارث یہ ہے اور اس کا وارث میں ہوں۔

حارثہ کا دل خوش ہو گیا اور زید کو آپؐ کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔

اور زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمدم بنا دیا، آپ کی شفقت و محبت اور باپ جیسی چاہت آپ کے چچازاد علی بن ابی طالب کو بھی نصیب ہوئی۔
اس لئے کہ ایک موقعہ پر شدید قسم کی قحط سالی کے بعد آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے ان کے بیٹے علی کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔

بات یہ تھی کہ ابو طالب کی اولاد بہت زیادہ تھی ان کی حالت پتلی تھی، تنگدست تھے۔ مصیبت میں گرفتار تھے۔ تکلیف دہ قحط سالی جو اہلِ مکہ پر آئی تھی اس نے اور تکلیف و تنگی میں مبتلا کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس سے جو بنو ہاشم کے مالدار ترین شخص تھے اس سلسلہ میں گفتگو کی کہ جب تک قحط ختم نہ ہو اور تنگی دور نہ ہو اس وقت تک دونوں ابو طالب کی اولاد میں سے ایک ایک کو اپنے ذمہ کفالت میں لے لیں، چنانچہ دونوں حضرات ابو طالب کے پاس گئے اور اپنا مطالبہ پیش کیا تو انہوں نے ان دونوں سے کہا: آپ دونوں جیسا چاہیں کریں۔

عباس نے ابو طالب کی اولاد میں سے جعفر کو لے لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو اور اسی وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم علی کے لئے نہایت شفیق مہربان باپ اور علی آپ کے نہایت نیک فرمانبردار بیٹے ہو گئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کے قریب ہو گئی۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت کی طرف جس کے حاصل کرنے کے پیچھے
ایک عرصہ سے لگے ہوئے تھے اور جس کی جستجو جاری تھی اور بچپن سے لے کر
ساری جوانی تک اس تحقیق میں گذاری، اس میں ایک قدم اور آگے بڑھاتے
ہیں، عبادت اور یادِ الٰہی میں ان طویل سالوں کے گذارنے نے آپؐ کی
روح کو روشن اور پاک صاف کر دیا تھا، صحیح راستہ پر گامزن تھی اور نفس
تکلیف برداشت کر کر کے ہلکا پھلکا اور ٹھیک ہو گیا تھا اور دل کے
دروازے کھل گئے تھے اور وہ صاف وشفاف اور محفوظ کرنے والا دل بن
گیا تھا۔

حالتِ نیند میں سچے خواب کی شکل میں حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے
اور وہ تمام تاریکیاں جن کے ختم کرنے کے لئے آپ کوشاں تھے وہ ختم ہو
جاتی ہیں اور راہِ حق اور ہدایت کا راستہ روشن ومنور ہو گیا، خواب
میں دیکھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزیں اور ساز وسامان سب لغو وبیکار ہے
اور اس کی نعمتیں اور راحت وآسائش زائل ہونے والی اور فانی ہے۔

اور آپ کی قوم نے ________ راہِ حق اور
صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر جو غلط راستہ اختیار کیا تھا اس کی حقیقت کھل کر سامنے
آگئی۔ آپؐ نے خوب اچھی طرح سے جان لیا کہ معبودِ برحق صرف خدا ہی کی
ذات ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے وہی اس

کائنات اور اس میں موجود تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے وہی ہر شخص
کو اس کے کئے کی سزا دے گا جو شخص بھی اچھائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ ملے
گا اور جو ذرا سی بھی برائی کرے گا اس کو اس کا برا بدلہ ملے گا۔

سچے خواب بار بار نظر آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوبہ چیز صاف دکھانے
لگے اور جس چیز کی معرفت اور حقیقت وماہیت تک آپؐ پہنچنا چاہتے
تھے وہ کھول کر آپ کے سامنے پیش کرنے لگے، حق آپ کی آنکھوں کے
سامنے کھل کر آگیا، باطل عیاں ہو گیا، چنانچہ آپ کا دل راحت واطمینان
اور ایمان ونور کے ساتھ بھر گیا۔ جیسا کہ ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ اللہ
کا خوف وڈر اور اس کے سامنے گڑگڑانا اور اس کا رعب بھی آپ کے
دل میں رچ بس گیا تھا۔

حقیقت تک پہنچنے کے لئے جس نفس نے خوب سرگردانی کی تھی وہ اب
راحت وآرام اور اطمینان وسکون میں تھا لیکن اس حقیقت کے ظاہر
ہونے کے بعد قوم کی حالت دیکھ کر دل بے قراری اور ڈر وخوف میں
پڑ گیا۔

اللہ نے آپ کو صحیح راستہ دکھایا اور اس راستہ کی طرف رہنمائی کی جس پر ہر
وہ شخص چلتا ہے جو اللہ کی رضا، رحمت اور عفو کا طالب ہو۔
لیکن گمراہی کے گڑھوں میں کودنے والی اس قوم کو کون سیدھا راستہ دکھائے

اور کون ہے جو ان کو صحیح راستہ بتائے اور صحیح صورت حال سے آگاہ کرے۔

خواب جب بھی آپ کو صبح کی روشنی کی طرح صاف نظر آتا اور آپ پر مخفی اور چھپی ہوئی چیز ظاہر کرتا تو آپ گہری سوچ میں پڑ جاتے اور بے چینی بڑھ جاتی حتیٰ کہ آپ کو اپنی جان کا ڈر لگنے لگتا اور دیوانگی کا خوف ہونے لگتا اور آپ کو یہ خدشہ ہونے لگا کہ کہیں آپ پر ان جنوں میں سے کسی کا اثر تو نہیں ہے جو جادوگروں کو غیب کی باتیں بتلا دیا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے فوراً اپنی بیوی حضرت خدیجہ کے پاس جا کر ساری صورت حال بتلا دی اور دل کی بات ذکر کی تو انہوں نے نہایت اطمینان سے کہا۔

اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ جیسے شخص پر شیطان کا داؤ نہیں چل سکتا۔

نئے سال کا ماہ رمضان آگیا، عادت کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں معتکف ہو گئے، عبادت میں مشغول ہیں، وقتاً فوقتاً گھر والے آجاتے ہیں، کھانے پینے کا سامان دیتے اور اپنا دل مطمئن کر کے چلے جاتے بعض مساکین بھی آتے رہتے جنہیں اپنا مقصود و مطلوب حاصل ہو جاتا۔

رمضان کے کئی دن گذر گئے، ایک رات رات کے آخری حصہ میں آپ سوئے ہوئے تھے کہ ایک خوبصورت قسم کا فرشتہ نمودار ہوا اور اس کے ہاتھ میں ریشم کا ایک صحیفہ تھا وہ فرشتہ آپ سے کہنے لگا کہ: پڑھئے:

آپ پر دہشت طاری ہو گئی کہنے لگے: میں نہیں پڑھ سکتا۔

آپ کو یوں محسوس ہوا جیسے کہ فرشتہ گلا گھونٹ رہا ہے اور زور سے بھینچ رہا ہے پھر فرشتہ نے دبانا چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے، آپ نے کہا: میں نہیں پڑھ سکتا۔

دوبارہ پھر محسوس ہوا کہ فرشتہ دبا رہا ہے اور سختی سے بھینچ رہا ہے، اور پھر چھوڑ کر کہنے لگا: پڑھیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے مرتبہ اور سخت دبائے جانے اور زیادہ بھینچنے کے خوف سے کہا کیا پڑھوں؟

فرشتہ نے کہا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔	پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے بنایا آدمی کو جمے ہوئے خون سے پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے علم سکھایا، سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔

فرشتہ نے جو کچھ کہا آپ نے اسے پڑھ دیا اور وہ سب آپ کے دل پر نقش ہو گیا اور دل کے صفحہ پر چھپ گیا۔

فرشتہ آپ کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے ہیں، گھبراہٹ آپ پر طاری ہے

خوف کا غلبہ ہے، غار کے کونہ کونہ میں خوف و ڈر سے جھانکتے ہیں اور اپنے آپ سے دہشت وحیرت کی حالت میں پوچھتے ہیں: مجھ سے کس نے

خطاب کیا ہے؟ مجھے کس نے پڑھایا ہے؟

اور پھر یہ گمان کرتے ہوئے جلدی سے غار سے نکلتے ہیں کہ کہیں آپ پر شیطان کا اثر نہ ہو گیا ہو اور جس کا خوف تھا وہ واقع نہ ہو گیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی گھاٹیوں میں خوف سے کانپتے ہوئے چکر لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: نیند میں تو سچے خوابوں نے آکر مخفی چیزوں پر مطلع کیا اور جو چاہتا تھا وہ واضح ہو جاتا لیکن یہ کون شخص تھا جو میرے سامنے نمودار ہوا؟

اور جو کچھ میں پڑھ رہا ہوں اس سے کون مراد ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کے وسط میں پہنچ گئے، اچانک کانوں میں آواز آتی ہے کہ کوئی آپ کو پکار رہا ہے اور کہہ رہا ہے: محمد!

آپ خوف ودہشت کے عالم میں سر اوپر اٹھاتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی فرشتہ آپ کے سامنے انسان کی شکل میں آکر آواز دے رہا ہے: اے محمد تم تو اللہ کے رسول ہو اور میں جبرئیل ہوں، اس سے رعب وڈر اور بڑھ گیا۔ گھبراہٹ میں اضافہ ہو گیا اور دہشت کی وجہ سے بھاگ کا کوئی راستہ نہ پایا تو اپنا سر دائیں بائیں پھیرنے لگے تاکہ اس شخص کی صورت

آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جائے جو آپ کے سامنے کھڑا تھا لیکن آپ جس طرف بھی منہ کرتے اور جدھر کا رخ کرتے وہ شخص اس طرف نظر آتا۔

چنانچہ کبھی آگے بڑھنے اور کبھی پیچھے ہٹنے لگے تو وہ فرشتہ بھی ہر جگہ وہر سمت میں جدھر بھی آپ نگاہ کرتے ادھر نظر آنے لگتا۔

ایک طویل عرصہ اس صورت میں گذرا کہ آپ خوف ودہشت اور رعب کی تکلیف دہ گھڑیاں شمار کرتے رہے، حضرت خدیجہ اپنے آدمی غار میں بھیجتیں تو آپ وہاں نہ ملتے، وہ لوگ رشتہ داروں کے گھر میں تلاش کرتے وہاں بھی نہ ہوتے اور اِدھر اُدھر بے فائدہ تلاش ہوتی لیکن آپ کہیں بھی نہ ملتے۔

اخیر میں یہ ہوا کہ فرشتہ آپ کو چھوڑ کر چلا گیا، آپ کانپتے لرزتے پسینے میں تر ابور حضرت خدیجہ کے پاس یہ کہتے ہوئے آئے:

مجھے چادر اڑھادو مجھے چادر اڑھادو، حضرت خدیجہ نے جلدی سے چادر اڑھادی اور گھبرا گئیں کہ کہیں آپ کو بخار یا کوئی اور بیماری لاحق تو نہیں ہو گئی، جب آپ کو کچھ سکون ہوا اور گھبراہٹ کم ہوئی اور کپکپی ختم ہو گئی تو حضرت خدیجہ نے آپ کی طبیعت پوچھی اور دریافت کیا کہ آپ تھے کہاں؟ آپ نے ان کی طرف فریاد بھری مدد کی طالب نگاہوں سے دیکھ کر کہا: خدیجہ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟!

اس کے بعد آپ نے حضرت خدیجہ کو وہ سب کچھ بتلایا جو آپ نے دیکھا تھا اور اپنے اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ کہیں وہ کوئی ایسا جادوگر تو نہیں تھا جس کے پاس جن آتے جاتے رہتے ہوں۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو نہایت عظمت و بڑائی کی نگاہ سے دیکھا اور اس طرح مسکرائیں جیسے کوئی مطمئن اور پر امید ہوتا ہے اور پھر نہایت اطمینان سے کہنے لگیں: اے میرے چچا کے بیٹے مبارک ہو ثابت قدم رہیے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں خدیجہ کی جان ہے مجھے تو یہ یقین ہے کہ آپ اس امت کے لئے نبی بنیں گے، واللہ خدا آپ کو ہرگز رسوا نہیں کر سکتا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، امانت ادا کرتے ہیں، غریبوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، میزبانی کرتے ہیں اور مصیبت پر لوگوں کے کام آتے ہیں۔

حضرت خدیجہ کی اس گفتگو سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان و سکون ہوا اور خوشی و راحت آپؐ کے جسم میں سرایت کر گئی۔ آپ نے ان کی عمدہ سوچ اور اچھی باتوں کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا اور اچھی بشارت سن کر آنکھیں بند کر لیں اور سو گئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ سے حضرت خدیجہ سوچ میں پڑ گئیں اور خوش بھی ہوئیں لیکن پھر ممکنہ پیش آمدہ واقعات سے آپؐ کے

سلسلہ میں اپنے آپ کو خوف سے نہ روک سکیں، اس لئے انہیں خیال ہوا کہ اس بارے میں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے مشورہ کریں، اس لئے کہ وہ جانتی تھیں کہ ورقہ حکیم قسم کے آدمی ہیں مذاہب کا علم رکھتے ہیں اور ان کا مطالعہ کر چکے ہیں۔

ورقہ بن نوفل پہلے یہودی بن گئے تھے پھر بعد میں عیسائی ہو گئے تھے، اور انجیل پڑھی تھی اس کا عربی میں ترجمہ بھی کر چکے تھے۔ حضرت خدیجہ نے جب ان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ذکر کیا اور جو کچھ انہوں نے دیکھا اور سنا تھا وہ بتلایا تو ورقہ نے کہا، قدوس ہے قدوس ہے یعنی پاک ہے پاک، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ورقہ کی جان ہے اگر اے خدیجہ تم سچ کہتی ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ ناموس اکبر (بڑا فرشتہ) آیا ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس امت کے لئے نبی بنیں گے۔ اس لئے ان سے کہہ دو کہ وہ ثابت قدم رہیں۔

حضرت خدیجہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ کر آتی ہیں تاکہ آپ کو ورقہ بن نوفل کی بشارت سنائیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتی ہیں تو دیکھتی ہیں کہ آپ کانپ رہے ہیں، پیشانی پر پسینہ پھوٹ رہا ہے سخت تھکے ہوئے نظر آرہے ہیں اور آپ زبان سے یہ کلمات پڑھ رہے ہیں:

(یا أیُّھا المدَّثِّر، قُم فأنذِر) اے لحاف میں لپٹنے والے کھڑے ہو

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ، وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ، وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔	جائیے پھر ڈر سنائیے اپنے رب کی بڑائی بیان کریں، اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں اور گندگی سے دور رہیں اور ایسا نہ کریں کہ احسان کریں اور بدلہ بہت چاہیں اور اپنے رب سے امید رکھیں۔
(المدثر - ۱تا۷)	

حضرت خدیجہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شفقت و محبت کی نگاہ سے دیکھا اور جب آپ پڑھنا بند کر چکے تو خدیجہ پیار سے آگے بڑھیں اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا، آپ نے کیا دیکھ لیا؟ اور کیا سنا؟ آپ نے جواب دیا:

جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور میں جو پڑھ رہا تھا وہ یاد کرا گئے۔

حضرت خدیجہ نے کہا: مبارک ہو۔

اور اپنے چچازاد بھائی ورقہ کی بات بتلائی اور جو پیغام انہوں نے دیا تھا وہ آپ کو پہنچایا اور پھر آپ کے سامنے اپنے اسلام قبول کرنے اور آپ کی نبوت پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے طواف کے لئے نکلتے ہیں، راستہ میں ورقہ بن نوفل ملتے ہیں پوچھتے ہیں: بھتیجے ذرا بتاؤ تو سہی تم نے کیا کچھ دیکھا ہے؟ آپ نے تفصیل بتلائی تو اس نے کہا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک تم اس امت کے نبی ہو اور تمہارے پاس

وہی فرشتہ آیا تھا جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا تھا، یاد رکھیئے اب لوگ آپ کو جھٹلائیں گے، تکلیف پہنچائی جائے گی، ملک سے نکال دیا جائے گا، آپ کے ساتھ لڑائی کی جائے گی اور اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو اللہ کے دین کی اتنی خدمت کروں گا جس کا خدا ہی کو علم ہے۔

پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکا اور آپ کے سر کو چوما۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس بڑی ذمہ داری کے بارے میں جو قوم کو تبلیغ کے سلسلہ میں آپ کے کاندھوں پر ڈالی گئی تھی اس بارے میں سوچتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اپنے آپ سے پوچھتے ہیں کہ:

لوگوں کو کیسے دعوت دوں؟ اور کس طرح رہنمائی کروں؟ وہ تو اپنی اس گمراہی پر ایمان رکھتے ہیں جس میں وہ بری طرح گھسے ہوئے ہیں، اپنی سرکشی میں ڈوبے ہوئے ہیں، بہتان پر قائم ہیں اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے والے اور بتوں کی تعظیم کرنے والے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ میں وحی کا انتظار کرتے ہیں کہ وحی آپ کی رہنمائی کرے کہ آپ کو کیا کرنا ہے؟ کس راستہ کو اپنانا ہے؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اس فرشتے کے آنے کے انتظار میں رہتے ہیں جسے پہلے دیکھ چکے تھے، جس کے بارے میں ورقہ بن نوفل نے یہ خبر دی تھی کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آتا تھا اور جس

کے بارے میں حضرت خدیجہ نے اطمینان دلایا تھا کہ وہ شیطان نہیں ہو سکتا فرشتہ ہے۔

لیکن انتظار طویل ہو گیا اور جبرئیل نہیں آئے اور نہ آپ پر اور کوئی وحی آئی۔

آپ کو فکر ہو گئی کہ آپکی رہنمائی کرنے اور جو کام کرنا ہے اس کا راستہ بتلانے کے لئے جبرئیل کیوں نہیں آئے؟ وہ دوبارہ ملنے کیوں نہیں آئے؟ اور پہلے جیسے پیغامِ وحی کو کیوں نہ لائے؟ آپ کی فکر بڑھ گئی، غم زیادہ ہو گیا، بے چینی میں اضافہ ہو گیا، آپ کے اس شعور و احساس میں حضرت خدیجہ آپ کے ساتھ برابر کی شریک تھیں، ان پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اُداسی و غم چھا گیا، آپ کی طرح وہ بھی بے چین ہو گئیں لیکن انہوں نے اپنے نفس پر قابو رکھا اور آپ کو اطمینان دلانے اور آپ کے غم کو ہلکا کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔

جب وقت اور طویل ہو گیا تو ایک عورت نے آپ سے کہا: اے محمدؐ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے اور وہ آپ سے ناراض ہو گیا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مصیبت اور بڑھ گئی، اور آپ دوبارہ غارِ حرا میں چلے گئے اور دن رات عبادت میں لگے رہتے اور اپنے رب سے پوچھتے رہتے کہ مجھے چن لینے کے بعد کیوں چھوڑ دیا

اور مجھ سے کیوں ناراض ہو گئے؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو گئے اور غم شدید اور دل تنگ ہو گیا اور رنج و ملال بڑھ گیا تو آپ پہاڑ کی گھاٹیوں میں پھرنے لگے اور پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور سوچنے لگے کہ اوپر سے چھلانگ لگا دیں!! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی تکلیف پہنچی اور آپ کی روح کو کیسی ایذا پہنچی اور وحی منقطع ہونے کی وجہ سے آپ کو کتنی شدید تکلیف تھی اور یہ خیال آپ کے لئے نہایت ہی تکلیف دہ تھا کہ اللہ تعالٰے نے آپ کو چھوڑ دیا ہے اور آپ سے ناراض ہو گئے ہیں۔

ایک دن آپ اسی کیفیت میں غارِ حرا کے پاس تھے نہایت تکلیف اور شدید تفکرات میں صدقِ دل سے موت کی تمنا اور آرزو کرنے لگے تھے کہ آپ کے سامنے جبرئیل امین ظاہر ہوئے۔

اے اللہ آپ اپنے مخلص مومن بندہ پر کتنے مہربان ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن کانپنے لگا اور رعشہ طاری ہو گیا لیکن یہ کپکپی اور لرزنا اس لرزنے اور کپکپانے کی طرح نہیں تھا جو جبرئیل کو پہلی مرتبہ دیکھ کر ڈر و خوف کی وجہ سے پیدا ہوا تھا بلکہ آج کی کپکپاہٹ اور لرزش خوشی و سرور کی وجہ سے تھی۔

جبرئیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کے رب کا مندرجہ ذیل پیغام

لے کر آئے تھے:

وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی، وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی، وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔

قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے، نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا اور البتہ آخرت آپ کیلئے دنیا سے بہتر ہے اور آگے دے گا آپ کو آپ کا رب پھر آپ راضی ہوں گے بھلا نہیں پایا آپ کو یتیم پھر جگہ دی اور پایا آپ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی اور پایا آپ کو مفلس پھر غنی کر دیا سو جو یتیم ہو اس کو مت ڈانٹیں اور جو مانگتا ہو اس کو مت جھڑکیں اور جو احسان ہے آپ کے رب کا اسے بیان کریں۔

(الضحیٰ - ۱تا۱۱)

اے اللہ تیری شان بہت بڑی ہے، خدا نے نہ محمدؐ کو چھوڑا تھا اور نہ ان سے ناراض ہوا تھا بلکہ اللہ نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مہربانیوں اور رحمت میں گھیر لیا تھا اور آپ پر نعمتوں کی بارش کر دی تھی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون نصیب ہو گیا دل ٹھنڈا ہو گیا اور نفس مطمئن ہو گیا، خوف کے بادل چھٹ گئے، تفکرات زائل ہو گئے۔ جب خدیجہ کو یہ معلوم ہوا تو وہ بھی ان تمام خوشیوں میں آپ کے ساتھ برابر کی شریک ہو گئیں، اس لئے کہ وہ جو کچھ اپنے شوہر کے لئے آرزو رکھتی تھیں وہ پورا ہو چکا تھا اور جس تعلق کے بارے میں وہ سمجھ رہی تھیں کہ وہ منقطع ہو چکا ہے وہ جڑ چکا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پے در پے وحی کا نزول شروع ہو گیا اور جبریل آکر اللہ کی نشانیاں بتلاتے اور جو کام آپؐ کو کرنا تھا اس کی طرف رہنمائی کرتے۔

حضرت جبریل نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کی تعلیم دی، نماز سکھلائی، چنانچہ ایک روز آپؐ مکہ کے بالائی حصہ میں تھے کہ حضرت جبریل آئے اور وضو کیا تاکہ آپؐ کو بتلائیں کہ نماز کے لئے وضو کیسے کرتے ہیں، آپ انہیں دیکھتے رہے، جبریل کے وضو کرنے کے بعد آپؐ نے بھی اسی طرح سے وضو کیا اور پھر حضرت جبریل کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، آپ بھی انہی کی طرح نماز میں مشغول ہو گئے اس کے بعد جبریل چلے گئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر حضرت خدیجہ کے سامنے اسی طرح وضو کیا جس طرح حضرت جبریل نے آپ کے سامنے کیا تھا تاکہ خدیجہ کو بتلا

دیں کہ نماز کے لئے طہارت کس طرح حاصل کرتے ہیں، چنانچہ آپ کے بعد حضرت
خدیجہ نے وضو کیا، پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی، خدیجہ نے بھی آپ ہی
کی طرح آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر اس طرح نماز پڑھی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے جبریل کے پیچھے نماز پڑھی تھی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب کی کفالت کرتے تھے، علی
آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے، انہوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت
خدیجہ کو نماز پڑھتے دیکھا اور دیکھا کہ دونوں رکوع اور سجدہ کر رہے ہیں اور
ایسی واضح آیات تلاوت کر رہے ہیں جو اچھائی کی طرف بلاتی ہیں اور برائی
سے روکتی ہیں۔

نوجوان علی تعجب سے ان دونوں کو دیکھتے رہے کہ یہ کیا کر رہے ہیں، علی
کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی، وہ آپ کی ہر بات کو مانتے اور ہر
فعل کو تسلیم کرتے تھے اور انہوں نے اتباع کے لئے آپ کو اپنا مقتدیٰ و
نمونہ بنایا تھا۔

لیکن علی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے قبل ایسا خشوع وخضوع والا
سجدہ کرتے نہ دیکھا تھا، نہ ہی ان سے اس جیسا وعظ ونصیحت والا کلام
سنا تھا، چنانچہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ سے
پوچھا: یہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا: یہ اللہ تعالےٰ کا وہ دین ہے جس کا

خدا حکم دیتا ہے اور رسولوں کے ذریعہ بندوں کی طرف بھیجتا ہے۔

علی نے تعجب سے پوچھا: آپ دونوں رکوع وسجدہ کیوں کر رہے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ہم رکوع اور سجدہ اس اللہ کے
لئے کر رہے تھے جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا اور مجھے اس لئے رسول بنایا کہ میں
لوگوں کو اس کی عبادت کرنے کی دعوت دوں۔

علی نے کہا یہ تو بہت عظیم اور عمدہ چیز ہے، کیا مجھ جیسا شخص بھی
اس پر ایمان لا سکتا ہے جس پر آپ ایمان لائے؟ اور کیا میں بھی اس طرح
عبادت کر سکتا ہوں؟ اور آپ کی طرح نماز پڑھ سکتا ہوں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ہاں میرے چچازاد بھائی میں تم کو ایک
اکیلے اس خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور
تمہاری قوم کے معبود لات وعزیٰ کی عبادت نہ کرنے کی طرف بلاتا ہوں۔

علی نے کہا: آپ مجھے ذرا سی مہلت دے دیں تاکہ میں اپنے والد
سے مشورہ کر لوں۔

علی نے رات اس طرح کاٹی کہ آنکھ بند نہ ہوتی تھی آپ سے جو باتیں
سنی تھیں اور جو کچھ آپ کو کرتے دیکھا تھا اس کے بارے میں غور وفکر
کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو جلد ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
جا کر کہنے لگے۔

میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی پیروی کرتا ہوں، اب مجھے اپنے والد کو اطلاع دینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، آپ مجھے بتلائیے کہ رکوع کس طرح کروں اور سجدہ کس طرح؟ اور اللہ کا کلام کس طرح پڑھوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو نماز سکھلائی اور جو آیاتِ قرآنیہ آپ پر نازل ہو چکی تھیں وہ یاد کرائیں اور اس کے بعد سے آپ جب بھی نماز پڑھتے علی آپ کے ساتھ ہوتے۔

پھر اس کے بعد زید بن حارثہ بھی مسلمان ہو گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علی کے ساتھ وہ بھی عبادت میں شریک ہو گئے۔

چنانچہ حضرت خدیجہ کے بعد علی اور زید پہلے وہ شخص ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام لائے اور پہلے وہ شخص ہیں جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کی پیروی کی۔

جب سے علی و زید آپ کے ساتھ ہوئے تھے اسی وقت سے وہ دونوں آپ کو اعلیٰ ترین شخصیت اور کریم النفس محسوس کرتے تھے اور آپ میں کوئی ایسی عظیم الشان مخفی چیز پاتے تھے جس نے ان دونوں کے دلوں میں آپ کی محبت راسخ کر دی تھی اور انہیں آپ کے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا تھا، آج وہ مخفی چیز جس کی بنا پر وہ آپ سے محبت کرتے تھے اور آپ کی رفاقت کو دل وجان سے چاہتے وہ چیز ان دونوں کے سامنے کھل کر آ گئی تھی، ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ گویا وہ دونوں آپ پر اس سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے کہ آپ ان دونوں کو ایمان لانے کی دعوت دیں۔

اس کے بعد آپ کے گہرے جگری دوست ابوبکر بن ابی قحافہ تیمی بغیر کسی سوچ و بچار و تردد کے آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ یہ وہ دوسرے فرد تھے جو آپ سے آپ کی سچائی اور پاک دامنی کی بنا پر محبت کیا کرتے اور آپ کی دوستی و رفاقت کو پسند کرتے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ساتھ رہنے سے سکون ملتا اور آپ بھی ان کی محبت کا بدلہ محبت سے اور اخلاص کا بدلہ اخلاص سے دیتے تھے، چنانچہ آپ نے جیسے ہی ابوبکر کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے حق کو باطل سے نمایاں کیا تو ابوبکر نے فوراً ہی اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیا چنانچہ جیسے ہی آپ نے ابوبکر کو دعوت دی اور حقیقت حال سے روشناس کرایا تو ابوبکر نے بغیر کسی تردد و سوچ و بچار کے فوراً کہا:

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے سچ کہا آپ ہی سچائی والے ہیں میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت خدیجہ نے جب حضرت ابوبکر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی تو خوش ہوئیں اور اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکیں اور مبارک باد دینے کے لئے

چادر اوڑھ کر یہ کہتی ہوئی نکلیں:

اے ابو قحافہ کے بیٹے! تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے تمہیں ہدایت دی۔

ابو بکر کا اسلام لانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں بڑی مدد تھی اور حضرت ابو بکر آپ کی رسالت کے پیغام کے پہنچانے میں آپ کے لئے مضبوط ترین مددگار تھے۔

اس لئے کہ حضرت ابو بکر اپنی قوم کے محبوب ترین پسندیدہ اچھے اخلاق والے شخص تھے، قریش کے بڑے نسب دان اور صاحبِ علم شمار ہوتے تھے، قریش کے خیر و شر سے بہت زیادہ واقف تھے۔

ابو بکر تاجر، مالدار اور مال خرچ کرنے والے سخی قسم کے آدمی اور اچھے عمدہ اخلاق والے انسان تھے لوگ ان سے مشورہ کیا کرتے اور ان کے ساتھ بیٹھنے کو پسند کرتے تھے اور ان کی ان بے شمار خصوصیتوں کی بنا پر ان کے در پر آنے پر مجبور رہتے، وہ لوگ ان اوصاف کی وجہ سے حضرت ابو بکر کے پاس آتے ان سے مانوس ہوتے، ان کے پاس ان کے علم و فضل اور تجارت اور اچھی صحبت حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔

حضرت ابو بکر نے اپنی قوم کے ان لوگوں کو جو ان کی مجلس میں آیا کرتے تھے جن پر اعتماد و بھروسہ تھا جن میں دیانت و امانت اور عقل محسوس کرتے

ان کو اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے اسلام لانے میں حضرت ابو بکر کی پیروی کی اور ان میں سبقت لے جانے والے پہلے اشخاص عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن أبی وقاص اور طلحۃ بن عبید اللہ ہیں۔

پھر ابو عبیدہ بن الجراح اور ارقم بن ابی الارقم اسلام لائے، پھر مرد و عورتیں مسلمان ہونا شروع ہو گئیں، ان عورتوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں اور حضرت ابو بکر کی بیٹیاں بھی تھیں۔

مسلمان کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے . اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے لگے، لیکن آپ نے قریش کی جماعت کے سامنے جہراً دعوت نہ دی اور نہ کھلم کھلا ان کو اس چیز کی طرف بلایا جس کو دے کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا تھا۔

مسلمان اپنا اسلام مخفی رکھتے تھے اور جن میں امانت اور حق کی جانب رجحان پاتے ان میں چپکے چپکے اسلام پھیلاتے رہتے اور اپنے رشتہ داروں اور ساتھیوں سے چھپا کرتے تھے اور دور دراز جگہوں کو منتخب کر کے وہاں جا کر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے اور ایک دوسرے کو یاد کراتے اور لوگوں سے چھپ کر پہاڑ کی گھاٹیوں میں نکل جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے اور جو کچھ خود سیکھ چکے ہوتے اسے دوسروں کو سکھاتے رہتے۔

رفتہ رفتہ اہلِ مکہ کے مشرکین کو مسلمانوں کے ان افعال کا علم ہونے لگا، چنانچہ وہ راز معلوم کرنے اور جو چیزیں ان سے مخفی تھیں ان کی تحقیق کے لئے تاک میں لگ گئے اور بہت جلد ہی انہیں مسلمانوں کی نماز اور قرآن و تسبیحات پڑھنے کا علم ہو گیا۔

انہیں معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والی اپنی قوم کے دین سے لوگوں کو روکتے ہیں، —— یہ ان کے نزدیک بڑے تعجب کی بات تھی۔

کیا ابو طالب کا یتیم بچہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں کو ان کا دین چھوڑنے اور ان کے معبودوں کو برا کہنے پر آمادہ کرتا ہے؟

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ جرأت و جسارت کرتے ہیں کہ اپنی قوم اور اپنے آباء کے دین کی مخالفت کریں؟!

لوگوں میں اس موضوع پر تکرار، جھگڑا اور بحث مباحثہ شروع ہو گیا اور قوم سخت تعجب میں پڑ گئی۔

چنانچہ ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یقیناً جن کا اثر ہو گیا ہے، دوسرا فریق یہ سمجھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہرت اور نام و نمود کی بیماری لاحق ہو گئی ہے اور عنقریب ان کی یہ آرزو خاک میں مل جائے گی،

اس لئے انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی، ایک دوسرے فریق نے اس دین کی حقیقت جاننے اور اس کی حکمتوں سے بہرہ ور ہونے کے لئے اس کی طرف رجوع اختیار کیا اور یہ فریق بہت جلد ہی آپ کی پیروی کرنے لگتا اور مسلمان ہو جاتا۔

ابو طالب اپنے بھتیجے کے نئے دین کو دیکھنے کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک روز ابو طالب اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے جعفر کیا دیکھتے ہیں کہ مکہ کی ایک گھاٹی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں۔ علی اپنے باپ اور دوسرے چچاؤں اور قوم والوں سے چھپ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گویا ہوئے:

بھتیجے یہ کون سا دین ہے جس کی پیروی کرتے ہوئے میں تمہیں دیکھ رہا ہوں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: چچا جان یہ اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور ہمارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، خدا نے اس دین کو دے کر مجھے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور اے میرے چچا جان آپ ان لوگوں میں سب سے احق ہیں جنہیں میں اس کی نصیحت کروں اور اس ہدایت کی طرف بلاؤں اور وہ میری اس بات پر لبیک کہیں۔

ابو طالب نے جواب دیا: بھتیجے میں اپنے آباء کے دین اور جس طریقہ پر وہ

تھے اسے نہیں چھوڑ سکتا، لیکن میری زندگی میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔

پھر ابو طالب اپنے بیٹے علی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے:

اے میرے بیٹے! کیا تم اس دین کو جانتے ہو جس پر تم ہو؟

علی نے کہا: اباجان میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے اللہ کے لئے نماز پڑھی ہے اور جو چیز وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کی ہے۔

ابو طالب نے کہا: ٹھیک ہے انہوں نے تمہیں خیر و بھلائی کی ہی دعوت دی ہے لہٰذا ان کی پیروی کرتے رہنا۔

پھر اپنے بیٹے جعفر سے کہا: اے میرے بیٹے اپنے چچازاد بھائی کے پیچھے نماز پڑھو۔

ابو طالب نے خود تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام لانے کا اعلان نہ کیا لیکن دونوں بیٹوں کے لئے اسلام ہی کو پسند کیا۔ تو کیا اس میں بھی کوئی مخفی راز اور حکمت تھی؟

اس سے پردہ ان کا وہ تعلق ہٹائے گا۔ جو انہیں قریش ـــــ اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

قریش نماز پڑھنے والوں کا مذاق اڑاتے، رکوع میں ہوتے تو ان پر آوازیں کستے اور سجدہ میں ہوتے تو ان پر ہنستے، آہستہ آہستہ ان کی شرارت

زیادہ ہوتی گئی اور اتنی بڑھی کہ ان بے وقوف اور احمقوں نے اسے کھیل و مذاق کا ذریعہ ہی بنا لیا، چنانچہ وہ مکہ کی ان گھاٹیوں میں چلے جاتے جہاں مسلمان چاشت اور عصر کی نماز پڑھتے ہوتے اور وہاں جا کر ان پر آوازیں کستے اشارے کرتے اور پھر سب مل کر ہنسنے لگتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک روز دونوں جماعتوں میں لڑائی ہو گئی، سعد بن ابی وقاص نے ایک مشرک کو مارا جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا، یہ وہ پہلا خون تھا جو اسلام کے لئے اسلام کے راستہ میں بہایا گیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے اوپر نازل شدہ قرآن مسلمانوں کو سنانا چاہتے یا نئی وحی پر ان کو مطلع کرنا چاہتے تو اپنے پیرو مسلمانوں کو مشرکوں کے شر سے بچانے کے لئے ارقم بن ابی الارقم کے گھر میں چھپا کرلے جایا کرتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر تین سال کا زمانہ گذر گیا اور اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ رہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک نئے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہ رہی تھی کہ محمدؐ طاقت ور ہو گئے ہیں اور آپ کی پیروی کرنے والے بڑھ گئے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کھلم کھلا دعوت دینے اور اب تک چھپ کر جو دعوت دیتے تھے اس کو ظاہر کر کے علانیہ طور سے دینے کا حکم ان الفاظ میں دیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (الحجر-۹۴)

سو سنا دیں کھول کر جو آپ کو حکم ہوا اور پرواہ نہ کریں مشرکوں کی۔

۴

دعوت کی ابتداء

"وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، فَإِنْ عَصَوْكَ
فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۔
وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ۔
الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ
وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ، إِنَّهُ
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ "۔

(الشعراء ۲۱۴ تا ۲۲۰)

اور ڈر سا دیں اپنے قریب کے رشتہ داروں
کو اور اپنے بازو نیچے رکھیں ان کے واسطے
جو آپ کے ساتھ ہیں ایمان والے، پھر
اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیں کہ
میں بیزار ہوں تمہارے کام سے اور
بھروسہ کریں اس زبردست رحم والے
پر جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ اٹھتے
ہیں اور آپ کا پھرنا نمازیوں میں، بے شک
وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

تین سال تک چوری چھپے دعوت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ اب کھلم کھلا اسلام کی دعوت دیں اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں اور اگر گمراہ مشرک آپ کی پیروی نہ کریں تو آپ اس کی فکر اور قطعاً پرواہ نہ کریں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم کے مطابق کھلم کھلا دعوت دینے کا

ارادہ کر لیا، کئی روز تک آپ اپنے گھر میں بند ہو کر یہ سوچتے رہے کہ کس چیز
سے اپنے رشتہ داروں کو دعوت دینے کی ابتدا کروں اور اس مسئلہ میں
کس طرح قدم اٹھایا جائے اور کیا کیا جائے؟

آپ کے اس اعتکاف اور گھر میں بند ہونے کی خبر آپ کی پھپھیوں اور قریبی
رشتہ دار عورتوں کو پہنچی تو وہ اس خوف سے کہ شاید آپ بیمار ہو گئے ہیں
یا کوئی اور بات پیش آ گئی ہے اس لئے وہ عیادت کے لئے آپکے پاس آئیں۔

جب وہ آپ کے پاس آئیں اور آپ کی حالت پوچھی اور گھر میں معتکف
ہونے کا سبب معلوم کیا تو آپ نے ان سے فرمایا:

مجھے کوئی شکایت نہیں ہے، بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے اپنے قریبی رشتہ داروں
کو ڈرانے اور ان میں تبلیغ کا حکم دیا ہے تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں،
اور یہ سوچتا ہوں کہ کیا ان سب کو اپنے گھر پر بلا کر انہیں اس چیز سے ڈراؤں
جس سے ڈرانے کا حکم میرے رب نے مجھے دیا ہے۔

ان عورتوں نے کہا: جی ہاں ان سب کو بلا لیجئے لیکن اپنے چچا عبد العزیٰ
یعنی ابولہب کو نہ بلائیں اس لئے کہ جس چیز کو آپ پسند کر رہے ہیں اس کو
وہ قبول نہیں کریں گے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اپنے رشتہ داروں اور اقرباء کو اپنے
یہاں ایک کھانے پر مدعو کیا اور پھپھیوں کے منع کرنے اور اپنے چچا ابولہب کی

سخت طبیعت اور دینِ اسلام کی مخالفت کو جانتے ہوئے بھی انہیں دعوت دے دی۔

کھانے کی اس دعوت میں آپ کے چچاؤں اور پھپھیوں اور دیگر دوسرے بہت
سے رشتہ داروں نے شرکت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں ان
کے ساتھ بیٹھ گئے کہ وہ کھانا کھا کر فارغ ہوں تو ان سے اس سلسلہ میں بات
کی جائے جس کے لئے انہیں بلایا تھا اور خدا نے آپ کو جو حکم دیا تھا اس کی دعوت
ان لوگوں کو دیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب نے اس دعوت کے موقعہ کو نصیحت
کے لئے غنیمت جانا اور اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے یہ مناسب سمجھا
کہ اس موقعہ پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں اور ان کو اپنے آباء و اجداد
کے دین چھوڑنے سے روکیں اور سب رشتہ داروں کے سامنے ان کو اس سے
باز رکھنے اور روکنے کی کوشش کریں، چنانچہ ابولہب نے جلدی سے کہنا شروع کیا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دیکھو یہ سب تمہارے چچا اور چچازاد بھائی بیٹھے
ہیں لہٰذا تم ذرا بات کرو جو یہ چاہتے ہیں اور تم نے اپنے آباء کے دین کے خلاف
جو جنگ شروع کر رکھی ہے اس سے باز آ جاؤ، اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین
قبول کرنے سے رک جاؤ، اس لئے کہ اپنے بھائیوں کے لئے تم سے زیادہ بڑی مصیبت
کوئی اور شخص لے کر نہ آیا ہے اور یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہاری قوم سارے عرب
کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اگر تم اپنی اسی حالت پر قائم رہے تو پھر تمہارے بھائی

تمہیں قید کرنے میں حق بجانب ہوں گے اور تمہیں قید کرنا ان کے لئے اس سے بہتر ہوگا کہ قریش تم پر حملہ کریں اور دوسرے عرب بھی قریش کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کریں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دینِ حق اور ان کے باطل دین کے بارے میں ابھی کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ابولہب نے ان کی بات کاٹ کر حاضرین کو ابھارتے ہوئے کہنا شروع کیا:

خدا کی قسم یہ تو بہت بری بات ہوگی تم لوگوں کو چاہیئے کہ اس سے پہلے کہ دوسرے لوگ اس کو گرفتار کریں تم خود اس کو قابو میں کر لو، اس لئے کہ اگر تم اس پر خاموش رہے اور تم نے انہیں دوسروں کے حوالے کر دیا تو یہ بڑی ذلت اور رسوائی کی بات ہوگی اور اگر تم نے ان کی حفاظت کی تو لوگ تم سے لڑیں گے۔

حاضرین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی صفیہ بھی تھیں وہ ابولہب سے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھیں:

بھائی جان! کیا تمہیں اپنے بھتیجے کی رسوائی زیب دیتی ہے؟ خدا کی قسم علماء تو شروع سے یہ خبر دیتے چلے آئے ہیں کہ عبدالمطلب کی نسل سے ایک نبی پیدا ہوگا اور وہ یہی تو ہیں۔

ابولہب نے ان کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

عورتیں گھروں اور جھولوں میں بیٹھ کر ایسی ہی غلط سلط باتیں اور آرزوئیں رکھتی ہیں، اگر قریش ہمارے ساتھ نبرد آزما ہو گئے اور دوسرے عرب قبیلے بھی ان کے ساتھ مل گئے تو ہم بھلا ان کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ خدا کی قسم ہم تو ان کے سامنے مٹھی بھر ہوں گے۔ اس پر ابوطالب گویا ہوئے: ہم تو جب تک زندہ رہے محمد کی حفاظت کریں گے۔

ابولہب نے حاضرین کو منتشر ہو جانے کا حکم دیا اور اس طرح سے لوگ چلے گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مقصد اور مدعا ان کے سامنے پیش نہ کر سکے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ موقعہ تلاش کیا اور اپنے رشتہ داروں کو ایک دوسری دعوت دی اور اس موقعہ پر اپنے رب کا حکم ان کے سامنے اس طرح بیان کرنا شروع کر دیا:

کسی قوم کا جاسوس اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولا کرتا، خدا کی قسم اگر بالفرض میں تمام لوگوں سے بھی جھوٹ کہتا تب بھی تم سے جھوٹ نہ بولتا، اگر تمام لوگوں کو دھوکہ بھی دیتا تب بھی تم کو دھوکہ نہ دیتا، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ میں تمہارے لئے خدا کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میں عرب میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو اس سے زیادہ اچھا مذہب اپنی قوم کے پاس لے کر آیا ہو جو میں تمہارے لئے لے کر آیا ہوں

میں تو تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں، یہ بتلاؤ کہ اس مسئلہ میں تم میں سے کون میرا مددگار ہوگا اور تم میں سے کون میرا بھائی میرا وصی اور خلیفہ بنے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور اپنے رشتہ داروں کے چہرے دیکھنے لگے تاکہ معلوم ہو کہ کس کا دل ایمان کی طرف مائل ہوا ہے!

کس کا دل اسلام قبول کرنے کے لئے منشرح ہوا ہے اور ان میں سے کون شخص ان کا مددگار بنے گا؟ کون ان کے ساتھ بھائی چارگی کرے گا؟ اور آپ کی بات مان کر کون آپ کا خلیفہ بنے گا؟

لیکن جن رشتہ داروں کو آپ نے جمع کیا تھا ان میں سے کسی ایک شخص نے آپ کی دعوت کو نہ مانا اور کسی نے بھی آپ کی آواز پر لبیک نہیں کہا۔

بلکہ بعض آپ کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھتے رہے اور زبان سے کچھ نہ کہا اور بعض نے اعراض کیا اور منہ موڑ لیا اور آپ کی مجلس سے اٹھ کر چلا جانا چاہا۔

ان اعراض کرنے والوں اور منہ موڑنے والوں کے درمیان سے ایک نوعمر لڑکا جو ابھی بلوغ کی عمر کو بھی نہ پہنچا تھا وہ کھڑا ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرتا ہے اور کہتا ہے:

اے اللہ کے رسولؐ میں آپ کا مددگار ہوں اور میں آپ کے بازو مضبوط کروں گا۔

حاضرین کی اکثریت زور زور سے ہنسنے لگی اور بعض حضرات نے ابوطالب کی طرف دیکھ کر مذاق اڑاتے ہوئے کہا!

کیا تم اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو گے یا اپنے بیٹے علی کی؟!!

دوسرا اجتماع بھی اس طرح سے ختم ہو گیا کہ حاضرین میں سے کسی نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مایوس نہ ہوئے اور کھلم کھلا دعوت دیتے رہے چنانچہ ایک روز آپ صفا پہاڑ پر چڑھ گئے اور زور سے پکارا:

اے قریش کی جماعت! اے قریش کی جماعت!

لوگ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے:

کون آواز دے رہا ہے؟

بعض نے جواب دیا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے ہوئے پکار رہے ہیں۔

چنانچہ سب کے سب آپ کے اردگرد جمع ہو گئے اور آپ سے پوچھنے لگے: آپ کو کیا ہو گیا؟ آپ نے فرمایا:

بتلاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پچھلے حصے سے گھڑ سوار لشکر آرہا ہے تو کیا تم میری بات مان لوگے؟

لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں ضرور مان لیں گے ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہ پایا۔

آپ نے فرمایا: میں تمہیں ایک سخت ترین عذاب سے ڈرانے والا ہوں، اے قریش کی جماعت اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ اس لئے کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔

مجمع میں سے ابولہب کھڑا ہوگیا اور غصہ سے چیخ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا:

تمہارے لئے ہلاکت ہو کیا تم نے ہمیں اس مقصد کے لئے بلایا تھا؟!

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوچ میں پڑ گئے اور رحم کی طالب نظروں سے اپنے ان چچا کو دیکھنے لگے جن سے انہیں امید تھی کہ وہ ان کے مددگار بنیں گے تاکہ آپ لوگوں کو دین کی دعوت دے سکیں، دین حق پہنچا سکیں، اور اللہ کی سونپی ہوئی امانت لوگوں تک پہنچا سکیں لیکن ابولہب نے آپ کو یہ موقعہ نہ دیا بلکہ الٹے سختی پر اتر آئے اور سخت کلامی شروع کردی

اور ترش روئی میں اور زیادہ بڑھ گئے۔

ٹھیک اسی وقت حضرت جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپ کو ابولہب کا وہ انجام بتاتے ہیں جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر رکھا ہے اور یہ وحی آتی ہے:

((تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ. مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ. سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ)).

(تبت ۱ تا ۳)

ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے اور ٹوٹ گیا وہ کام نہ آیا اس کے اس کا مال اور نہ جو اس نے کمایا، عنقریب وہ اب پڑے گا لپٹیں مارتی ہوئی آگ میں۔

لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں کوئی کہتا ہے:

عبد المطلب کے نوجوان کی آسمان سے باتیں ہوتی ہیں!

کوئی کہتا: وہ تو ہمیں اس چیز کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں جو نہ ہمیں نظر آتی ہے اور نہ ہم اس کی بات سنتے ہیں۔

کوئی کہتا: وہ ہماری اس سے گفتگو کیوں نہیں کراتے جس سے وہ خود گفتگو کرتے ہیں؟

کچھ وقت اس طرح گذر گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروکاروں کے ساتھ یا تو اپنے گھر میں جمع ہو جاتے یا ارقم بن ابی الأرقم کے گھر میں اور

اللہ کی نازل کردہ آیات ان کو پڑھ کر سناتے اور عرب امیوں کے سامنے ان آیات کو بار بار دہراتے تاکہ وہ آیتیں ان کی ذہن میں راسخ ہو جائیں اور وہ ان آیتوں کو حفظ یاد کرلیں۔

جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ ان آیات کو لکھ لیتے اور بعد میں یاد کرلیتے اور اپنے اہل وعیال اور جو اسلام لانا چاہتا اور جس کا سینہ اللہ تعالیٰ ایمان کے لئے کھول دیتا ان کو یاد کراتے۔

مسلمان بڑھتے اور مؤمن پھیلتے رہے اور مشرک حسبِ عادت نہ ان کی پرواہ کرتے نہ ان کی طرف توجہ کرتے۔ ان کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ایک نئے راستہ پر چل پڑے ہیں اور یہ لوگ جلد ہی ان سے خود بخود دور ہو جائیں گے اور پھر اپنی پرانی ڈگر پر آجائیں گے اور دوبارہ پھر اپنے پرانے مذہب کو اپنالیں گے اسی اثناء میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس سے ان لوگوں کے سامنے سے گذرے اور دیکھا کہ لوگ بتوں کو سجدہ کر رہے ہیں آپ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور ان کو اس حرکت سے روکنے اور اس غلط حرکت کے انجام سے باخبر کرنے کے لئے آپ نے ان سے فرمایا:

اے قریش کی جماعت! خدا کی قسم تم نے اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی مخالفت کی اور ان مبغوض بتوں کو خدا کے ساتھ

عبادت میں شریک کرکے تم نے خدا کو اپنے اوپر ناراض کر دیا ہے۔

مشرکوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات اچھی نہ لگی اور وہ مناظرہ کے انداز میں آپ سے کہنے لگے:

بتوں کی عبادت ہم اللہ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں تاکہ بت ہمیں اللہ کا مقرب بنادیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خدا تم سے محبت کرنے لگے گا۔

وہ سخت ناراض اور برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے:

اس شخص کے بارے میں ہم کب تک خاموش بیٹھے رہیں گے؟

ہم نے تو بہت صبر کیا حتیٰ کہ وہ ہم پر بہت جری ہو گئے ہیں اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور ہمیں بے وقوف اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ قرار دیا! اس لئے خدا کی قسم آج کے بعد ہم ان کے معاملہ میں خاموش نہیں رہیں گے۔

نہایت غصہ کی حالت میں لوگ منتشر ہو گئے، غصہ کی بنا پر بصیرت پر پردہ پڑ گیا تھا اور اب موضوعِ سخن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، انہیں ڈرا دھمکا رہے تھے اور ان کے خلاف دل میں ایذاء و تکالیف پہنچانے کے منصوبے بنا رہے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں مشرک آپس میں مشورہ اور بحث و مباحثہ کرتے ہیں کہ وہ کون سا راستہ ہے جس کے ذریعہ ان کو اپنے معبودوں اور مذہب کے برا کہنے اور مخالفت کرنے سے روکا جاسکے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان بتوں اور معبودوں کو بُرا کہتے جن کی ہم عبادت کرتے ہیں اور جن کی عبادت ان کے باپ دادا کرتے چلے آتے تھے؟!

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عقلوں اور خیالات کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی وجہ سے جزیرۂ عرب کے تمام اطراف سے لوگ ان بتوں کو سجدہ کرنے اور کعبہ کی طرح ان کا طواف کرنے کے لئے آتے ہیں؟!

کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے عرب ہم پر چڑھائی کر دیں؟ یا وہ ہمارا بائیکاٹ کر دیں اور ہمارے پاس آنا چھوڑ دیں اور ہماری تجارت خراب اور معاش کا بڑا ذریعہ ختم ہو جائے۔

آپس کی گفتگو اور مشوروں کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ ایک وفد ابوطالب کے پاس جائے اور ان سے ان کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرے اور ان سے مطالبہ کرے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے روکیں کہ وہ ان کو اور ان کے معبودوں کو بُرا بھلا کہیں — وہ نہ ان کے دین کے بارے میں کچھ کہیں اور نہ وہ ان کے دین سے کچھ تعرض کریں گے۔

قریش کے سرداروں میں سے ابوسفیان بن حرب، عَمرو بن ہشام جن کی کنیت ابوالحکم تھی جو ابوجہل کے نام سے مشہور تھے عتبۃ بن ربیعۃ، ولید بن المغیرۃ، عاص بن وائل وغیرہ ابوطالب کے پاس گئے اور صورتِ حال ان کے سامنے رکھی اور ان سے اپنا مدعیٰ و مقصد بیان کیا، ابوطالب نے ان سے نرمی اور اچھے انداز سے گفتگو کرکے ان کو خوشی کے ساتھ واپس لوٹا دیا۔

دن اسی طرح گذرتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو شرک سے روکتے رہے اور اس اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے رہے جو ایک اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

مشرک اس صورت حال سے تنگ دل ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کے انجام سے ڈرنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے نتیجے میں ان کو، ان کی تجارت، روزی کمائی اور ان کے وطن کو کوئی مصیبت درپیش آجائے۔

چنانچہ انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ کوئی مؤثر قدم اٹھائیں اور کوئی قطعی اور ٹھوس فیصلہ کریں، چنانچہ ابوطالب کے پاس دوبارہ جاکر کہنے لگے:

جناب ابوطالب صاحب! آپ ہمارے بڑے ہیں، ہم میں صاحبِ مرتبہ ہیں، آپ اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ہمارے درمیان انصاف کریں، اسے حکم دیں کہ ہمارے معبودوں اور ہمارے دین کو بُرا بھلا کہنے اور ہمیں

بے وقوف وکم عقل ثابت کرنے، ہمارے آباء واجداد کو گمراہ قرار دینے سے
باز آجائیں یا تو آپ انہیں روک دیں ورنہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان
سے ہٹ جائیں اس لئے کہ آپ بھی ہماری طرح ان کے مذہب پر نہیں ہیں
تاکہ ہم ان کا کام تمام کردیں۔

ابو طالب ان باتوں کو سن کر اس بات پر مجبور ہوگئے کہ آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کو بلائیں، چنانچہ جب آپ ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہنا شروع کیا:
بھتیجے! دیکھو یہ سب تمہاری قوم کے بڑے اور مالدار لوگ ہیں، وہ تم سے
انصاف چاہتے ہیں اور وہ اس طرح کہ تم ان کے معبودوں کو کچھ نہ کہو اور تمہارے
معبود کو وہ کچھ نہ کہیں گے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا:
چچا جان! کیا میں ان کو اس چیز کی دعوت نہ دوں جو ان کے لئے اس
سے بہتر ہے جس پر وہ قائم ہیں؟!

ابو طالب نے کہا: کب تک دعوت دیتے رہو گے؟!

آپ نے فرمایا: میں ان کو اس وقت تک دعوت دیتا رہوں گا جب
تک کہ وہ ایک ایسا کلمہ نہ کہہ دیں جس کا اقرار اگر انہوں نے کرلیا تو سارے
عرب ان کے سامنے گردن جھکادیں گے اور وہ اس کے ذریعے سے عجم کے بھی
مالک بن جائیں گے۔

قوم میں سے ابو جہل نے کہا: تمہارے والد کی قسم وہ کون سا کلمہ ہے؟ ہم
صرف وہ ایک کلمہ نہیں بلکہ اس جیسے دس کلمے کہنے کو تیار ہیں۔

آپ نے فرمایا: کہو لا الٰہ الا اللہ کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر سب لوگ بدک گئے اور غصہ
ہونے لگے اور منہ موڑ کر کہنے لگے: خدا کی قسم ہم تجھے بھی برا بھلا کہیں گے اور
تیرے اس معبود کو بھی جو تجھے اس بات کا حکم دیتا ہے۔

اور نہایت غصہ کے عالم میں سخت نفرت و بغض کا اظہار کرتے ہوئے وہ سب
کے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چچا کے پاس سے چلے گئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں جو کامیابی حاصل
کی تھی اس کا بڑے بڑے مشرکوں کے دل پر گہرا اثر پڑا اور لوگوں کو مسلسل آپ
کے دین میں داخل ہوتے دیکھ کر ان کو سخت صدمہ پہنچنے لگا اور وہ اپنی اور
اپنے ان آلہہ کی عزت کی خاطر جن کو رسوا کیا گیا تھا غصہ سے آگ بگولہ ہونے
لگے اور اپنے آلہہ اور اپنی عزت و کرامت کی خاطر ناک بھوں چڑھانے لگے،
اور انہیں اس بات سے شدید تکلیف پہنچی کہ ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا
جائے اور انہیں بے وقوف گردانا جائے اور بتوں کی عبادت سے روکا جائے،
چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کیا جائے اور ان کا
اور ان کے دین کا مذاق اڑایا جائے، ان کو اور ان کے پیروکاروں کو تکلیف

پہنچائی جائے۔

چنانچہ انہوں نے شعراء، کم عقل والوں اور بے وقوفوں کو آپ کی مذمت و برائی اور آپ پر اتہام لگانے پر ابھارا اور گندے الفاظ اور بری باتیں کہنے پر آمادہ کیا اور آپ کی نبوت کی تکذیب شروع کر دی اور آپ کو جادوگر کہنے لگے اور دیوانہ، پاگل اور شہرت پسند جیسے القاب دینے لگے۔

ایک روز ان کا ایک گروہ کعبہ میں جمع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسائل پر گفتگو کرنے لگا، آپ کی دعوت، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت کے روز حساب کتاب، عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کے بارے میں جو کچھ آپ فرمایا کرتے تھے اس کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے لگا۔

چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلائیں اور ان سے بحث کریں اگر وہ سچے ہوں گے تو اپنی بات کی تصدیق پیش کر دیں گے اور اگر وہ جھوٹے ہوں گے اور یونہی غلط دعوئ نبوت کیا ہو گا تو ہمارے لئے یہ جائز ہو جائے گا کہ ہم جو سزا چاہیں انہیں دیں اور اس طرح ان پر حجت قائم ہو جائے گی اور ہم پر نہ کوئی ملامت ہو گی اور نہ زیادتی کا گمان۔

چنانچہ انہوں نے ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مجلس میں بلانے کے لئے بھیجا آپ فوراً ان کے پاس آئے آپ کے دل میں یہ خیال تھا کہ شاید آپ کی تبلیغ و دعوت کے سبب حق ان پر منکشف ہو گیا ہو گا اور وہ ایمان لے آئیں گے لیکن

انہوں نے تو آپ سے کلام کی ابتداء ہی آپ کے خیال کے برخلاف کی کہنے لگے:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، عرب میں ہمیں کوئی ایسا آدمی معلوم نہیں جس نے اپنی قوم کے لئے وہ مشکلات کھڑی کر دی ہوں جو آپ نے اپنی قوم کے لئے کھڑی کی ہیں، آپ نے ہمارے دین کو برا کہا، معبودوں کو برا بھلا کہا، آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیا، جماعت میں تفریق پیدا کی کوئی ایسا نامناسب کام نہیں رہ گیا جو آپ نے ہمارے اور اپنے درمیان حائل نہ کر دیا ہو لیکن دیکھئے ہم اب بھی آپ پر مال عزت، مرتبہ اور سرداری پیش کرتے ہیں۔

اگر تمہارا مقصد مال ہو تو ہم سب مل کر تمہیں اتنا مال جمع کر کے دے دیں گے کہ تم ہم سب سے بڑے مالدار بن جاؤ، اگر تم منزلت و مرتبہ چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے دیتے ہیں۔

اور اگر تمہیں کوئی بیماری یا جن کا اثر ہو گیا ہو تو تمہارے علاج کے سلسلہ میں ہم دولت خرچ کرنے کو تیار ہیں، حتیٰ کہ تمہیں یا تو مکمل طور پر شفاء ہو جائے یا ہمارے بس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہو۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بات کا بڑا اثر ہوا کہ یہ بھی وہی تہمت لگا رہے ہیں جو لوگ پہلے لگا چکے ہیں اور آپ نے ان سے فرمایا:

آپ حضرات نے جن چیزوں کی نشاندہی کی ہے مجھے ان میں سے کوئی بھی لاحق نہیں ہے میں جو پیغام آپ لوگوں کے پاس لے کر آیا ہوں وہ اس لئے

نہیں کہ اس کے ذریعہ سے مال طلب کروں یا کوئی مرتبہ و مکان حاصل کروں یا آپ لوگوں پر حکومت کروں، مجھے تو اللہ نے آپ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ حضرات کے لئے بشارت و خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنوں۔

لوگوں میں شور و غل زیادہ ہو گیا اور وہ الٹی سیدھی باتیں کرنے لگے اور یہ آزمانے کے لئے کہ کیا آپ واقعی ان کی طرف بھیجے ہوئے اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کو رشد و ہدایت کے واسطے واقعۃً نبی بنا کر مبعوث کیا گیا ہے تاکہ وہ آپ کی تصدیق اور پیروی کریں، اس بات کو آزمانے کے لئے انہوں نے آپ سے متعدد قسم کی فرمائشیں اور مطالبے کرنا شروع کر دیئے۔

کوئی کہنے لگا: اپنے رب سے دعا مانگئے کہ زمزم سے زیادہ شیریں پانی کا ایک چشمہ ہمارے لئے بہا دے اور شام و عراق کی طرح ہمارے یہاں بھی نہریں جاری کر دے۔

کوئی کہنے لگا: اگر آپ نبی ہیں تو آپ اپنے لئے اللہ سے باغات و محل اور چاندی و سونے کے خزانے مانگ لیجئے تاکہ آپ اس کے ذریعے کمائی کی تگ و دو سے بچ جائیں، اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بھی ہماری طرح بازاروں میں پھرتے ہیں اور طلب رزق و معاش کے لئے چکر لگاتے ہیں۔

کسی نے کہا: آپ جو کچھ کہتے اور پڑھتے ہیں وہ آپ کو یمامہ کا رحمٰن نامی ایک

شخص سکھاتا ہے اور ہم تو رحمٰن پر کبھی بھی قطعاً ایمان نہیں لا سکتے، آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور وہاں سے کتاب لائیں تاکہ ہم پڑھیں۔

کوئی کہتا: ہم تو خدا کی بیٹیوں فرشتوں کو پوجتے ہیں ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ اور فرشتوں کو آپ ہمارے سامنے نہ لے آئیں یا آسمان کے ٹکڑے ہم پر برسائیں تاکہ ہم اس عذاب و سزا کا مشاہدہ کر لیں جس سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں۔

ظالم کہنے لگے: تم تو اس شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا رب نقائص اور عیوب سے پاک صاف ہے، میں تو ایک بشر اور رسول ہوں۔

اللہ نے آپ پر یہ آیات نازل فرمائیں:

«تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلْ لَكَ قُصُورًا» (الفرقان-۱۰)

برکت والی ہے وہ ذات کہ اگر وہ چاہے تو آپ کے لئے اس سے بہتر بنا دے ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور آپ کے لئے محلات بنا دے۔

لوگوں نے کہا: اے محمد ہم جو کچھ کہنا چاہتے تھے کہہ دیا، لیکن آپ نے ہماری بات نہ قبول کی جو سوال کرنا چاہتے تھے وہ سوال کیا لیکن آپ نے ہماری بات پر لبیک نہ کہا اس لئے اب ہم آزاد ہیں اور اب ہمیں اس بات کا حق پہنچتا ہے

کہ ہم جو مناسب اور درست سمجھیں وہ آپ کے ساتھ کر گزریں اور آپ بھی ہمارے ساتھ جو کچھ کر سکتے ہیں کر لیں ہم بھی آپ کو نہیں چھوڑیں گے یا تو آپ ہمیں ہلاک کر دیں گے یا ہم آپ کو ہلاک کر دیں گے۔

اس طرح سے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کو حلال اور خون بہانے کو مباح کر دیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خون بہانے اور قتل کرنے کے ان کے اس عزم کے درمیان آپ کے چچا ابوطالب کا خوف و ڈر آڑے تھا، اس لئے کہ انہیں یہ خدشہ تھا کہ اگر ابوطالب ناراض ہو گئے تو ان کے ساتھ عبدالمطلب کی ساری اولاد بھی ناراض ہو جائے گی اور عبدالمطلب کی اولاد کو قریش میں عزت و مرتبت اور سربراہی حاصل تھی اس لئے اب وہ یہ سوچنے لگے کہ کس طریقہ سے ابوطالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت سے ہٹایا جائے یا پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاموش کرنے کی ذمہ داری لے لیں یا ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔

غلط و بے ہنگم قسم کی فکر و سوچ نے ان کی اس بات کی جانب رہنمائی کی کہ وہ ابوطالب کے پاس اپنی اولاد میں سے ایک بہادر قسم کا طاقتور خوبصورت جوان لے کر جائیں جوان کو ان کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلہ میں دے دیا جائے۔

اس بیوقوفانہ اور احمقانہ تدبیر اور رائے کو لے کر قریش کے سرداروں کی ایک جماعت اپنے ساتھ اپنے ایک لڑکے عمارۃ بن الولید بن المغیرۃ کو لے کر ابوطالب کے پاس گئی، ابوطالب کے پاس پہنچ کر کہنے لگے:

اے ابوطالب یہ دیکھو عمارۃ بن الولید قریش کا نہایت طاقت ور، مضبوط خوبصورت و صحت مند جوان ہے، آپ اسے لے لیں اور اس کو اپنا لڑکا بنا لیں۔ یہ آپ کی امداد اور خدمت کرے گا اور آپ اپنا وہ بھتیجا ہمارے حوالہ کر دیں جس نے آپ کے اور آپ کے آباؤ و اجداد کے دین کی مخالفت کی اور آپ کی قوم کی جماعت کا شیرازہ بکھیرا ہے اسے ہمیں دے دیں ہم اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں آپ کو ایک آدمی کے بدلہ دوسرا آدمی مل جائے گا۔

ابوطالب حیرت و تعجب سے ان لوگوں کے چہروں کو تکنے لگے جو ان سے اس قسم کی بات کہہ رہے تھے اور پھر انہوں نے ان سے کہا:

خدا کی قسم تم تو مجھ سے بہت برا معاملہ کر رہے ہو، تم اپنا بیٹا تو مجھے اس لئے دے رہے ہو کہ میں اس کی کفالت کروں، خدمت کروں اور تم کو اپنا بیٹا قتل کرنے کے لئے دے دوں؟!! خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

قوم کے ایک ذی وجاہت شخص مطعم بن عدی نے ابوطالب سے کہا:

ابوطالب خدا کی قسم قوم نے تو آپ کے ساتھ انصاف سے کام لیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ آپ کو جو چیز پسند نہیں ہے اس سے آپ کی جان چھوٹ جائے لیکن میں

سمجھتا ہوں کہ آپ ان کی کوئی بات ماننا نہیں چاہتے۔

ابوطالب نے کہا: خدا کی قسم انہوں نے میرے ساتھ قطعاً انصاف نہیں کیا، اور تم نے بھی یہ طے کرلیا ہے کہ مجھے رسوا کردو اور مجھے تن و تنہا چھوڑ دو اور قوم کو مجھ پر غالب کرو لہٰذا تم سے جو ہو سکتا ہے کرلو۔

قوم نے جواب دیا: ہم نے نہ آپ پر ظلم کیا ہے نہ آپ کے بھتیجے پر، ہم نے آپ سے کہا کہ اپنے بھتیجے کو ہم سے باز رکھیں، آپ نے اس کو نہ روکا، آج کے بعد ہم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ ہمارے معبودوں کو برا کہا جائے، ہمیں بے وقوف قرار دیا جائے، ہمارے آباء و اجداد کو بے وقوف گردانا جائے، یا تو آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیں ورنہ ہم ان سے آپ سے اور جو آپ دونوں کی پیروی کرے گا اس سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ یا تو ہم ہلاک ہو جائیں یا تم ہلاک ہو جاؤ۔

لوگ ابوطالب کے پاس سے چلے جاتے ہیں، ابوطالب اکیلے رہ جاتے ہیں، معاملہ کی سنگینی سامنے ہے، غم شدید ہے اور قوم اور رشتہ داروں نے اس سلسلہ میں جو گفتگو کی اس سے اور صدمہ بڑھ گیا۔

ابوطالب پر یہ بھی شاق تھا کہ قوم سے جدا ہو جائیں اور ان کی دشمنی مول لیں، اسی طرح اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تن تنہا چھوڑ دینا بھی بہت شاق تھا۔ چنانچہ سوچتے ہیں:

کیا کریں؟ اور کیا طے کریں اور کیا قدم اٹھائیں؟ اے ابوطالب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ کیا فیصلہ کروگے؟ کیا اپنے بھتیجے کو دشمنوں کے حوالہ کردو گے؟ یا اس کی حمایت و حفاظت کروگے؟

یہ ایک ایسا فیصلہ کن لمحہ تھا کہ اس کے انتظار میں کائنات کی ہر چیز خاموش کھڑی تھی۔

ابوطالب نے یہ فیصلہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر ان کو اس دعوت دینے سے روک دیں جو قریش کے دشمن بننے کا سبب تھی جس نے قریش کی وحدت ختم کرکے ان کے اتفاق کو پارہ پارہ کردیا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے پاس آتے ہیں ان کے چچا قریش کی آمد اور جو کچھ قریش نے ان سے کہا تھا اور جس چیز کی پیشکش کی تھی اور جس بات سے ڈرایا تھا اس سے آپ کو باخبر کرکے کہتے ہیں:

اپنے اوپر اور مجھ پر رحم کھاؤ اور مجھے ایسے کام پر مجبور نہ کرو جو میرے بس کا نہیں ہے، یہ ایک فیصلہ کن گھڑی تھی جس کے لئے ازسرِنو کائنات سکوت میں پڑ جاتی ہے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پیغام و دعوت کو چھوڑ دیں گے اور اپنے چچا کی بات پر لبیک کہیں گے؟!

کیا حق کی دعوت چھوڑ دیں گے، اسلام کے پیغام کو چھوڑ دیں گے؟

کیا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ دنیا پر نور ایمان پھیلے یا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ دنیا پر گمراہی کی تاریکیاں چھا جائیں؟

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے چچا اور اپنے مددگار کی گفتگو سننے کے بعد اب تم کیا پسند کرتے ہو اور کیا فیصلہ کرتے ہو؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فیصلہ کیا جو ان کے رب نے ان کے لئے کیا تھا اور انہوں نے اپنے لئے وہی کچھ پسند کیا جو ان کے رب نے ان کے لئے پسند کیا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے چچا سے نہایت قوت و عزیمت کے ساتھ کہا:

چچا جان خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھے اس کام سے روکنے کے لئے میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی میں اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا یا تو خدا اس کو غالب کر دے گا یا پھر میں ہلاک ہو جاؤں گا لیکن اسے نہیں چھوڑوں گا۔

سبحان اللہ، حق کی کیسی قوت اور ایمان کی کیا عظمت ہوتی ہے اور قربان جائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ کا نفس کیسا قوی اور روح کیسی عظیم تھی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق کے ساتھ تھے، حق کے ساتھ چلنا چاہتے تھے اور حق پر قائم رہتے ہوئے ہی دنیا سے رخصت ہونا چاہتے تھے۔

ابو طالب اپنے بھتیجے کو حیرت سے دیکھنے لگے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

روحانی قوت اور عزم کی پختگی کی بنا پر حیرت میں رہ گئے اور اس بات سے حیران و ششدر رہ گئے کہ وہ اپنے مقصد کے حاصل کرنے میں قوم کی طرف سے متوقع مصائب سے قطعاً بے پرواہ ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا سے رخصت ہونے کے لئے ایسی حالت میں اٹھتے ہیں کہ آنسوؤں سے دم گھٹا جا رہا ہے لیکن پھر بھی آنسو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، ذہن میں یہ ہے کہ اب چچا نے بھی ان سے کنارہ کشی کر لی ہے اور اب وہ ان کی امداد سے عاجز آ گئے ہیں اور انہوں نے قوم کے سامنے ہتھیار ڈال دئیے ہیں، چنانچہ آپ کو اس خیال سے سخت دھچکا لگا اور اپنے چچا کی اس بات سے بڑی ناگواری ہوئی۔

لیکن ابھی وہ اپنے چچا سے کچھ زیادہ دور نہ گئے تھے کہ چچا نے پیچھے سے آواز دی:

بھتیجے ذرا بات سننا!

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اپنے چچا کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کے چچا آپ سے کہنے لگے:

بھتیجے! تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہتے رہو خدا کی قسم میں تم کو ہرگز کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ ایک نئے پکے سچے عزم اور مضبوط

وطاقتور دل کو لے کر دعوت کی دوبارہ تیاری شروع کر دیتے ہیں تاکہ اللہ تعالٰی اپنے نور کو کامل و مکمل طور سے دنیا میں پھیلا دے چاہے کافروں کو برا کیوں نہ لگے۔

ابو طالب بھی اپنے بھتیجے کی مدد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور اپنے اہل و عیال اور رشتہ داروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و حفاظت کی دعوت دینے کی تیاری کرتے ہیں۔

جلد ہی ابو طالب نے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب میں سے اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال اور ان کافروں سے آپ کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنی خواہش کا اظہار کیا جو آپؐ کے خون کو رائیگاں اور قتل کو مباح قرار دے چکے تھے۔

سب نے ابو طالب سے مدد کرنے کا وعدہ کیا البتہ ان کے بھائی ابو لہب نے صراحت کے ساتھ کھلے الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی دشمنی کا اعلان کر دیا اور واضح کر دیا کہ وہ ان کے دشمنوں کے ساتھ ہے اور دشمنوں کے ساتھ مل کر کام کرے گا۔

قریش اپنے تمام وسائل کے ساتھ مختلف طریقوں اور مختلف حربوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر اتر آئے، آپ کی اور آپ کی دعوت کی مخالفت شروع کر دی، ساتھ ہی آپ کے متبعین اور جس نے آپ کے دین کو قبول کیا

ان سے ہر تدبیر و حیلہ اور ہر طرح کی سختی اور شدت سے مقابلہ شروع کر دیا۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جو آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے ان سب نے کافروں کی ایذاؤں پر صبر سے کام لیا جس کے نتیجے میں خدا نے ان کو غلبہ و فتح نصیب فرمائی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵

دعوتِ اسلام کا پھیلنا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو تکلیف پہنچانے، مصیبت میں مبتلا کرنے اور ان کی قدر و منزلت گھٹانے کے لئے مشرکوں نے ایک دوسرے کی مدد کی اور مسلمانوں کے ساتھ گھٹیا زبان استعمال کرنا اور گندی حرکتیں کرنا شروع کر دیں، نیز ابولہب نے اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں، رقیہ اور ام کلثوم کو چھوڑ دیں جو ان دونوں کے نکاح میں تھیں اور کہا کہ ان کا اور ان کے والد کا مذاق اڑائیں اور ان کو ان کے ماں باپ کے گھر بھیج دیں۔

ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہتا تھا، چنانچہ وہ گندگی اور کوڑا کرکٹ آپ کے دروازہ پر ڈال دیا کرتا تھا اور ابولہب کی بیوی ام جمیل کانٹے دار ٹہنیاں اور کانٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں ڈال دیتی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان حرکتوں کو دیکھ کر صرف اتنا فرماتے:

اے ابوعبد المطلب کی اولاد یہ پڑوس کا کون سا حق ہے؟!

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کرنے والوں اور آپ کا خون بہانے کے خواہشمندوں پر بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو حضور صلی اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

علیہ وسلم کی حمایت کرتا دیکھ کر خوف و دہشت طاری ہو گئی تھی اور وہ اپنے ان ارادوں سے بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کے اس اتحاد کو دیکھ کر رک گئے تھے، چنانچہ اب انہوں نے صرف اس پر اکتفا کر لیا تھا کہ جب بھی آپ کو راستہ میں چلتا یا کسی جگہ بیٹھا دیکھتے تو آپ کا مذاق اڑاتے اور آوازیں کستے اور یوں کہنے لگتے،

اے محمد کیا آج آسمان والے سے آپ کی بات چیت نہیں ہوئی؟

یا کہتے: کیا خدا کو آپ کے سوا اور کوئی بھیجنے کے واسطے نہ ملا تھا؟!

ہم میں تو آپ سے زیادہ مالدار اور عمر رسیدہ لوگ موجود ہیں۔

یا پھر تالیاں پیٹتے، سیٹی بجاتے تاکہ آپ کی گفتگو میں تشویش پیدا کر سکیں اور آپ کے کمزور و مسکین پیروکاروں کو دیکھ کر ہنستے مذاق اڑاتے ہوئے کہتے:

دیکھو یہ ہیں زمین کے وہ بادشاہ جو کسریٰ کی حکومت کے مالک بنیں گے۔

ابوجہل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت ترین دشمن تھا اور آپ کے ساتھ طرح طرح کی گندی اور بری حرکتیں کیا کرتا تھا۔ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ابھارتا، آپ پر آوازیں کستے اور آپ کی نماز و دعوت و تبلیغ کا مذاق اڑانے پر لوگوں کو اکساتا اور آپ کے قتل کرنے اور جان سے مارنے کی دھمکی دیا کرتا تھا حتی کہ اس نے ایک دن اپنے ماننے والوں اور

معتقدوں سے کہا:

میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ کل جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سجدہ کی حالت میں ہوں گے تو میں ایک اتنا بھاری سا پتھر جس کو میں اٹھا سکوں اس سے ان کا سر پھوڑ دوں گا اس کے بعد یا تو تم لوگ مجھے تنِ تنہا چھوڑ دینا یا میرے حامی بن جانا پھر دیکھیں گے کہ بنو عبد مناف جو کر سکتے ہیں کر لیں۔

اس کو شاباش دیتے ہوئے اس کے ساتھیوں نے کہا،

خدا کی قسم ہم آپ سے کسی صورت میں دستبردار نہیں ہو سکتے آپ جو کرنا چاہتے ہیں کریں۔

صبح ہوتے ہی ابوجہل نے اپنے پروگرام کے مطابق ایک پتھر اٹھایا اور کعبہ کے پڑوس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھ گیا، اس کے پیروکار اس کے قریب بیٹھ گئے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے اپنی عادت کے مطابق رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان کعبہ میں نماز شروع کر دی، جب آپ سجدہ میں گئے تو پروگرام کے مطابق ابوجہل نے پتھر اٹھا کر آپ کا رُخ کیا، یہ منظر دیکھ کر ابوجہل کے متبعین کی سانسیں رک گئیں اور ان کی آنکھیں اس منظر کو دیکھنے کی منتظر ہو گئیں کہ ابوجہل کس طرح آپ کو بے خبری میں مار سکتا ہے جبکہ آپ اللہ کے سامنے سجدہ

میں گرے ہوئے اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں گے، اچانک وہ دیکھتے ہیں کہ ابوجہل الٹے پاؤں واپس ہو رہا ہے چہرے کا رنگ فق ہو رہا ہے آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی ہیں ہاتھ پتھر لئے ہوئے اکڑے ہوئے ہیں اور پتھر گردن اور سینہ کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

لوگ جلدی سے ابوجہل کی طرف گئے اور اس سے پوچھنے لگے:

ابوالحکم آپ کو کیا ہوگیا؟!

ابوجہل نے کانپتے ہوئے کہا:

کیا تمہیں وہ کچھ نظر نہیں آرہا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، آسمان کے تمام اطراف مجھ پر بند کر دیئے گئے ہیں، ہر طرف سے مجھ پر حملہ کرنے والے موجود ہیں۔

یہ بات سن کر سب دہشت میں پڑ گئے اور یہ سوچنے لگے کہ یہ بات ابوجہل نے اپنے آپ کو اس اقدام سے بچانے اور اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے گھڑی ہے، چنانچہ حاضرین میں سے ایک شخص حمیت و غیرت میں آگیا اور اس نے وہ پتھر اٹھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ کام کرنے کے لئے آگے بڑھا جس سے ابوجہل باز آگیا تھا، لیکن وہ بھی اپنے ساتھی کی طرح الٹے پاؤں واپس بھاگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی مکاری اور سازش سے اپنے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ فرمالیا۔

اور اس طرح سے قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے اس منصوبہ میں کامیاب نہ ہوسکے جس کا انہوں نے پختہ عزم کیا تھا، اور نہ ان کی وہ سازش وتدبیر کامیاب ہوسکی تو پھر انہوں نے اپنی پیاس بجھانے کے لئے آپ کے کمزور وضعیف مسلمان ساتھیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کردیں اور مختلف قبیلوں نے اس سلسلہ میں اتحاد اور معاہدہ کرلیا۔

ہر قبیلہ اس بات کا ذمہ دار تھا کہ اپنی جماعت کے مسلمان لوگوں کو اپنے سے دور کردے انہیں تکلیفیں پہنچائے ان کا مذاق اڑائے، انہیں ذلیل کرے اور جس کا کوئی بھی ساتھی یا خادم یا باندی مسلمان ہوجاتی تو اس کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ اس کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائے تاکہ وہ اپنے نئے مذہب سے رجوع کرکے پرانے دین میں واپس آجائے۔

مشرک اپنے اس ظلم و زیادتی میں آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ ان کا ایک ایک آدمی اپنے متعلقین کے معاملہ میں ایسی سختی وسنگدلی اختیار کرتا کہ جس سختی کو دیکھ کر بچے بوڑھے ہوجائیں اور اس کی ہولناکی اور شدت سے پتھر جیسے دل بھی پگھل جائیں اور موم ہوجائیں، چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو قید کیا، مارا پیٹا، بھوکا پیاسا رکھا، مکہ کے گرم سنگریزوں پر لٹایا، آگ سے ان کے جسموں کو داغا اور پانی میں ڈبو دیا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو کمزور دل اور ضعیف الایمان تھے وہ اسلام چھوڑ کر دوبارہ مشرک بن گئے اور بعض دل سے تو مؤمن رہے لیکن عذاب سے بچنے کی خاطر زبان سے شرکیہ کلمات کہہ دئے البتہ بعض حضرات نہایت بے جگری اور بہادری کے ساتھ عذاب اور تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے نہ کفر کے سامنے جھکے اور نہ تکلیف و مصائب سے تنگ دل ہوئے۔

جن لوگوں نے عذاب جھیلا اور تکالیف برداشت کیں اور ثابت قدم رہے ان میں سے عمار بن یاسر ان کے والد یاسر ان کی والدہ سمیہ تھیں، یہ وہ لوگ تھے جو شروع میں مسلمان ہو گئے تھے، بنو مخزوم ان کے کپڑے اتار دیا کرتے تھے اور ابطح نامی وادی کے سنگریزوں میں سخت چلچلاتی دھوپ میں انہیں لٹا دیا کرتے تھے، کبھی کبھی آگ سے داغتے، کبھی ان کو پانی میں ڈبو دیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ان پر گذر ہوتا اور انہیں عذاب کی حالت میں دیکھتے تو ان سے فرماتے:

اے یاسر کی اولاد صبر کرو اس کا بدلہ تمہیں جنت میں ملے گا۔

اس عذاب و ایذاء کی حالت میں یاسر اس دنیا سے چلے گئے، سمیہ نے ابوجہل کو خوب سخت و سست کہا، ابوجہل ان کے سر کے پاس کھڑا ہو کر انہیں تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک نیزہ حضرت سمیہ کو مارا جس سے وہ وفات پاگئیں اور اس طرح حضرت سمیہ اسلام کی پہلی

شہیدہ ہوگئیں۔

جن لوگوں کو آگ سے جلایا گیا ان میں سے حضرت خباب بھی ہیں ان کی مالکہ لوہے کی سیخیں گرم کر کے ان کے سر کو داغا کرتی تھی، حضرت خباب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ان کے لئے اللہ سے دعا مانگی:

اے اللہ خباب کی مدد فرما:

چنانچہ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ خباب کی مالکہ کو سر کی ایک بیماری لاحق ہو گئی جس کی وجہ سے لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنے سر کو داغا کرے، چنانچہ خباب سیخیں لال کر کے اس کے سر کو داغا کرتے تھے۔

حضرت بلال حبشی بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہیں عذاب دیا گیا اور وہ پھر بھی ثابت قدم رہے، امیہ بن خلف جمحی ان کو بھوکا پیاسا بطحاء مکہ (مکہ کی وادی) لے آتا اور عین دوپہر میں جب دھوپ نہایت تیز ہوتی تو کمر کے بل سنگریزوں پر لٹا دیتا اور بڑی چٹان ان کے سینہ پر رکھوا کر ان سے کہتا:

تمہیں یہ سزا اس وقت تک دی جاتی رہے گی جب تک کہ تم یا تو اسی حالت میں مر جاؤ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے سے انکار کر دو اور دوبارہ لات وعزیٰ کی پرستش شروع کر دو۔

حضرت بلال یہ تکلیف برداشت کرتے جاتے اور کہتے رہتے، خدا ایک ہے، ایک اکیلا ہے۔

اور اس طرح حضرت بلال اس کلمہ کو بار بار دہرا کر سخت سے سخت عذاب کی تلخی کو ایمان کی حلاوت سے دبا لیا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر گذر ہوتا تو ان کو اس ابتلا میں دیکھ کر فرماتے:

اے بلال تمہارا اَحَد اَحَد (خدا ایک اکیلا ہے) کہنا ہی تمہیں نجات دلائے گا۔

ورقہ بن نوفل کا جب بلال پر گذر ہوتا تو وہ کہتے:

اے بلال سچ کہتے ہو خدا ایک ہے ایک ہے۔

اور پھر اُمیہ بن خلف اور اس کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے:

خدا کی قسم اگر تم نے اس طرح عذاب دے کر ان کو مار ڈالا تو میں اس کی قبر کو عبادت گاہ اور مزار بنا لوں گا۔

حضرت بلال اسی طرح تکلیفیں و مصائب برداشت کرتے رہے حتی کہ ایک روز حضرت ابوبکر نے امیہ بن خلف سے کہا:

کیا تمہیں اس مسکین کے بارے میں خدا سے ڈر نہیں لگتا؟!

امیہ نے جواب دیا: تم ہی نے تو اسے خراب کیا ہے لہذا اب اس کی

جان بچالو۔

حضرت ابوبکر نے جواب دیا: میرے پاس ایک غلام ہے جو تمہارے دین پر قائم ہے میں وہ غلام تمہیں بلال کے بدلہ دئے دیتا ہوں۔

امیہ نے کہا: منظور ہے لہذا تم اس کو لے لو۔

چنانچہ حضرت ابوبکر نے اپنا غلام امیہ کو دے دیا اور حضرت بلال کو اس سے لے کر آزاد کر دیا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر نے دوسرے اور بہت سے غلاموں کو بھی جنہیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تکلیفیں دی جا رہی تھیں انہیں خرید کر آزاد کر دیا حتی کہ ایک دن ان سے ان کے والد نے کہا:

بیٹے تم تو کمزور لوگوں کو آزاد کر دیتے ہو، اس کے بجائے اگر تم طاقت ور بہادر مضبوط سخت قسم کے لوگوں کو آزاد کرتے تو وہ تمہارے مددگار بھی ہوتے اور محافظ بھی۔

حضرت ابوبکر اپنے ابا جان سے عرض کرتے ہیں:

اباجی میں تو یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ	اور نہیں کسی کا اس پر احسان جس کا بدلہ
تُجْزَىٰ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ	دے مگر واسطے چاہنے مرضی اپنے رب

رَبِّهِ الْأَعْلٰی ۔ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ۔ کی جو سب سے برتر ہے اور آگے وہ

(اللیل - ۱۹ و ۲۰) راضی ہوگا۔

ابوجہل مسلسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے درپے رہتا ہے۔

چنانچہ ایک روز وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا اور دیکھتے ہی بری بری گالیاں دینا ـــــ اور برا بھلا کہنا شروع کر دیا، آپ نے نہ اس کی طرف توجہ کی اور نہ جواب دیا، اس سے وہ اور آگ بگولہ ہوگیا اور جھک کر زمین سے پتھر مٹی وغیرہ اٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینک دئے اور زبان سے برُے بھلے الفاظ بکتا رہا۔

عبداللہ بن جدعان تیمی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے اور سچے دوست حضرت ابوبکر کے چچازاد بھائی تھے ان کی باندی نے یہ واقعہ دیکھ لیا، عبداللہ بن جدعان قریش کے سرداروں اور سرمایہ داروں میں سے تھا اور نہایت بدکردار اور خراب قسم کا آدمی تھا، باندیاں اس لئے خریدتا تھا تاکہ قریش کے جوانوں کے لئے دل لبھاتے اور عیش وعشرت کا سامان مہیا کر سکے۔

اللہ کے دشمن ابوجہل نے اللہ کے نبی کے ساتھ جو کچھ گندا برتاؤ کیا اس کا اس باندی پر بہت برُا اثر پڑا، باندی دل سے اسلام کی طرف مائل

تھی لیکن اپنے مولیٰ عبداللہ بن جدعان کے خوف وڈر سے اسلام کا اعلان نہ کر سکتی تھی۔

ابھی یہ ـــــ گھر کے دروازہ کے پاس کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ جبل ابی قبیس کی طرف سے کسی آنے والے کے پاؤں کی آہٹ سنی، چنانچہ یہ اس طرف متوجہ ہوگئی تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک درمیانے قد کا سیاہ آنکھوں اور کشادہ سینہ والا بارعب وباوقار شخص تلوار لٹکائے کمان گلے میں ڈالے دو ترکش سمیت آرہا ہے، کیا دیکھتی ہے کہ وہ تو قریش کے شیر عبدالمطلب کے بیٹے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور پہلی رضاعی والدہ ثُوَیبہ کے واسطہ سے رضاعی بھائی حمزہ شکار سے واپس آرہے ہیں اور عادت کے مطابق گھر لوٹنے سے پہلے کعبہ کا طواف اور وہاں موجود قریش کے سرداروں کو سلام کرتے جارہے ہیں۔

حمزہ جب باندی کے پاس پہنچے تو اس نے ان سے کہا:

اے ابوعمارہ کیا تم لوگوں کی شجاعت وبہادری ختم ہوگئی ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو مخزوم کے بیوقوفوں کے سپرد کر بیٹھے ہو تاکہ وہ انہیں تکلیفیں پہنچاتے رہیں۔

حمزہ چلتے چلتے رک گئے اور باندی سے پوچھنے لگے:

عبداللہ بن جدعان کی باندی تم کیا کہہ رہی ہو؟

اس نے جواب دیا: ابھی ابھی ابوجہل نے تمہارے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو کچھ کیا اگر وہ تم دیکھ لیتے تو پتہ چلتا!!

ابوجہل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہاں سے گذرا تو اس نے ان کو تکلیف پہنچائی، بُرا بھلا کہا اور ان کا دل دکھایا۔

حمزہ نے کہا: کیا خود تم نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا ہے؟

باندی نے کہا: جی ہاں میں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا جو اس نے کیا اور کانوں سے وہ سب سنا جو اس نے کہا۔

حمزہ کو سخت غصہ آگیا اور وہ کعبہ تک گئے اور حاضرین کو اپنی عادت کے مطابق سلام بھی نہ کیا اور ابوجہل کو جو قوم کے ساتھ بیٹھا تھا تلاش کر کے اس کے پاس پہنچے اور کمان اٹھا کر اس کے سر پر اس زور سے دے ماری کہ وہ زخمی ہو گیا اور اتنا خون بہا کہ اس کا چہرہ خون سے رنگ گیا اور پھر ابوجہل سے سخت غصہ میں کہا:

میرا بھتیجا تو تجھے کچھ نہیں کہتا اور تو اسے بُرا بھلا کہتا ہے؟ وہ تیری بھلائی چاہتا ہے اور تو اسے تکلیف پہنچاتا ہے!

حمزہ ہیبت ناک شخص تھے، ان کے غصہ سے لوگ ڈرتے تھے، ابوجہل نے بھتیجے کے ساتھ کئے ہوئے اپنے فعل کے لئے جواز پیش کرتے ہوئے کہا:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں بے وقوف گردانا، ہمارے معبودوں

کو گالیاں بکیں، ہمارے آباء اجداد کی مخالفت کی اور ہمارے غلام اور باندیوں تک کو خراب کر دیا (یعنی ہمارے دین سے برگشتہ کر دیا)۔

حمزہ نے جواب دیا: تم سے بڑھ کر بے وقوف کون ہوگا کہ تم خدا کو چھوڑ کر پتھروں کو پوجتے ہو، کان کھول کر سن لو میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اپنے بھتیجے کے دین پر ہوں اور اس کے دین پر زندہ رہوں گا اور اسی کے دین پر مروں گا۔

ابوجہل کے قبیلہ بنو مخزوم کے چند افراد جو ابوجہل کی مدد کے لئے تیار بیٹھے تھے انہوں نے حضرت حمزہ سے کہا:

ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم بھی بد دین بن گئے ہو اور اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر بیٹھے ہو۔

حضرت حمزہ نے کہا، کس میں ہمت ہے کہ مجھے روک سکے، مجھے اس مذہب کا حق ہونا معلوم ہو چکا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے، خدا کی قسم میں اس سے ہرگز نہیں ہٹ سکتا، لہٰذا اگر تم سچے ہو تو مجھے اس سے روک کر دکھا دو۔

ابوجہل حضرت حمزہ کے غصہ سے ڈرنے لگا اور اس کے انجام اور نتیجہ کے خوف سے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا:

ابو عمارہ کو چھوڑ دو اس لئے کہ خدا کی قسم میں اس کے بھتیجے کو بُرا بھلا کہہ چکا ہوں۔

حضرت حمزہ سب لوگوں کے سامنے اپنے اسلام لانے اور اس بات کا اعلان کر چکے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہی ان کا دین ہے۔

پھر حمزہ اپنے گھر کی طرف اس حالت میں روانہ ہوئے کہ اپنے اس قول اور اعلان پر غور کر رہے تھے اور جس چیز کی شہادت اپنے بارے میں دے چکے تھے، اس کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

رات بے خوابی میں جاگ کر گذار دی اور اللہ سے اپنے لئے ہدایت اور اپنے دل کے ثبات کی دعا کرتے رہے، جب صبح ہوئی تو انہیں محسوس ہوا کہ ان کا دل اسلام کے لئے کھل چکا اور نورِ اسلام سے منور ہے اور دل میں نور و یقین بھرا ہوا ہے لہٰذا فوراً اپنے بھتیجے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور آپ اور آپ کے دین کی نصرت اور امداد کرنے کا معاہدہ کیا۔

حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے کچھ وہ بادل چھٹ گئے جو مشرکوں نے اسلام کے آسمان پر تان دئے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے بہت خوشی ہوئی اور آپ کو اس بات سے فرحت ہوئی کہ اب اسلام کو قریش کے ایک معزز طاقت ور اور قوی جوان کے ذریعہ قوت حاصل ہوگی، اس لئے آپ نے اللہ سے ان کے لئے ثابت قدمی کی دعا کی اور ابوجہل کے لئے بھی اللہ سے ہدایت کی دعا کی کہ شاید وہ بھی اسلام لے آئے اور اسلام کے غلبہ میں ممد و معاون ثابت ہو۔

اے اللہ! عمر بن الخطاب اور عمرو بن ہشام دونوں میں سے آپ کو جو زیادہ پسند ہو اس کے ذریعے سے اسلام کو غلبہ دے، عمر بن الخطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) قریش کے نہایت طاقت ور اور بہادر شخص تھے۔

قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے تنگ دل ہو گئے اور آپ کے متبعین اور ساتھیوں کے ساتھ کی گئی ان کی ساری تدبیریں ناکام ہو چکی تھیں، ان کا موضوعِ سخن ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ کا مسئلہ ہی ان کے لئے ہر وقت کا ایک مشغلہ تھا۔

چنانچہ قریش اپنی مجلسوں میں سے ایک مجلس میں ایک روز بیٹھے بیٹھے اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ عرب کے سرداروں میں سے ایک سردار عتبہ بن ربیعہ نے کہا:

اے قریش کی جماعت: کیا میں جاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت نہ کروں اور ان کے سامنے چند باتیں رکھوں ممکن ہے وہ کسی بات پر راضی ہو جائیں اور جو وہ چاہیں وہ ہم مان لیں، اسی طرح ہم ان سے محفوظ ہو جائیں گے۔

سب نے کہا: ہاں اے ابو الولید تم جاؤ اور ان سے ضرور بات کرو۔

عتبہ اٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے کہنے لگے:

بھتیجے! آپ کا ہم سے نسب اور قبیلہ کے اعتبار سے جو تعلق ہے وہ آپ کو معلوم ہے، آپ اپنی قوم کے پاس ایک عظیم مسئلہ لے کر آئے جس سے قوم میں اختلاف پیدا ہو گیا، اس لئے میں آپ کے سامنے چند باتیں رکھتا ہوں، شاید آپ کو کوئی بات منظور ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو الولید آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیئے میں سن رہا ہوں۔

عتبہ نے کہا: بھتیجے! آپ جو کام کر رہے ہیں اگر اس سے آپ کا مقصد مال و دولت ہے تو آپ جتنا مال چاہیں ہم آپ کو جمع کر کے دیں گے اور اگر آپ کو عزت و مرتبہ مقصود ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیں گے اور آپ کے بغیر اپنے کسی کام کا فیصلہ نہیں کریں گے اور اگر آپ حکومت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا حاکم بنائے دیتے ہیں اور اگر جو کچھ آپ دیکھتے ہیں یہ کسی جن وغیرہ کا اثر ہے جسے آپ اپنے سے دور کرنے پر قادر نہیں ہیں تو ہم آپ

کا اچھی طرح سے علاج کریں گے اور جب تک آپ مکمل ٹھیک نہ ہو جائیں اپنے مال کو خرچ کرتے رہیں گے۔

عتبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہی چیزیں پیش کیں جو اس سے پہلے بھی قریش آپ کے سامنے پیش کر چکے تھے۔

جب عتبہ اپنی گفتگو ختم کر چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے ابو الولید اب میری بات بھی سن لو، پھر آپ نے ان کو سورۃ سجدہ پڑھ کر سنائی، عتبہ سنتے رہے اور ان پر اللہ کے کلام کا جمال و جلال چھا چکا تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کر چکے تو عتبہ جس رائے کو لے کر آئے تھے۔ اس کے بجائے وہاں سے ایک دوسری رائے لے کر اٹھے اور جب اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو لوگ ان کا چہرہ دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے:

ابو الولید جس چہرے کے ساتھ ہمارے پاس سے گئے تھے اس کے ساتھ __________ واپس نہیں آئے ان میں کچھ تغیر آ گیا ہے، چنانچہ انہوں نے ان سے پوچھا۔

ابو الولید کیا خبر لے کر آئے ہو؟!

انہوں نے کہا: خدا کی قسم میں نے آج ایسا عجیب کلام سنا کہ اس جیسا کلام اس سے پہلے کبھی بھی نہیں سنا تھا، خدا کی قسم وہ نہ تو شعر ہے، نہ جادو ہے، نہ

کہانت، اے قریش کی جماعت! تم میری بات مانو اور اس شخص کو اس کی حالت
پر چھوڑ دو جو کرنا چاہتا ہے کرنے دو عرب سے اس کا مقابلہ ہونے دو، اگر
عرب اس پر غالب آگئے تو وہ تمہاری طرف سے کافی ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے
ان کی پیروی کی تو اس کا فخر اور عزت و مرتبہ تمہیں ہی حاصل ہوگا ۔

لوگ کہنے لگے: ابو الولید خدا کی قسم اس نے اپنی زبان سے تم پر جادو
کر دیا ہے ۔

ابو الولید نے کہا: میری تو یہی رائے ہے باقی تمہاری مرضی تم جو چاہے
کرتے رہو ۔

قریش جب بھی کسی شخص کو قرآنِ کریم کی آیتیں پڑھتے دیکھتے تو اسے تکلیف
پہنچاتے اور اس کا مذاق اڑاتے، اگر کوئی نماز پڑھتا ہوا پایا جاتا تو اس کا مذاق
اڑاتے اور عناد و برائی کی وجہ سے نماز پر ہنستے حالانکہ انہیں بھی دل سے یہ
شوق تھا کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اسے جانیں اور جو آپ اپنے
پیروکاروں کو سکھاتے ہیں اسے سنیں، مسلمان جب قرآنِ کریم کی تلاوت کا
ارادہ کرتے تو چھپ کر قرآن پڑھتے اور اگر بعض آیتیں یاد کرنا چاہتے تو چپکے
سے خفیہ طریقہ سے یاد کرتے، چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعض صحابہ نے کہا:

خدا کی قسم کسی قریش نے کبھی بھی قرآنِ کریم کو زور سے پڑھتا ہوا نہیں سنا

نہ ان کے کانوں تک اس قرآن کی حلاوت اور جمال و جلال کی پہنچ ہوئی، کیا
کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو قرآن قریش کو سنائے ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود جو ابتداءً ہی مسلمان ہو گئے تھے، انہوں نے کہا:
میں قریش کو قرآنِ کریم سناؤں گا ۔

لوگوں نے کہا: عبد اللہ! آپ کے بارے میں تو ہمیں قریش سے خطرہ ہے
ہم تو ایسا آدمی چاہتے ہیں کہ جس کا کنبہ قبیلہ ہو، بالفرض اگر قریش اسے
ایذا پہنچانا یا مارنا چاہیں تو اس کے قبیلہ والے اس کی حفاظت کر سکیں ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو خدا میرا محافظ ہے ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود صبح سویرے قریش کی مجلسوں کے پاس ایک
جگہ پر جا کر زور زور سے سورہ رحمٰن پڑھنے لگے، لوگ ان کی طرف متوجہ ہو
گئے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے:

ابنِ امِ عبد کیا کہہ رہا ہے؟!

کسی نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو لے کر آئے ہیں یہ اسے پڑھ رہا ہے ۔

چنانچہ لوگ کھڑے ہو کر انہیں پیٹنے اور تھپڑ مارنے لگے لیکن وہ باوجود
مار کھانے کے بلند آواز کے ساتھ اپنی قرأت میں مشغول رہے اور جتنا پڑھنا
تھا جب وہاں تک پہنچ گئے تو اپنے ساتھیوں کے پاس آئے چہرہ لہولہان
ہو رہا تھا یہ دیکھ کر ساتھیوں نے کہا:

اے ابنِ مسعود ہمیں آپ کے بارے میں یہی ڈر تو تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ جواب دیتے ہیں: خدا کے یہ دشمن آج سے زیادہ حقیر و ذلیل میری نظر میں کبھی بھی نہ تھے اور اگر تم چاہو تو میں کل صبح جا کر پھر ان کے سامنے تلاوت کروں۔

لوگوں نے کہا: بس یہ کافی ہے آپ انہیں وہ سنا چکے جس کو وہ پسند نہیں کرتے۔

یہ وہ قرآن تھا جس کو قریش جہراً سننا پسند نہیں کرتے تھے اور جس شخص کو بھی اسے تلاوت کرتے یا اس کے کسی حرف کو ادا کرتے سن لیتے تو اسے ایذا پہنچاتے تھے لیکن ایک دوسرے سے چھپ کر خفیہ اور تنہائی میں اس کے سننے کے وہ بھی بہت شوقین تھے، ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس قرآن کو سنے اور سمجھے تاکہ اس کے ذریعہ شاعر پر غلبہ حاصل کرے کاہن سے بڑھ جائے اور جادوگر سے بازی لے جائے۔

چنانچہ قریش کے اکابرین چپکے چپکے خفیہ طریقہ سے تاکہ ایک دوسرے کو علم نہ ہو رات کی تاریکی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے گھر کے پاس آجاتے اور چھپ کر بیٹھ جاتے اور کان لگا کر آپ کی تلاوت سنتے، آپ اپنی شیریں اور پیاری آواز سے نہایت سکون اور وقار کے ساتھ کھڑے کھڑے قرأت سے تلاوت فرماتے رہتے اور پھر جب صبح کا وقت قریب آ

جاتا تو یہ لوگ اس سے پہلے کہ کسی اور کو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلے الٹے پاؤں واپس ہو جاتے۔

چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ ابو جہل بن ہشام، ابو سفیان بن حرب اور اخنس بن شریق نکلے اور ہر ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے ایک کنارہ پر جا کر بیٹھ گیا۔

تینوں میں سے ہر ایک چپکے سے بغیر کسی کو بتلائے ہوئے نکلا تھا، تاریکی نے ان پر پردہ ڈالا ہوا تھا، اس لئے وہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے اور بیٹھ کر قرآنِ کریم سننے لگے، لیکن کسی کو بھی ایک دوسرے کا پتہ نہ چل سکا، جب صبح کا وقت قریب ہوا تو یہ اپنے گھروں کو واپس لوٹے، راستہ میں تینوں کی مڈبھیڑ ہو گئی اور ایک دوسرے کو پتہ چل گیا کہ کہاں سے آ رہے ہیں، سب نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور یہ عہد کر لیا کہ آئندہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے، اور ایک دوسرے سے کہنے لگے:

اگر بعض بے وقوف تم لوگوں کو دیکھ لیتے تو اس سے تمہاری پوزیشن کمزور ہو جاتی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر غالب آجاتے۔

جب دوسری رات ہوئی تو ابو جہل پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے کنارے پر آ کر قرآنِ کریم سننے لگا اور یہ سمجھنے لگا کہ اس کے دوسرے ساتھی اب نہ آئیں گے۔

ذرا دیر بعد اخنس بھی آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اور سمجھتے رہے کہ ان کے کل رات کے ساتھی اب نہیں آئیں گے۔

جب صبح نمودار ہونے والی ہوئی اور واپسی کا وقت آیا تو پھر ایک دوسرے کا ٹکراؤ ہوا اور گذشتہ رات کی طرح پھر عہد و پیمان کیا اور چلے گئے۔

جب تیسری رات ہوئی تو ابوجہل نے یہ سمجھا کہ اب جبکہ دوسری رات بھی پول کھل چکی ہے اب اس کے ساتھی ہرگز نہیں آئیں گے لہٰذا ابوجہل پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف نکل کھڑا ہوا۔

اسی طرح ان کے دوسرے دو ساتھیوں نے بھی ایک دوسرے کے متعلق یہی گمان کیا اور آخر میں پھر ملاقات ہو گئی اور پھر انہوں نے از سرِ نو معاہدہ کیا اور آئندہ نہ آنے کی قسم کھائی۔

جب صبح ہوئی تو اخنس بن شریق ابوسفیان کے پاس آکر کہنے لگے:

ابوحنظلہ آپ نے جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ابوسفیان نے جواب دیا:

واللہ میں نے بعض چیزیں تو ایسی سنی ہیں جنہیں میں جانتا ہوں اور ان کی مراد کا بھی علم ہے لیکن بعض چیزیں ایسی سنی ہیں جن کے نہ مجھے معنی معلوم ہیں اور نہ ان کی مراد۔

اخنس نے کہا:

جس ذات کی آپ نے قسم کھائی میں بھی اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بھی آپ کی طرح ہوں، پھر وہاں سے نکل کر اخنس ابوجہل کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی سوالات کئے جو ابوسفیان سے کئے تھے تو ابوجہل نے کہا:

تم نے کیا سنا؟ ہمارا اور بنو عبد مناف کا شرف و مرتبہ کے سلسلہ میں جھگڑا ہوا چنانچہ جو کام انہوں نے کیا وہ ہم نے کیا، جو فعل انہوں نے کیا وہ ہم نے کیا حتیٰ کہ ہم دونوں بالکل برابر ہو گئے اور میدان گھڑ دوڑ کے گھوڑوں کی طرح ہو گئے تو بنو عبد مناف کہنے لگے: ہم میں ایک ایسا نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، ہم اس جیسا کام کس طرح کر سکتے ہیں؟!

خدا کی قسم ہم نہ تو اس پر ایمان لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔

تعجب کا مقام ہے، حیرت ہے حسد و کینہ پر اور برائی ہو کینہ و بغض کے لئے، وہ جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، صحیح راستہ پر ہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں ان پر آسمان کے رب کی وحی آتی ہے لیکن شیطان ان کو بہکاتا اور دھوکہ دیتا ہے کینہ ان کی بصیرت کو اندھا کر دیتا ہے حسد ان کو کھائے جاتا ہے۔

وہ چاہتے تھے کہ انہیں بھی وہی درجہ مل جائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا اور ان پر بھی اسی طرح وحی آئے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آتی

تھی تاکہ نبوت کا شرف صرف بنو مطلب ہی کو حاصل نہ رہے۔

یہ بات ولید بن مغیرہ علی الاعلان اس طرح کہا کرتے تھے:

کیا وحی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہو گی اور میں قریش کا سردار اور بڑا اور ثقیف کا سردار ابو مسعود عمرو بن عمیر ثقفی ہم دونوں بڑی بستیوں مکہ وطائف کے بڑے یونہی رہ جائیں گے؟

تعجب کی بات ہے! یہ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت تقسیم کرلیں، حالانکہ اللہ نے تو ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں بھی ان کے لئے تقسیم کر دیا ہے۔

قریش کے شیطانوں میں سے ایک شیطان نضر بن الحارث بھی تھا، اس نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بغیر کسی نرمی اور رعایت کے جنگ کرے گا، ان کی دعوت میں بھی ان کا مقابلہ کرے گا اور ان کی گفتگو وکلام میں بھی۔ نضر حیرۃ جا چکا تھا اور وہاں کے فارس کے بادشاہوں کی باتیں عبادت کا طریقہ اور ان کے علماء و حکماء کی باتیں سیکھ چکا تھا، چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں بیٹھ کر اپنی قوم کو خدا کی عبادت کی دعوت دیتے اور اس کی نافرمانی کے انجام سے ڈراتے اور خدا کی نافرمانی کے سبب گذشتہ قوموں پر جو عذاب نازل ہوا وہ یاد دلاتے تو آپ کے جانے کے بعد آپ کی مجلس میں یہ شخص آکر حاضرین سے کہتا:

اے قریش کی جماعت دیکھو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اچھی گفتگو جانتا ہوں

لہٰذا میرے پاس آجاؤ میں تم سے بات کرتا ہوں اور تمہیں قصہ سناتا ہوں۔

پھر انہیں اہلِ فارس کے قصے اور ان کے بادشاہوں کی باتیں اور ان کے مذاہب کے بارے میں بتلاتا اور مزے دار قصہ سناتا اور خیالی کہانیاں بیان کرتا اور پھر کہتا: محمد مجھ سے اچھی گفتگو کس طرح کر سکتے ہیں؟ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے گذرے ہوئے لوگوں کے قصے اسی طرح بیان نہیں کرتے جس طرح میں بیان کر رہا ہوں؟

اس کی اس گفتگو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور نضر کے ساتھ بیٹھنے والے حیرت میں پڑجاتے اور یہ فیصلہ نہ کر پاتے کہ حق پر کون ہے؟ باطل پر کون ہے؟ اور نہ یہ سمجھ پاتے کہ بھلائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آئے گی یا نضر کے ذریعہ؟!

اس بیابان اور اس گمراہی کے عین وسط میں ایک جماعت نے نضر کو مشورہ دیا کہ وہ عُقبۃ بن ابی مُعیط کو لے کر مدینہ کے یہود کے علماء کے پاس جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کے بارے میں بتلائے اور ان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھے اور ان کے معاملہ کی وضاحت یہ کہہ کر طلب کرے:

آپ لوگ اہلِ کتاب ہیں اور آپ کے پاس انبیاء کا وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں۔

نضر و عُقبہ یہود کے علماء کے پاس گئے اور اپنے آنے کا مقصد و مدعا پیش

کیا تو انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں اس طرح کہنا شروع کیا:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جماعت کے بارے میں پوچھو جو پہلے زمانہ میں گذر چکی ہے جن کا عجیب قصہ تھا اور ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھو جو زمین کے مشرق و مغرب تک پہنچ گیا اور ان سے روح اور اس کی حقیقت کے بارے میں پوچھو، اگر انہوں نے ان چیزوں کے بارے میں بتلا دیا تو سمجھ لو کہ وہ سچے نبی اور رسول ہیں اور اگر نہ بتلا سکیں تو وہ جھوٹے آدمی ہیں پھر تم جو مناسب سمجھو ان کے ساتھ کر لینا۔

جب یہ دونوں واپس لوٹے تو قریش نے پوچھا کر یہود کے علماء سے کیا بات چیت ہوئی؟ انہوں نے یہود کے علماء کی باتیں دہرا دیں۔

یہود کے علماء نے جو کچھ بتلایا تھا اس سلسلہ میں ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ سے سوال کرتی ہے آپ نے ذرا سا سکوت کیا تاکہ اس سلسلہ میں آپ پر وحی نازل ہو جائے۔

مطلوبہ سوالات کے جواب میں اللہ نے وحی بھیجی اور آپ کو ان آدمیوں کے قصہ کے بارے میں سب کچھ بتلا دیا جو اصحاب کہف کے نام سے مشہور تھے اور جو کچھ ان کے ساتھ پیش آیا تھا اور سیاح شخص کے سلسلہ میں وہ نازل فرمایا جو ذوالقرنین کے واقعہ سے مشہور ہے اور آپ کو روح کے بارے میں بتلایا کہ: آپ کہہ دیں کہ روح میرے خدا کے حکم سے ہے اور تمہیں بہت

تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کے سوالوں کا جواب پیش کرتے ہیں تاکہ وہ آپ کی نبوت کے قائل ہو جائیں لیکن سرکش و باغی پھر بھی سرکشی میں لگے رہے اور بغاوت و تکبّر میں مصروف رہے اور نضر نے کہا:

اے قریش کی جماعت! جس طرح کی خبریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں میں بھی تمہیں سنایا کروں گا۔

اور دوسرے لوگ کہنے لگے: یہ قرآن نہ سنو، اس کو لغو و باطل سمجھو، اس کا مذاق اڑاؤ تاکہ اس طرح تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں غالب ہو سکو۔

ابوجہل نے کہا: کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عقیدہ سے ڈرتے ہو کہ خدا تمہیں آگ سے جلائے گا اور تم ڈرتے ہو اس سے جو وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے لشکر کے ۱۹ افراد تمہیں آگ میں بند رکھیں گے کیا تم میں سے سو آدمی ان میں سے ایک آدمی کا مقابلہ نہ کر سکیں گے؟!

ہم نے آگ پر فرشتوں کو مقرر کیا ہے اور ہم نے ان کی تعداد کافروں کی آزمائش و امتحان کے لئے مقرر کی ہے۔

حدیث

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ
مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ
مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدً وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَرَحِمْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ
مَّجِیْدٌ

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶

روشنی اور نور

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو مشرکوں کی ایذا رسانی سے بچانے کے لئے خدا کی سرزمین میں ہجرت کرنے کا حکم دیا، انہوں نے آپ سے پوچھا:

اے اللہ کے رسول ہم کہاں جائیں؟

آپ نے انہیں سرزمین حبشہ جانے کا حکم دیا، اس لئے کہ وہاں کے بادشاہ کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا اور وہ سچائی اور راستی کی سرزمین تھی۔

چنانچہ مسلمانوں کی ایک جماعت مسیحی مملکت حبشہ کی سرزمین کی جانب ہجرت کر گئی اور اپنے دشمن مشرکوں سے چھپ کر حبشہ کے مسیحی بادشاہ نجاشی کی مجاورت اختیار کر لی   اس کی مجاورت مسلمانوں کے لئے بہترین پڑوس ثابت ہوئی۔

قریش اس ہجرت سے ناراض ہو گئے اور ان کے دلوں میں حقد وحسد کی آگ بھڑک اٹھی۔

قریش مسلمانوں کی ہجرت کو کیوں ناپسند رکھتے تھے حالانکہ وہ مسلمان تو مکہ چھوڑ کر ان قریش کو آرام پہنچا چکے تھے؟!

قریش مسلمانوں سے خائف تھے، وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان باہر کے لوگوں کو اپنا مددگار بنالیں جس سے ان کو مزید قوت حاصل ہو، ان کا پیغام مزید عام ہو، ان کی آواز اور بلند ہو اور پھر ان کے بتوں پر وہ مصیبت نازل ہو جائے جس کا انہیں ڈر تھا اور اس طرح سے عرب علاقہ اور خود ان کی قوم پر سے ان کی حکومت وعزت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔

قریش نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس اپنے دو قاصد عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو قیمتی ہدایا دے کر بھیجا تا کہ ان سے اپنے بھاگے ہوئے لوگوں کو حاصل کریں اور اپنے وطن واپس لانے کا پروگرام طے کریں۔

قاصد جب حبشہ پہنچے تو پہلے پوپوں و پادریوں سے ملے اور رشوت کے طور پر قیمتی ہدایا دے کر ان کو اپنی طرف مائل کر لیا۔

پھر وہ دونوں نجاشی سے ملے اور اس کی خدمت میں قیمتی ہدایا پیش کئے اور اس سے عرض کیا:

بادشاہ سلامت! آپ کی مملکت میں ہمارے چند بے وقوف جوان آگئے ہیں جنہوں نے اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے ایک نیا دین بنا لیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ، ان کے والدین اور قبیلہ والوں نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے

تاکہ آپ انہیں ہمارے سپرد کر دیں اس لئے کہ وہ لوگ ان سے زیادہ واقف ہیں اور ان کے لگائے ہوئے الزامات سے زیادہ باخبر ہیں۔

پوپ حضرات نے جھٹ سے قریش کے قاصدوں کی تائید کی اور بادشاہ کو اس بات پر ابھارا کہ جس مقصد کے لئے قاصد آئے ہیں اسے پورا کرنے کے لئے ان لوگوں کو ان کے سپرد کر دیا جائے لیکن بادشاہ نے کہا: میں اس وقت تک انہیں واپس نہیں کروں گا جب تک کہ ان لوگوں کی بات خود نہ سن لوں جو میری امان میں آئے ہیں جنہوں نے میری پڑوس کو پسند کیا ہے اور پھر ان کی بات سننے کے لئے فوراً ہی ان کو حاضر کرنے کا حکم دے دیا، یہی وہ خطرناک مرحلہ تھا جس سے قاصد گھبرا رہے تھے۔

مسلمان جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے پوچھا:

یہ کون سا دین ہے جس کی وجہ سے تم اپنی قوم سے بھی جدا ہوئے اور نہ میرے دین میں داخل ہوئے نہ اور کسی مذہب میں؟

جواب دینے کے لئے حضرت جعفر بن ابی طالب آگے بڑھے اور یوں گویا ہوئے:

محترم بادشاہ! ہم جاہل قسم کے لوگ تھے، بتوں کو پوجتے، مردار کھاتے بُرے کام کرتے تھے، قطع رحمی کرتے اور پڑوسیوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے

تھے، طاقت ور کمزور کو کھا جاتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم ہی سے
ہی اپنا رسول بنا کر بھیجا جس کے حسب نسب، سچائی، امانت، پاکیزگی و
عفاف سے ہم واقف تھے انہوں نے ہمیں صرف اللہ کی عبادت کرنے کی
دعوت دی اور خدا کے علاوہ جن پتھروں اور بتوں کی ہم عبادت کرتے
تھے اس کے چھوڑنے کا حکم دیا، گفتگو اور بات چیت میں سچ بولنے، امانت
کے ادا کرنے اور صلہ رحمی اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا اور ممنوع
و حرام چیزوں سے بچنے اور قتل و غارت گری اور بری چیزوں سے رکنے اور
جھوٹ بولنے سے باز رہنے اور یتیموں کے مال کھانے اور پاک دامنوں پر
تہمت لگانے سے روکا، نماز پڑھنے، زکاۃ دینے کا حکم دیا، چنانچہ ہم نے
ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور خدا کے جو احکامات وہ لے
کر آئے تھے ان کی ہم نے پیروی کی، یہ دیکھ کر ہماری قوم ہم سے ناراض
ہو گئی اور ہمیں عذاب دینا شروع کر دیا اور ہمیں دینِ اسلام سے روکنا
چاہا تاکہ ہمیں پھر بت پرستی کی جانب لوٹا دیں، جب ہماری قوم نے ہمیں
بہت زیادہ تنگ کیا تو ہم آپ کی مملکت میں آ گئے اور دوسروں پر آپ
کو ترجیح دی، آپ کی پڑوس کو ہم نے یہ سمجھ کر اختیار کیا کہ یہاں آپ کے
پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

نجاشی نے کہا:

اللہ کی جانب سے وہ نبی جو وحی لے کر آئے ہیں کیا تمہیں اس میں سے کچھ
یاد ہے جو مجھے پڑھ کر سنا سکو؟

حضرت جعفر نے نجاشی کو سورہ مریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں، نجاشی بے انتہا
متاثر ہوا اور اتنا رویا کہ آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر بتر ہو گئی اور اس کے
حواری اور ارد گرد بیٹھنے والے بھی بہت متاثر ہوئے اور وہ بھی اتنا روئے
کہ ان کی داڑھیاں اور صحیفے ان کے آنسوؤں سے بھیگ گئے، پھر نجاشی
نے حضرت جعفر سے کہا:

بے شک یہ کلمات اسی چشمہ سے پھوٹ کر نکلے ہیں جس سے حضرت عیسیٰ
کے کلمات نکلے تھے۔

اور پھر اس نے قریش کے قاصدوں سے کہا: آپ دونوں چلے جائیں۔
واللہ میں ان کو ہرگز ہرگز تمہارے سپرد نہیں کر سکتا۔

اور اس طرح عیسائی بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں کو اعداءِ اسلام کے سپرد
کرنے کی درخواست کو رد کر دیا اور کفارِ قریش کے ہدایا واپس کر دیئے
اور پھر قاصدوں کی کوئی بات نہ سنی، دونوں ناکامی و رسوائی کی چادر
گھسیٹتے ہوئے الٹے پاؤں اپنی قوم کی طرف واپس ہو گئے اور مسلمان حبشہ
میں عزت و آبرو اور بہترین پڑوسیوں میں رہنے لگے۔

مسلمانوں کی روز افزوں ترقی اور باہر کی تائید کو دیکھ کر مشرکوں کو

سخت غصہ آگیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ پر غور وخوض کے لئے یہ لوگ ولید بن مغیرہ (جو ان میں بڑا سمجھا جاتا تھا اور عمر رسیدہ تھا) کی سربراہی میں ایک محفل میں اکٹھا ہوئے تو ولید ان سے گویا ہوا:

دیکھو حج کا موسم قریب آچکا ہے، باہر سے تمہارے پاس وفود آئیں گے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کے بارے میں پہلے ہی سے سن چکے ہوں گے لہٰذا تم سب کسی ایک بات پر متحد ہو جاؤ تاکہ سب ایک قسم کی بات کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میں آپس میں اختلاف ہو جائے اور ایک دوسرے کی تکذیب شروع کر دو اور ایک دوسرے کی بات کاٹنے لگو۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا: اے ابوعبد شمس آپ ایسی رائے پیش کر دیجئے جسے ہم سب نقل کریں۔

اس نے کہا: پہلے تم سب اپنی رائے میرے سامنے پیش کرو۔

وہ کہنے لگے: ہم کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کاہن اور نجومی ہیں۔

ولید نے کہا: نہیں جی! واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کاہن ہے ہی نہیں۔ ہم نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا ہے نہ تو ان کے پاس کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے نہ ان جیسا مقفّٰی کلام۔

لوگوں نے کہا: ہم دیوانہ کہیں گے۔

ولید نے جواب دیا: وہ دیوانہ نہیں ہیں، جنون ودیوانگی کو ہم نے دیکھا ہے اور ہم اس سے بخوبی واقف ہیں نہ ان میں جنون کے اوصاف پائے جاتے ہیں نہ اس جیسا خلجان ووسوسہ۔

لوگوں نے کہا: تو پھر ہم شاعر کہیں گے۔

ولید نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں ہے ہم شعر کے اوزان وقوافی، انواع واقسام اور قصیدہ وغزل سب شے واقف ہیں، ان کا پیش کردہ کلام شعر ہرگز نہیں ہے۔

سب نے کہا: تو پھر ہم انہیں جادوگر کہیں گے۔

ولید گویا ہوا: وہ جادوگر بھی نہیں، ہم نے بہت سے جادوگر بھی دیکھے ہیں اور ان کا جادو بھی، ان کے پاس نہ ان کا سا پھونکنا ہے نہ ان جیسی گرہ بازی (جادوگر دھاگہ میں گرہ لگا کر پھونکا کرتے تھے)۔

لوگ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگے: اے ابوعبد شمس تو پھر ہم کیا کہیں؟

ولید نے کہا: سچ تو یہ ہے کہ ان کے کلام میں شیرینی ہے اور ان کی بنیاد کھجور کے تنے کی طرح مضبوط ومستحکم ہے اس کی شاخیں پھل دار ہیں اور ان کے بارے میں تم ان باتوں میں سے جو بات بھی کہو گے اس کے جھوٹ کی پول کھل جائے گی۔ اتنا کہہ سکتے ہو کہ ایک جادوگر ہے جو جادوگروں کی سی باتیں پیش کرتا ہے اور اس کے ذریعہ باپ بیٹے، بھائی بھائی، میاں بیوی

اور قبیلہ اور افراد میں تفریق پیدا کرتا ہے۔

اس فیصلہ پر مجلس برخاست ہوگئی کہ حج میں آنے والے حاجیوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہی کہا جائے گا۔

موسمِ حج میں جب وفد آنا شروع ہوئے تو یہ لوگ گھات میں بیٹھ گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی متفقہ رائے سے لوگوں کو آگاہ کرنا شروع کر دیا سب مل کر ایک ہی بات بار بار دہرایا کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں جادوگروں کی سی باتیں کرتے ہیں۔

وفود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں لے کر اپنی قوموں کی جانب واپس ہوئے اور اس طرح تمام عرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر عام ہو گیا جس سے بہت سے حضرات کو یہ شوق پیدا ہوا کہ حقیقتِ حال سے واقف ہوں اور آپ کے معاملہ کی حقیقت اور تہہ تک پہنچیں تاکہ اصل راز ظاہر ہو۔

اور اس طرح مشرکین نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کو بجائے چھپانے اور دبانے کے اور عام کر دیا۔

عرب کے مشرکین میں آپ کے نام پھیلنے اور مشہور ہونے کا بہت اثر ہوا اور اس چیز کا کفار کو سب سے زیادہ ڈر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے ان کو اپنے کھیل وکود کے ساز وسامان اور عیش وعشرت اور فسق وفجور کے بند ہونے کا زیادہ ڈر تھا اس کی بنسبت جس کا دعویٰ

وہ کرتے تھے کہ ہم اپنے اور اپنے آباء و اجداد کے دین کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں اور دیکھیے اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ان کی تجارتوں اور ان مارکیٹوں کو چیلنج کر رہی تھی جن میں وہ بتوں کی پرستش کے لئے آنے والے زائرین سے دل کھول کر نفع کماتے تھے۔

کفار اس معاملہ میں خاموش تماشائی بن کر کس طرح بیٹھ سکتے تھے، چنانچہ اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اب ان کے لئے آپ کو برداشت کرنا، آپ کے ساتھ مداہنت کرنا نرمی برتنا اور آپ کے متبعین کے ساتھ رحم کھانا ناممکن ہو گیا۔

جو صاحبِ حیثیت مسلمان تھے وہ کافر ومشرک حضرات سے کمزور قسم کے مسلمان غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے تاکہ ایمان لانے کی وجہ سے جس عذاب میں وہ مبتلا کر دئیے گئے ہیں، ان کو اس سے چھٹکارا مل جائے اور ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ ایمان سے پھر جائیں، مشرک اس حقیقت کو سمجھ گئے اور دیکھنے لگے کہ مسلمان تعداد اور قوت کے اعتبار سے بڑھ رہے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے اپنے غلام مسلمانوں کے ہاتھ بیچنا بند کر دئیے تاکہ ان کو خوب عذاب دے کر دوبارہ بت پرستی کی طرف مائل کر لیا جائے۔

پھر کفارِ قریش نے ان مسلمانوں کو اور زیادہ سخت سزا دینا شروع کر دی جو حبشہ ہجرت نہ کر گئے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہ

رہے تھے۔

اور ساتھ ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور زیادہ ستانا شروع کر دیا حالانکہ ابو طالب علی الاعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و نصرت اور اپنی قوم قبیلہ میں آپ کی کفالت و نگرانی کا برملا اظہار کر چکے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے دعا مانگتے ہیں کہ عمر بن الخطاب کو صحیح راستہ دکھا کر ایمان کے قبول کرنے کے لئے ان کے سینے کو کھول دے تاکہ ان کے ذریعہ اسلام کو قوت حاصل ہو، عمر بن الخطاب نہایت طاقت ور با ہیبت، قوی و پر عزم اور نڈر قسم کے آدمی تھے، نہ کسی سے ڈرتے نہ کسی سے خوف کھاتے جس کام کو کرنا چاہتے اس سے ان کو کوئی نہ روک سکتا تھا، اس لئے وہ اسلام دشمنی اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں بھی نہایت سخت تھے، ایک مسلمان باندی کو جب سزا دینے پر اترتے تو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے اور اس سے کہتے: میں نے تجھے تھک جانے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود ایسے بڑے دل کے مالک تھے جس میں اپنے رشتہ داروں پر شفقت و رأفت اور اپنے گھر بار اور اقربا پر مہربانی اور حسن سلوک کا غلبہ تھا، مسلمانوں کے حبشہ ہجرت کر جانے کا انہیں سخت صدمہ

تھا اور مزید افسوس اس کا تھا کہ نجاشی نے ان کی مکمل حمایت کی تھی اور جو نمائندے ان کو واپس لانے گئے تھے انہیں خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا تھا اس لئے عمر کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور زیادہ غصہ آرہا تھا اور اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تکلیف پہنچانا شروع کر دی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے قریش کو منتشر کر کے ان کے قبیلہ کو تقسیم اور گھر والوں کو جدا جدا کر دیا تھا اور آپ ہی کی وجہ سے ایک گھر کے افراد میں آپس میں اختلاف و حسد پیدا ہو گیا تھا لہذا عمر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر لیا۔

ایک روز عمر تلوار لٹکا کر نکلے اور اس جانب کا رخ کیا جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ تشریف فرمایا کرتے تھے جن میں آپ کے چچا حضرت حمزہ اور حضرت ابوبکر و علی وغیرہ بھی ہوتے تھے۔

راستہ میں بنو عدی کے ایک شخص نعیم بن عبد اللہ سے عمر کی مڈبھیڑ ہو گئی جو چپکے سے اسلام لا چکے تھے اور اس خوف سے کہ ان کی قوم انہیں عذاب میں مبتلا نہ کر دے اپنے اسلام کو ان سے چھپایا تھا جب انہوں نے دیکھا کہ عمر تلوار لٹکائے تیزی سے جا رہے ہیں تو انہوں نے ان سے پوچھا: خطاب کے بیٹے! کہاں جا رہے ہو؟

عمر نے جواب دیا: میں اس صابی کے قتل کی نیت سے جا رہا ہوں جس نے

قریش میں تفریق پیدا کی اور ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا۔

نعیم کو یہ خطرہ ہوا کہ عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہ کر دیں۔ لہٰذا انہوں نے چاہا کہ عمر کو اس ارادہ سے باز رکھیں اس لئے انہوں نے عمر سے کہا:-

اے عمر تم دھوکے میں مبتلا ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا تو کیا بنو عبد مناف تمہیں زمین پر چلتا پھرتا زندہ چھوڑ دیں گے؟ جاؤ پہلے اپنے گھر والوں کو سدھارو۔

عمر نے پوچھا: میرے کون سے گھر والے!!

نعیم نے جواب دیا: تمہارا بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید بن زید بن عمرو اور تمہاری بہن فاطمہ بنت الخطاب خدا کی قسم وہ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہیں لہٰذا پہلے ان کو سمجھو۔

نعیم کی بات سن کر عمر حیرت زدہ رہ گئے اور غصہ میں آ گئے، انہیں اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کی خبر نہ تھی ـــ اس لئے کہ انہوں نے عمر سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا تھا، چنانچہ عمر ان کے گھر کی طرف چل دیئے، سینہ غصّہ سے بھڑک رہا تھا اور رگیں غصّہ کی آگ سے پھولی ہوئی تھیں۔

بہن کے گھر پہنچتے ہیں تو قاری کے پڑھنے کی گنگناہٹ کانوں میں پڑتی

ہے۔ فوراً اتنے زور سے دروازہ پیٹتے ہیں کہ جس سے گھر والے گھبرا جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: کون ہے؟

جواب دیا: میں عمر ہوں، عمر کی آواز سن کر گھر والے گھبرا گئے اور پریشان ہو گئے اور اپنی صورتِ حال کو مخفی رکھنے کی کوشش شروع کر دی۔

عمر کی بہن فاطمہ اور ان کے شوہر اس وقت حضرت خباب بن الارت کے پاس بیٹھے تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو قرآن کریم پڑھانے کے لئے مقرر کیا ہوا تھا تاکہ وہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ آیتیں پڑھایا کریں، حضرت خباب سورۃ طٰہٰ کی کچھ آیتیں تلاوت فرما رہے تھے، جب عمر کی آواز ان کے کانوں میں پڑی تو خباب جھٹ سے گھر ہی میں ایک جگہ چھپ گئے اور فاطمہ نے جلدی سے اس صحیفہ کو چھپا دیا جس سے خباب پڑھ کر سنا رہے تھے اور فاطمہ کے شوہر گھر کا دروازہ کھولنے چلے گئے تاکہ عمر آ جائیں۔

عمر بپھرے ہوئے شیر کی طرح گھر میں داخل ہوئے اور گھر کے چاروں طرف نگاہ دوڑانے لگے اور اس آواز والے کو تلاش کرنے لگے جس کی قرأت سنی تھی لیکن اپنی بہن اور بہنوئی کے علاوہ کسی کو موجود نہ پایا تو نہایت غصّہ میں ترش روئی سے ان سے پوچھا کہ میرے کانوں میں یہ گنگناہٹ کی کیسی آواز آ رہی تھی؟

عمر کے ڈر سے دونوں نے انکار کر دیا اور کہا: آپ نے یہاں کی کوئی آواز نہیں سنی۔

عمر نے کہا: مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی کرنے لگے ہو۔

اور پھر حملہ کرنے کے لئے اپنے بہنوئی کی جانب بڑھے، فاطمہ اپنے شوہر کو بچانے کے لئے آگے بڑھیں تو عمر نے ان کو اس زور سے مارا کہ ان کا سر پھٹ گیا اور پھر فاطمہ اور ان کے شوہر نے کہا: جی ہاں! ہم اسلام لا چکے ہیں آپ جو کچھ کر سکتے ہیں کریں۔

عمر کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور ہوش وحواس درست ہو گئے اور بہن کے سر سے بہتا ہوا خون دیکھ کر شرمندہ ہو گئے، اسی اثنا میں عمر کی نگاہ اس صحیفہ پر پڑی جس سے حضرت خباب پڑھ کر سنا رہے تھے، عمر اپنی بہن سے کہنے لگے: ذرا مجھے یہ صحیفہ تو دے دو جس سے تم دونوں پڑھ رہے تھے، فاطمہ نے کہا: ہمیں صحیفہ کے بارے میں تم سے ڈر لگتا ہے۔

عمر نے قسم کھائی کہ واپس کر دیں گے، فاطمہ نے اس امید پر عمر کو صحیفہ دے دیا کہ وہ اس کو پڑھ کر مسلمان ہو جائیں گے۔

عمر نے صحیفہ لے لیا اور اس میں دیکھا اور پڑھا تو ان پر ڈھول طاری ہو گیا اور ان کا دل ہیبت وجلال سے بھر گیا اور ان سے صبر نہ ہو سکا اور وہ کہنے لگے:

یہ کلام تو نہایت عمدہ اور اعلیٰ ہے۔

حضرت خباب نے چھپے چھپے عمر کی بات سنی تو یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے:

اے عمر بخدا میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ کے نبی نے جو یہ دعا مانگی تھی کہ:

اے اللہ اسلام کو ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ قوت دے اللہ نے اس دعا کو تمہارے لئے قبول کر لیا ہے، لہٰذا اے عمر اللہ تمہارا مددگار وحامی ہو۔

عمر نے حضرت خباب سے کہا: خباب ذرا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک میری رہنمائی کر دو تاکہ میں جا کر مسلمان ہو جاؤں۔

حضرت خباب خوشی سے بولے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کے پاس الارقم ابن الارقم کے گھر پر موجود ہیں۔

اللہ اللہ! حضرت فاطمہ اپنے بھائی عمر کے مسلمان ہونے سے کتنی خوش تھیں اور ان کے شوہر اپنے برادرِ نسبتی کے اسلام سے کتنے مسرور تھے۔

عمر جب ان دونوں میاں بیوی کے پاس آئے تو مشرک تھے اللہ کے رسول کو جھٹلاتے تھے اور اب واپس ہوئے تو مؤحد بن کر اللہ کے رسول کی تعلیمات پر ایمان لاتے ہوئے ان تک جلد پہنچنے کے مشتاق تھے تاکہ ان کے سامنے اپنے ایمان کی گواہی دیں اور علی الاعلان مسلمان ہوں۔

عمر الارقم کے در پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے حضرت بلال کی آواز آئی: دروازہ پر کون ہے؟ جواب دیا: خطاب کا بیٹا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے جن میں حضرت حمزہ وابوبکر وعلی وبلال شامل تھے۔

حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کہتے ہوئے آئے:۔

اللہ کے رسولؐ! عمر بن الخطاب دروازہ پر ہیں ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم نے دروازہ کھولا تو ان کی وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دروازہ کھول دو اگر وہ خیر کا ارادہ کرے گا تو ہم خیر اس کے سپرد کر دیں گے۔

حضرت حمزہ نے فرمایا! اور اگر اس نے غلط کام کرنا چاہا تو ہم اس کو آسانی سے قتل کر دیں گے۔

حضرت بلال دروازہ کھولنے چلے جاتے ہیں، پیچھے سے حضرت حمزہ بھی جاتے ہیں کہ اگر عمر نے کوئی غلط حرکت کی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہی تو حضرت بلال کی مدد کر سکیں۔

دروازہ کھل گیا، عمر داخل ہوئے، حضرت بلال نے اپنے بازوؤں سے عمر کے بازوؤں کو تھام لیا اور ان کے دونوں ہاتھ حضرت حمزہ نے اپنی گرفت میں لے لئے، عمر کو داخل ہوتا دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا مانگی:۔

اے اللہ عمر کے سینے میں جو کھوٹ وغیرہ ہے اسے نکال دے اور اس کے

بدلہ ایمان بھر دے۔ اے حمزہ و بلال عمر کو چھوڑ دو۔

عمر چھوڑ دئے گئے اور آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر جب تک تم پر کوئی سخت مصیبت و آفت نہ آئے اس وقت تک تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آؤ گے۔ اے خطاب کے بیٹے بتا تو کس لئے آیا ہے؟

عمر نے جواب دیا: میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے سامنے اللہ کے سوا کسی کے معبود نہ ہونے اور آپ کے اللہ کے رسول ہونے کی گواہی دے دوں۔

عمر نے جیسے ہی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا فوراً ہی گھر صحابہ کرام کی صداؤں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر سے گونج اٹھا۔

ماحول و اطراف رعب و جلال اور ہیبت و برتری سے بھر گیا۔

حضرت عمر کے ایمان لانے کی خوشی میں یہ کلمہ حاضرین کی زبان سے بے اختیار نکلا جو حضرت عمر کے مسلمانوں کے زمرہ میں شامل ہونے پر اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کر رہے تھے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے اسلام لانے پر اپنے رب کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثنا بیان کی اور اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر پھیرا اور اللہ سے ان کی ثابت قدمی اور ہدایت کی دعا مانگی۔

حضرت عمرؓ اللہ کے رسولؐ اور ان کے مخصوص صحابہ کے ساتھ باتیں کرنے لگے اس اثناء میں حضرت عمرؓ نے کہا:۔

اللہ کے رسول! کیا ہم موت وحیات دونوں صورتوں میں حق پر نہیں ہیں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم موت وحیات دونوں صورتوں میں حق پر ہو۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول تو پھر چھپنا کیسا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس لئے کہ ہم تھوڑی تعداد میں ہیں اور ہمارے دشمن بہت زیادہ ہیں۔

عمرؓ نے کہا، خدا کی قسم آج کے بعد خدا کی عبادت چھپ کر نہیں کی جائے گی، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے جن مجلسوں میں بیٹھ کر کفر کا اظہار کیا تھا اب وہاں جاکر اسلام کا اظہار ضرور کروں گا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کعبہ کی طرف جانے کے لئے دو صفیں بنا کر نکلے، ایک کے آگے عمرؓ تھے اور دوسرے کے پیش رو حمزہ، اس مجمع کے پاؤں کی آواز ایسے محسوس ہو رہی تھی گویا چکی کی گڑگڑاہٹ اس طرح یہ حضرات کعبہ پہنچے اور وہاں نماز پڑھی، کلمہ طیبہ کے ذریعہ زور زور سے یہ اعلان کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، یہ دن اسلام کے چمکنے کی ابتداء اور قوت کے ساتھ نئے دین کے اعلان کرنے کا دن تھا۔

آج قریش کو غم و بے چینی سے وہ تکلیف پہنچی تھی کہ جس کی نظیر ان کی زندگی میں نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ کے مشرف باسلام ہونے پر مسلمانوں کی خوشی کی طرح حضرت عمرؓ کو بھی اپنے اسلام لانے کی بے حد خوشی تھی۔

اپنے اسلام لانے کی رات ہی حضرت عمرؓ نے کفار کی جماعت کے پاس جاکر اپنے اسلام لانے کا اعلان شروع کر دیا تھا اور جس طرح قوت و دلیری سے اسلام سے روکا کرتے تھے اسی بہادری سے اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی اور اسلام دشمنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں قریش کے سخت ترین فرد اپنے ماموں ابوجہل کے پاس گئے اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، ابوجہل جلدی سے خوش آمدید کہنے کے لئے یہ کہتا ہوا باہر نکلا، خوش آمدید مرحبا اے مرحبا، اے میرے بھانجے کیسے آنا ہوا؟

حضرت عمرؓ جواب دیتے ہیں: میں آپ کو یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا اور ان کی لائی ہوئی شریعت کی تصدیق کر چکا ہوں۔

حضرت عمرؓ کی بات سن کر قریب تھا کہ ابوجہل پر دورہ پڑ جائے، بھانجے کے سامنے گھر کا دروازہ بند کر دیا اور غصہ سے دھمکاتے ہوئے کہنے لگا: اللہ تیرا برا کرے اور برا کرے اس کا جس کی خبر تم لے کر آئے۔

قریش حضرت عمرؓ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور انہیں تکلیف پہنچانے لگے، ادھر انہوں نے تلوار سے ان کا مقابلہ شروع کر دیا اور کلمہ شہادت زور زور سے یہ کہتے ہوئے پڑھنے لگے:۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تم میں سے جو شخص بھی آگے بڑھے گا اس تلوار سے اس کا کام تمام کر دوں گا۔

اس وقت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ کا نام فاروق رکھ دیا اس لئے کہ ان کے ذریعہ سے خدا نے حق و باطل میں تفریق کر دی تھی۔

مسلمانوں کی کامیابی اور کثرت کو دیکھ کر قریش ہاتھ باندھ کر نہیں بیٹھے بلکہ وہ مستقل ایسی کوششوں میں لگے رہے جن سے مسلمانوں کی کثرت پر قابو پایا جا سکے اور انہیں ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے روکا جا سکے۔

چنانچہ کفار قریش ان مؤثر ترین وسائل کے بارے میں غور و فکر اور مشورہ کے لئے جمع ہوئے جن سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین اور مددگاروں کے خلاف کام لیا جائے، کافی غور و فکر کے بعد اس بات پر اتفاق ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے جنگ اس طرح کی جائے کہ ان کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور معاشرتی اور اقتصادی طور پر ان کی ناکہ بندی کی جائے، نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی جائے اور نہ ان سے کوئی چیز خریدی جائے، نہ ان کے ساتھ

شادی کی جائے نہ اپنی لڑکی ان کی شادی میں دی جائے اور کسی طور پر بھی ان کے ساتھ میل جول نہ رکھا جائے اور نہ کوئی معاملہ کیا جائے۔

اس معاہدہ اور فیصلہ کی تاکید کے لئے انہوں نے ایک صحیفہ لکھا تاکہ وہ ان کے عزم و ارادہ کا شاہد رہے اور اس کے احترام اور اعزاز کے واسطے اسے کعبہ کے وسط میں لٹکا دیا تاکہ نہ کوئی اس کی عہد شکنی کر سکے اور نہ اس سے ہٹ سکے اور روگردانی کر سکے۔

پھر قریش کا ایک وفد بنو عبد المطلب کے پاس گیا اور ان سے کہا: دو باتوں میں سے ایک اختیار کر لیں: یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ ہم انہیں قتل کر دیں اور اس طرح آپ لوگ خود بھی راحت پالیں گے اور ہم بھی اور ہم اس کے بدلہ میں آپ کو بہت زیادہ دیت دے دیں گے یا پھر ہم ان کے ساتھ آپ کا بھی محاصرہ کر لیں گے اور نہ کوئی چیز آپ کے ہاتھ فروخت کریں گے اور نہ کچھ آپ لوگوں سے خریدیں گے حتیٰ کہ ہم لوگ آپ سب کو بھوک سے مار ڈالیں، لہٰذا بتلاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟

بنو عبد المطلب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے حوالہ کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم تمہارے سپرد قطعاً نہیں کریں گے، تو ان لوگوں نے کہا:

پھر تو تم سب کا محاصرہ ہوگا اور ہمارے اور تمہارے درمیان مکمل بائیکاٹ۔

اور اس طرح قریش اور بنو عبد المطلب اور ان کے بنو ہاشم کے ان رشتہ داروں
کے ساتھ جو ان سے مل گئے تھے (سوائے عبد العزیٰ بن عبد المطلب (ابو لہب)
ان کے درمیان بائیکاٹ اور محاصرہ کی سیاست شروع ہو گئی، ابو لہب قریش
کے ساتھ مل کر بنو عبد المطلب کے بائیکاٹ اور محاصرہ میں شریک ہو گیا تھا،
یہ وہ شخص تھا جو بنو عبد المطلب اور بنو ہاشم کا بے انتہا مذاق اڑاتا، ان کے
مصائب پر خوش ہوتا تھا اور یہی پہلا وہ شخص تھا جس نے لوگوں کو ان سے
کنارہ کشی اختیار کرنے اور خرید و فروخت نہ کرنے پر ابھارا۔

اور اس طرح بنو ہاشم مکہ کی شعب ابی طالب نامی گھاٹی میں محصور ہو کر رہ گئے،
نہ وہ کسی سے مل سکتے تھے نہ ان سے کوئی مل سکتا تھا اور نہ اپنی گھاٹی کی قید سے
نکل سکتے تھے، سوائے اس کے کہ محرم مہینے آ جائیں جن میں عرب میں باہمی جنگیں
بند ہو جاتی تھیں اور لڑائی جھگڑے رک جاتے تھے۔

ان مہینوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ دعوت کے پہنچانے کے لئے نکل
جایا کرتے تھے؟

اشہرِ حرم (محرم مہینوں) میں حاجی مکہ آیا کرتے تھے، یہ محرم مہینے ذوالقعدہ
ذوالحجہ، محرم اور رجب تھے۔ ان دنوں میں تاجر دکانیں لگاتے اور اپنے سامان
تجارت کو مکہ کے قریب پیش کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جا کر ان کو
اللہ کے دین کی طرف بلاتے اور اپنے متبعین کو اچھے بدلہ کی بشارت سناتے اور

اور جو آپ کی تکذیب کرتے اور آپ کی دعوت سے رد کتے انہیں سخت
عذاب سے ڈراتے تھے۔

اس محاصرہ کی مدت میں وہ لوگ بھی مکہ واپس آ گئے جو حبشہ ہجرت کر گئے
تھے اس لئے کہ انہیں یہ خبر مل گئی تھی کہ عمر کے اسلام لانے کی وجہ سے اسلام
طاقت ور اور محفوظ ہو گیا ہے اور مسلمانوں نے علی الاعلان قریش کی جماعت
کے سامنے دعوتِ اسلام دینا شروع کر دی ہے اور اسلام کے نور نے مکہ
کے اطراف کو روشن کر دیا ہے اور اب وہ مکہ سے نکل کر اطراف میں پھیل
رہا ہے۔

لیکن ابھی وہ مکہ کے قریب بھی نہ پہنچے تھے کہ انہیں قریش کی جانب سے
طے شدہ اس سخت ترین محاصرہ کی خبریں مسلسل پہنچنے لگیں جس سے مسلمانوں
کو مصیبت میں مبتلا کیا گیا تھا چنانچہ انہوں نے الٹے پاؤں واپس لوٹنے
کا فیصلہ کیا۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو لوگ محاصرہ کی وجہ سے مصیبت
و تکلیف میں تھے انہیں آپ نے ہجرت کی اجازت دے دی کہ جو موقعہ پا کر
بھاگ سکے بھاگ جائے۔ چنانچہ ایک بڑی جماعت اس طرح ہجرت کر کے
اپنے ان مہاجرینِ حبشہ کے ساتھ جا ملی جو اطمینان سے حبشہ لوٹ چکے تھے۔

باقی ماندہ محصور لوگوں پر محاصرہ نہایت طویل اور معاملہ سنگین ہو

گیا لیکن بھوکے رہنے اور تکلیف و مصائب برداشت کرنے کے باوجود
بنو عبد المطلب نہایت جرأت اور بہادری سے ڈٹے رہے اور محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو نہ ان کے سپرد کیا اور نہ ان کے معاملہ میں کوئی سستی و کوتاہی
برتی بلکہ آپ کے چچا ابو طالب آپ کے ساتھ اسی طرح محبت اور شفقت
سے پیش آتے رہے سوتے وقت آپ کے پاس سوتے تاکہ نگرانی اور حفاظت
کر سکیں اور اگر کسی وجہ سے ان کو جانا پڑتا تو اپنے بیٹے کو اپنی جگہ حفاظت کے
لئے مقرر کر جاتے۔

اگر ان محصور حضرات کے ساتھ ان کے بعض رحم دل رشتہ داروں اور نرم
دل لوگوں کی اعانت نہ ہوتی اور محاصرہ کا تدارک اس طرح نہ ہوتا کہ وہ چپکے
سے ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بھیج دیتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ سب
حضرات بھوکوں مر جاتے۔ چنانچہ حکیم بن حزام اپنی چچی حضرت خدیجہ (ام المومنین)
کے پاس گندم اور کھانے کا سامان چپکے سے لے کر جاتے تھے اور وہ اس کو
محصور لوگوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ اس طرح ہشام بن عمر بھی محصور لوگوں کے
سلسلہ میں قریش کے رحم دل ترین انسان تھے۔ وہ بھی کھانے پینے کا سامان
اور لباس پوشاک رات کو شعب ابی طالب میں اونٹ کے ذریعے لے آیا
کرتے تھے اور جب گھاٹی کے کنارہ پر پہنچتے تو اونٹ کو دوڑا دیتے اور وہ
اونٹ سب سامان لے کر گھاٹی میں محصور لوگوں کے پاس پہنچ جاتا۔ قریش کو

جب ہشام کے ان کاموں کا علم ہوتا تو انہیں نقصان پہنچاتے لیکن وہ پھر بھی
محصور لوگوں کے ساتھ برابر حسن سلوک کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ہشام زہیر
ابن ابی امیہ جن کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبد المطلب تھا ان لوگوں کے پاس
گئے اور ان سے کہا:

زہیر کیا تمہیں یہ اچھا لگتا ہے کہ تم کھاتے پیتے اور پہنتے رہو اور تمہارے ماموں
یوں ہی رہیں کہ نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جائے اور نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔
خدا کی قسم اگر یہ محصور لوگ ابو الحکم (یعنی ابو جہل) کے ماموں ہوتے اور پھر تم اس
کو اس محاصرہ کی دعوت دیتے جیسے کہ اس نے تمہیں دعوت دی تو وہ ہرگز تمہاری
بات نہ مانتا۔

زہیر نے کہا: میں کیا کر سکتا ہوں میں اکیلا آدمی ہوں، بخدا اگر میرے ساتھ
کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو میں اس معاہدہ کو توڑ ڈالتا، ہشام نے کہا: اگر وہ دوسرا
آدمی تمہیں مل جائے تو؟ اس نے پوچھا کون؟ اس نے کہا: میں، زہیر نے جواب
دیا: ایک تیسرا آدمی بھی تلاش کرو۔

اور اس طرح سے ان دونوں نے مل کر طے کیا کہ قریش کے اس صحیفہ کو ختم
کر ڈالیں گے اور اپنے ایک اور مؤید و حمایتی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے
چنانچہ ان کے ساتھ مطعم بن عدی، ابو البختری بن ہشام اور زمعۃ بن
الاسود شریک ہو گئے اور سب نے مل کر یہ طے کیا کہ اس عہد اور صحیفہ کو ختم

کرنے کی مکمل کوشش کریں گے۔ یہ سب قریش کے معزز اور اشراف میں سے تھے۔

صبح ہوئی تو ہشام، مطعم، ابوالبختری اور زمعہ قریش کی ان محفلوں میں جا کر بیٹھ گئے جو کعبہ کے قریب تر تھیں اور زہیر کعبہ کا طواف کرنے لگے اور پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے:۔

مکہ والو عجیب بات ہے کہ ہم کھائیں پئیں پہنیں اور بنو ہاشم ہلاک ہوتے رہیں، نہ ان کے ہاتھ کچھ فروخت کیا جاتا ہے، نہ ان سے کچھ خریدا جاتا ہے بخدا میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک قطع رحمی اور ظلم پر مشتمل اس صحیفہ کو چاک نہیں کر دیا جاتا، ابوجہل اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور زہیر سے چیخ کر کہنے لگا: تو نے جھوٹ کہا خدا کی قسم اس صحیفہ کو ہرگز نہیں پھاڑا جائے گا اور پھر زہیر کے ساتھیوں کی آوازیں زہیر کی تائید اور ابوجہل کی رائے کی مخالفت میں بلند ہونے لگیں، ابوجہل سمجھ گیا کہ یہ سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ چنانچہ باوجود ناپسندیدگی کے وہ خاموش ہو گیا۔

ادھر مُطعِم صحیفہ کو پھاڑنے کے لیے اس کی طرف بڑھے تو دیکھا کہ دیمک اسے چاٹ چکی ہے بس اتنا سا حصّہ باقی ہے جس سے صحیفہ کی ابتدا کی گئی تھی اور وہ یہ تھا کہ: اے اللہ تیرے نام سے ابتدا کرتے ہیں۔

صحیفہ کے چاک ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی گھاٹی کی قید سے آزاد ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت اور جہاد کے میدان میں

دوبارہ آ گئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محاصرہ کے مجاہدہ سے نجات پا چکے تھے لیکن آئندہ آنے والے مصائب زیادہ شدید اور تکلیف دہ تھے، چنانچہ کچھ روز بعد ابو طالب بیمار پڑ گئے جب ان کے مرض نے شدت اختیار کی اور قریش کو یہ پتہ چل گیا کہ ان کی وفات کا وقت قریب آ چکا ہے تو انہوں نے ایک اور تدبیر اختیار کی اور وہ یہ کہ ابو طالب کے مرنے سے پہلے ان کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اختلاف کی دیوار کھڑی کر دی جائے اور رکاوٹ پیدا کر دی جائے اس لئے کہ اگر ابو طالب کے مرنے کے بعد انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف پہنچائی تو عرب ان کو شرم دلائیں گے کہ پہلے تو کچھ نہ کیا اور جب اس کے چچا مر گئے تو اب اسے نقصان پہنچایا۔

چنانچہ ابو طالب مرض الموت میں گرفتار تھے۔ اسی حالت میں ان کے پاس قریش کی ایک جماعت گئی اور اس نے ان سے کہا:

اے ابو طالب آپ جانتے ہیں کہ آپ کا مرتبہ و منزلت ہم میں کیا ہے۔ آپ ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان انصاف کیجئے اور اسے حکم دے دیں کہ وہ ہمیں اپنے دین پر چلنے دے ہم اسے اس کے دین پر چلنے سے نہ روکیں گے۔

ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور جس مقصد سے قوم آئی تھی وہ

آپ کو بچھایا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح گویا ہوئے: میں آپ حضرات سے صرف ایک کلمہ کہلانا چاہتا ہوں آپ لوگ صرف اس کا اقرار کرلیں۔

لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

یہ سنتے ہی سب آپ کے پاس سے ادھر ادھر بھاگ گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے:

یہ شخص تمہاری کوئی بات نہ مانے گا اور اب تم اس کے بارے میں بالکل معذور ہو۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے کہا: چچا جان آپ یہ کلمہ اپنی زبان سے پڑھ دیجئے تاکہ قیامت کے روز میں آپ کا گواہ بن جاؤں۔

آپ کے چچا نے جواب دیا: اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ عرب تم کو میرے سلسلہ میں ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا تو میں تمہارے سامنے یہ کلمہ پڑھ لیتا اس لئے میں تو اپنے بڑوں کے مذہب پر مروں گا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا سے بے پناہ محبت تھی آپ ان کا بہت اکرام کیا کرتے تھے اور ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے تھے۔ اسی لئے ان کے اسلام نہ لانے کا آپ کی طبیعت پر بہت زیادہ اثر تھا اور اس کی وجہ سے آپ شدید غمگین اور بے چین تھے، اس پر اللہ تعالےٰ نے آپ کو

بتلا دیا کہ:

«إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ» (القصص)

آپ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا، محافظ، نگہبان اور دست و بازو اور قریش کی ترکالیف کے لئے رکاوٹ اور آڑ ابو طالب کا انتقال ہوگیا، چچا ابو طالب کے انتقال کے حادثۂ جانکاہ پر ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ تقدیر سے ایک اور مصیبت آن پڑی اور وہ یہ کہ آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ انتقال کرگئیں۔

وہ حضرت خدیجہ جو نہایت مشفق اور محبّت کرنے والی بیوی تھیں جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی جان و روح نچھاور کی اپنی محبت اور فنائیت سے آپ کو مالامال کیا اور اپنی نگہداشت اور دیکھ بھال آپ کے لئے وقف کردی اور ________ زمانۂ وحی سے زمانۂ جہاد تک آپ کی مکمل خبر گیری اور دیکھ بھال کی۔

حضرت خدیجہ پہلی وہ عورت تھیں جو اللہ پر ایمان لائیں اور جن پر اللہ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سلام بھیجا اور جنت میں موتیوں اور سینٹوں کے محل کا وعدہ کیا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ
قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی
فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بڑے مددگار اور محافظ ختم ہو گئے۔

لیکن اسلام کا نور مکہ کے باہر پھیلنا شروع ہو چکا تھا اور اب یہ ممکن نہ رہا تھا کہ یہ روشنی مشرکوں کے عناد کی وجہ سے بجھ جائے خواہ مشرک کم ہوں یا زیادہ اور نہ یہ ممکن تھا کہ ان کی ایذا و تکالیف کی وجہ سے اس کی چمک ماند پڑ جائے خواہ وہ طاقتور ہوں یا کمزور اللہ نے اس دین کو پھیلانے اور بلند کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا خواہ کافروں کو یہ ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(حدیث)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ،

(ابو داؤد)

۷

بادل اور کہر
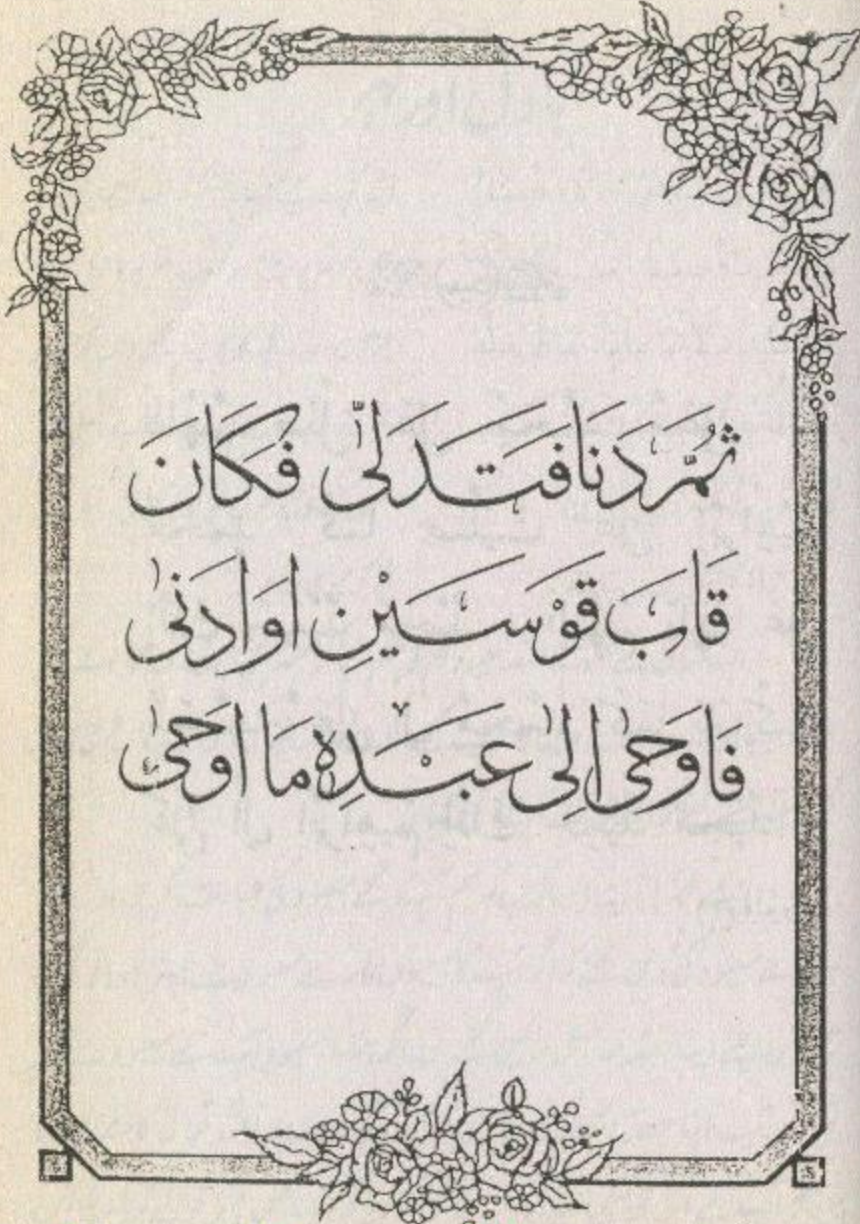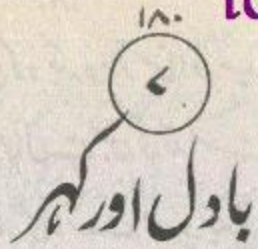
قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔

(الکافرون ۱ تا ۶)

آپ کہہ دیجئے اے منکرو میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجو جس کو میں پوجوں اور نہ مجھ کو پوجنا ہے اس کو جس کو تم نے پوجا اور نہ تم کو پوجنا ہے اس کو جس کو میں پوجوں تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ مشرکوں کی اس جماعت کو مندرجہ بالا جواب دے دیں جو آپ کے سامنے آکر اپنا آخری حربہ اس طرح استعمال کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے آپ سے کہا:

اے محمدؐ! آیئے ایسا کریں کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں اور آپ ہمارے معبود کی اس لئے کہ اگر آپ کا معبود ہمارے معبود سے بہتر ہوا تو گویا ہم اس سے اپنا حصہ حاصل کر لیں گے اور اگر ہمارا معبود آپ کے معبود سے بہتر ہوا تو آپ اپنا حصہ اس سے حاصل کر لیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا مندرجہ بالا پیغام آپ نے ان کو پہنچا دیا اور یہ واضح کر دیا کہ آپ جس چیز کو لے کر آئے ہیں

وہ نہ لغو ومہمل ہے اور نہ کھیل کود بلکہ وہ تو سچا اور سیدھا مضبوط قسم کا دین ہے
جس میں تبدیلی ناممکن اور تغیر محال ہے جس کی قداست وپاکیزگی میں نہ شک و
شبہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی خارجی اثر سے تغیر و تبدیلی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغامِ رسالت کے پہنچانے سے باز رکھنے
اور دعوت الی اللہ سے روکنے کے لئے مشرکین مختلف تدابیر اختیار کرتے کرتے
عاجز آ گئے اور حیران ہو گئے کہ اب کیا کریں اور آپ کو کس تدبیر سے روکیں۔!

لیکن۔۔۔ اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی ومحافظ اور دست وبازو
اور آپ کی قوم کے افراد کو آپؐ کے ارد گرد اکٹھا رکھنے والے اور آپؐ سے
کافر قوم کی ریشہ دوانیوں اور تکالیف کو روکنے والے ابو طالب کا انتقال
ہو گیا تھا۔

اور اب ان کے اور محمد صلی اللہ کے درمیان راستہ صاف تھا اور ان
کے زہر اور جراثیم کے پہنچنے کے لئے فضا صاف تھی، چنانچہ اب وہ ایسی جنگ
کے خواہاں تھے جس میں قطعاً نرمی نہ برتی جائے اور ایسی سختی کے جس میں ذرہ
برابر نرمی نہ کی جائے، مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف
وضرر اور آپؐ کے پیش کردہ دین کو نقصان پہنچانے میں ایک
دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، حتیٰ کہ بعض بے وقوف اور
ناسمجھ تو اس قدر آگے بڑھ گئے کہ ان میں سے ایک شخص گیا اور دنبہ کی بچہ دانی

اٹھا لایا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو گئے تو اس بدبخت نے
اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ڈال دیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس کے سوا اور کچھ نہ کیا کہ اس کو اپنے سے دور پھینک دیا اور یہ فرمانے لگے:
اے بنو عبد مناف یہ پڑوس کا کیسا حق ہے؟!

ایک دوسرے کافر نے اور دیدہ دلیری دکھائی اور آپ کے سرِ مبارک
پر مٹی ڈال دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے تو سر پر اسی طرح
مٹی پڑی ہوئی تھی، آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر جلدی
سے کھڑی ہوئیں اور غبار آپ کے سر مبارک سے دور کی، اس صدمہ کی وجہ سے
ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ ان کی قوم ان کے والد اللہ کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسا ناروا سلوک کر رہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کو ان ناسمجھ اور عقل کے دشمنوں سے کیسی سخت تکالیف پہنچ رہی ہیں۔
ان کے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کی غم خواری اور تسلی کے لئے فرماتے
ہیں: بیٹی رو مت اس لئے کہ اللہ تعالےٰ تمہارے باپ کا محافظ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عبد العزیٰ یعنی ابو لہب، ابو طالب
کی وفات کے بعد کچھ وقت تک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھے
رویہ سے رہے لیکن کچھ دنوں بعد پہلے سے زیادہ ایذا رسانی اور تکلیف دینا
شروع کر دی اور ان سے زیادہ ان کی بیوی ام جمیل نے وہ مظالم ڈھائے جو

ناقابل بیان ہیں۔

دوسری جانب ابوجہل صبح وشام آپ کو تکلیف پہنچانے کی فکر میں رہتا اور بے وقوفوں اور مشرکین کو آپ کے خلاف بھڑکاتا اور وہ آپ کو تکلیف پہنچاتے، بدزبانوں کو برانگیختہ کرتا تو وہ آپ کو بُرا بھلا کہتے اور مذاق اڑاتے تھے۔

یا پھر ابوجہل اپنی قوم کے افراد کے ساتھ بیٹھ جاتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز یا طواف کے لئے تشریف لاتے تو وہ آپ کو مارنے یا قتل کا ارادہ کرتے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو اس سے روک دیتے اور منع کرتے اور فرماتے: کیا تم ایک آدمی کو صرف اس وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا معبود خدا ہے اور ذرا سوچو تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی طرف سے کھلی ہوئی نشانیاں اور دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں۔

یہ سن کر وہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑتے اور ان کو خوب مارتے پیٹتے اور تکالیف پہنچاتے تاکہ وہ آئندہ ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درمیان حائل ورکاوٹ نہ بنیں لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کی خاطر اپنے آپ کو ابتلاء اور تکالیف میں ڈال دیا کرتے تھے اور مصائب اور مار پیٹ کی قطعاً پروا نہ کرتے تھے اور مشرکین وکفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رکھنے کے لئے ہر تدبیر اختیار کرتے تھے اور اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت میں آپ کو

جو تکلیف بھی پہنچتی تھی وہ اس کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت افسوس سے یہ فرمایا کرتے تھے: جب تک میرے چچا ابوطالب زندہ رہے اس وقت تک قریش میرا کچھ نہ بگاڑ سکے ان کے مرنے کے بعد ان لوگوں نے ایذارسانی شروع کر دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین سے جو تکالیف پہنچ رہی تھیں اور زبانی بُرا بھلا سننا پڑ رہا تھا اسے دیکھ کر آپ کے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو سخت دکھ پہنچتا تھا اور آپ کو بیک وقت دو صدموں سے دوچار ہونا پڑتا تھا ایک تو چچا ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا صدمہ اور دوسرا قریش کی جانب سے تکالیف اور اہانت آمیز رویہ سے پیش آنے کا دکھ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعداد میں تھوڑے تھے۔ اس لئے کہ ان کی ایک بڑی جماعت ہجرت کر کے حبشہ جا چکی تھی، ان کے مقابلہ پر کفار ومشرکین بڑی تعداد میں تھے اس لئے مسلمان کچھ نہ کر سکتے تھے اور ان کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ اپنی طاقت اور قوت بازو کے بل بوتے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں اور آپ کے اور کفار کے مکروہ عزائم کے درمیان رکاوٹ بن جائیں۔

مسلمان عورتیں آپ کی تکالیف کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتی اور تڑپتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ

رخصت ہونے اور مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔ یہ
سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حسرت بھرے لہجہ میں فرمایا: اے اللہ کے رسولؐ
کیا مجھے رفاقت و صحبت کی سعادت نصیب ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: ہاں ساتھ چلنا ہے۔ یہ سن کر خوشی کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے
چہرے پر آنسو ٹپکنے لگے اور انہوں نے فرمایا: اے اللہ کے رسولؐ میں نے جہاد
کے لئے اپنے مال کو اور سفر کے لئے دو سواریوں کو اور عبداللہ بن اُرقط کو رہبری
اور رہنمائی کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں اس وقت سواریوں کی
ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ سردست ہم جنوب کی جانب جائیں گے جہاں
چند روز غار ثور میں قیام کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں
غار ثور میں ٹھہرنے کی جو حکمت تھی حضرت ابوبکر اس کو سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم حسن تدبیر اور سمجھداری کی وجہ سے ان لوگوں کو اندھیرے میں رکھنے کے
لئے ایسا کر رہے ہیں جو آپ کو روکنے اور پکڑنے کے لئے آپ کی تلاش
میں آئیں گے۔

غار ثور مکہ کے جنوب میں یمن کے راستہ میں واقع تھا۔ عام طور سے
ہر شخص کے ذہن میں یہی آسکتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ
جانے والا راستہ اختیار کیا ہوگا اور مدینہ جانے والا راستہ مکہ کی شمالی جانب

تھا۔ اس لئے حکمۃً اور دوراندیشی کی بناء پر توریہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ
نے وہ راستہ اختیار کیا تاکہ جو لوگ آپ کی تلاش میں نکلیں اور آپ کو ڈھونڈنا
چاہیں ان پر راز نہ کھلے اور وہ آپ تک نہ پہنچ سکیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو یہ وصیت کی کہ وہ چپکے
سے ان کے پاس غار ثور میں آجایا کرے تاکہ قریش کی خبریں اور ان کی جستجو اور
تلاش کے بارے میں بتلاتے رہیں اور ساتھ ہی اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو
حکم دیا کہ وہ دن میں بکریاں چراتا رہے اور جب شام ہو جائے تو واپسی میں غار
کے راستہ سے واپس لوٹتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے اور دودھ نکال
کر دیتا جایا کرے اور اپنی بیٹیوں کو یہ وصیت کی کہ وہ زادراہ تیار کریں تاکہ
بوقت سفر ضرورت کام آسکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ چپکے سے گھر کی پشت کی جانب
کھڑکی سے باہر نکلے اور رات کی تاریکی میں مکہ سے باہر نکل کر جنوب کی جانب غار
ثور کی نیت سے چل پڑے۔ ادھر جب صبح کی پہلی کرن نمودار ہوئی تو حضرت
علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے
ان کے اٹھتے ہی قتل کا انتظار کرنے والے تیار ہو گئے تاکہ اپنے پروگرام کو عملی
جامہ پہنا کر اپنی آخری کاری ضرب لگا کر آپ کا کام تمام کر دیں۔

لیکن ۰۰۰ ارے یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بستر سے کون اٹھ

کر آرہا ہے؟!

وہ نوجوان دروازے کے سوراخ سے بڑے غور سے دیکھنے لگے اور حیرت اور تعجب سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس لیے کہ سو کر اٹھنے والے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تھے بلکہ وہ تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ بڑی عجیب بات ہے یہ کیا ہوگیا؟ یہ بات ان نوجوانوں نے نہایت حیرت اور دہشت کی حالت میں کہی اور پھر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کیا ہم علیؓ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر ساری رات انتظار کرتے رہے؟ علی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بستر پر کیوں سوئے؟ اور پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟

نوجوان آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے رہے لیکن اس کا جواب ان میں سے کسی کے پاس بھی نہ تھا حتیٰ کہ ان کے بڑے اور ان کی قوم کے افراد کی ایک جماعت وہاں یہ دیکھنے پہنچی کہ ان نوجوانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کیا۔ اس پر ان نوجوانوں نے انہیں بتلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو روپوش ہو گئے ہیں۔ یہ بات سن کر قریش کے وہ لوگ حیرت میں پڑ گئے اور ان کے حواس اڑ گئے اور فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں۔ ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو پکڑ لیا اور مارنا پیٹنا شروع کر دیا تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتلا دیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر مرتبہ یہی کہتے رہے کہ ان کے

بارے میں مجھے کچھ علم نہیں ہے یہاں تک کہ جب وہ لوگ ان سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے ان کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض رشتہ داروں نے مداخلت کی اور بار بار کہہ سن کر ان کو آزاد کرالیا۔

ان لوگوں نے جس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اس رات آپ کے ان سے بچ کر نکل جانے اور ان سے جان چھڑا لینے نے قریش کو دیوانہ اور پاگل کر دیا اور وہ اِدھر اُدھر آپ کو تلاش کرنے لگے۔ کوئی مدینہ منورہ کے راستہ پر گیا اور کوئی حضرت ابوبکر کے گھر گیا اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ابوبکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے دوست ہیں، ان کے گھر جانے والوں میں ابوجہل بھی تھا۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے حضرت ابوبکر کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ نکلیں۔ ان لوگوں نے ان سے پوچھا: اے ابوبکر کی بیٹی تمہارے ابا جان کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں کہ میرے والد کہاں ہیں۔ یہ سن کر قریش سمجھ گئے کہ ابوبکر بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے گئے ہیں۔ یہ سن کر ابوجہل اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا اور نہایت غصہ کی حالت میں اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور حضرت اسماء کے چہرے پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ جس سے ان کے کان کی بالی دور جا گری۔ پھر وہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور کسی ایسے تجربہ کار

شخص کو تلاش کرنے لگے جو ان ہجرت کرنے والوں کے پاؤں کے نشانات سے ان تک پہنچ سکے۔

چنانچہ نشانات قدم کے ماہر سراقہ بن مالک کو بلایا گیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی حضرت ابوبکر کے نشانات تلاش کرتا ہوا اس سمت کی جانب نکل پڑا اور قریش کی جماعت اور قتل کرنے کے لئے تیار نوجوان اس کے پیچھے تھے حتیٰ کہ وہ مکہ سے آگے نکل گیا اور جنوب میں جبل ثور کی جانب چل پڑا اور سب کے سب اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے نہایت تعجب سے اس سے پوچھ رہے تھے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کون سی جہت اختیار کی ہوگی جنوب کی یا شمال کی جانب؟ بہر حال وہ سراقہ کے پیچھے چلتے رہے کہ شاید وہ ان کو ان کی مراد اور منزل مقصود تک پہنچا دے۔ سراقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق کے پاؤں کے نشانات ریت پر تلاش کرتا ہوا چلتا رہا۔ پھر جبل ثور پر چڑھنے لگا۔

اللہ کی عجیب شان اور بڑی قدرت ہے۔ اس نے اپنے رسول سے مکاروں کے مکر کے ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا اور وہ اللہ سب سے سچا اور اعلیٰ وارفع ہے۔

سراقہ جبل ثور پر چڑھتا رہا اور سب لوگ اس کے پیچھے تھے کہ چلتے چلتے اچانک وہ نہایت حیرت اور پریشانی کے عالم میں رک گیا اور یہ فیصلہ

نہ کر سکا کہ کس طرف توجہ کرے اور کس جانب چلے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس نے اپنے سامنے ایک پتھر کی جانب اشارہ کر کے کہا: نشانات قدم اس پتھر تک موجود ہیں اس کے بعد مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ اور کہاں کہاں پاؤں رکھے ہیں نشانات نہیں مل رہے ہیں۔

لوگوں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: اے سراقہ ہم نے تمہیں آج کے دن جیسا بھٹکتا اور راستہ بھولتا ہوا نہیں دیکھا۔ اسی اثناء میں لوگوں نے کچھ فاصلہ پر ایک چرواہے کو بکریاں چراتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا: کیا تم نے دو آدمیوں کو پہاڑ پر جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔ تو اس نے جواب دیا: ممکن ہے وہ دونوں غار میں ہوں۔ اگرچہ میں نے کسی کو ادھر جاتے نہیں دیکھا ہے۔ قریش کے نوجوان جلدی جلدی پہاڑ پر چڑھ کر غار تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔ ہاتھوں میں لاٹھیاں کمانیں تیر اور تلوار لئے ہوئے تھے ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ سب سے پہلے وہ ضرب لگائے۔

لیکن اللہ کی رحمت ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غار میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے پاس آپ کے رفیق سفر حضرت ابوبکر بیٹھے ہوئے اس ڈر سے کپکپا اور گھبرا رہے تھے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی آواز سن لی تھی اور ادھر ان کے

رُخ کرنے کو بھی محسوس کر لیا تھا اور اب ان کے پاؤں کی چاپ اور چیخنے چلانے اور عصا سے کھٹکھٹانے کی آواز غار سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی سانس روک لی اور پوری توجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرکوز کر دی اور ان کا دل چاہتا تھا کہ ہو سکے تو آپ کو اپنے دل و جسم میں چھپا لیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے احساسات کو تاڑ لیا اور ان کے خیالات کو پڑھ لیا اور ان کو اطمینان دلانے اور ڈر و خوف کم کرنے کے لئے فرمایا: گھبراؤ نہیں اللہ تعالٰے ہمارے ساتھ ہے۔

قریش کا ایک نوجوان غار کے راستہ کی طرف بڑھا لیکن ابھی اس تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ اس غار کے منہ سے جھانک کر اندر کی جانب دیکھا کر اپنے ساتھیوں کی طرف مایوس اور ناکام سا لوٹ گیا۔ اس کے ان ساتھیوں نے جو اس کے پیچھے پیچھے اس تک پہنچنے کے لئے تیزی سے آ رہے تھے اس سے پوچھا: کیا ہوا تم نے غار میں جھانک کر کیوں نہ دیکھا؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس پر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے پہلے کا مکڑی کا جالا بنا ہوا ہے اور میں نے غار کے منہ پر دو جنگلی کبوتروں کا گھونسلا اور ایک درخت دیکھا ہے جو اس کے منہ کو بند کئے ہوئے ہے جس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ اس غار میں کوئی نہیں ہے۔

اس شخص کی اپنے ساتھیوں سے یہ جو باتیں ہو رہی تھیں وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سن لیں اور یہ سمجھ گئے کہ اس شخص نے جو چیزیں ذکر کی ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سامان ہے اور خدا کی نشانیوں میں سے ہے۔ ساتھ ہی حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ لوگ غار کے ارد گرد آ جا رہے ہیں لیکن کسی کو یہ بھی خیال نہیں آ رہا کہ اس کے اندر جھانکے، اس موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے لہجے میں کہا: اگر کسی نے منہ نیچے جھکا کر جھانک لیا تو ہمیں دیکھ لے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اے ابوبکر بتلاؤ تمہارا کیا خیال ہے ان دو شخصوں کے بارے میں جن کے ساتھ اللہ ہو۔

قریش کے آدمی غار کی جانب سے ہٹ گئے اور وادی کی جانب اتر گئے تاکہ اور اطراف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب اچھی طرح سے تلاش کر سکیں۔ تلاش کرنے کا شوق اس لئے بھی تھا کہ آپ کو گرفتار کرنے والے کو سو اونٹنیوں کا عظیم الشان انعام دینے کا اعلان کیا گیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین دن تک غار میں ہی رہے، رات کو عبداللہ بن ابی بکر ان کے پاس آتے اور قریش کی خبریں پہنچا دیتے اور بتلاتے کہ قریش ان کو تلاش کرنے کی کتنی سخت جدوجہد کر رہے ہیں۔ عبداللہ کے ساتھ ان کی بہن اسماء بھی ہوتی تھیں جو نبی کریم صلی اللہ

اور اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے وہ کھانا وغیرہ لے کر آتی
تھیں جو انہوں نے اپنی بہن اور والدہ کے ساتھ مل کر تیار کیا ہوتا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ دن بھر حضرت ابوبکرؓ
کی بکریاں مکہ کے اور چرواہوں کے ساتھ مل کر چراتے رہتے اور جب شام ہو
جاتی تو واپسی میں اس غار کے راستہ سے لوٹتے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روپوش تھے اور ان کو پلانے کے لئے دودھ دوہتے
اور پھر وہ اور ان کی بکریاں عبداللہ اور ان کی بہن کے پیچھے پیچھے چلی جاتیں تاکہ ریت
پر بنے ہوئے ان دونوں کے نشاناتِ قدم مٹ جائیں۔

تین دن اس طرح گذر گئے اور مکہ والوں کی وہ سخت قسم کی تلاش اور آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈ نکالنے کی نقل وحرکت ختم ہو گئی اور تلاش کرنے والے
اپنے گھروں کو مایوس اور ناامید لوٹ گئے اور آپ کے بارے میں ان کو کچھ پتہ
نہیں چلا اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب تو آپ اتنی دور نکل گئے ہوں گے کہ جہاں تک
پہنچنا اور آپ کو پکڑنا ناممکن ہے، جب حضرت عبداللہ نے یہ خبریں نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچائیں تو ان کے والد نے انہیں یہ حکم
دیا کہ وہ چپکے سے ان کے پاس وہ دونوں سواریاں لے آئیں جو انہوں نے اس
مقصد کے لئے تیار کر رکھی تھیں اور یہ بھی کہا کہ ساتھ میں عبداللہ بن اُرقط کو بھی
لیتے آئیں جن کو انہوں نے اس غرض سے کرایہ پر لیا تھا کہ وہ ان کو اس راستہ سے

لے جائیں گے جو غیر معروف ہے۔

سرِ شام ہی حضرت عبداللہ بن ابی بکر اور ان کی بہن اسماء اور عامر بن
فہیرہ غار کی طرف چل دیئے اور ان کے پیچھے عبداللہ بن اُرقط تھے جو حضرت ابوبکر
کے اونٹوں کو اور اپنے اونٹ کو لے کر آ رہے تھے جب یہ سب غار کے پاس
پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اچھا والا
اونٹ بڑھا کر فرمایا: اے اللہ کے رسول آپ اس پر سوار ہو جائیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس اونٹ پر سوار نہیں ہوں گا
جو میرا نہ ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ آپ کا ہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یونہی نہیں بلکہ میں اس کو اس
قیمت پر خریدوں گا جس پر تم نے اسے خریدا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: اے اللہ کے رسول یہ اسی قیمت پر
آپ کا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آگے بڑھیں تاکہ اونٹنیوں پر وہ زادراہ اور
پانی باندھ دیں جو وہ اپنے ساتھ لائیں تھیں لیکن انہیں کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے
توشہ دان اور پانی کے مشکیزہ کو اونٹ سے باندھ سکیں تو وہ سوچ میں پڑ گئیں کہ

اب کیا کریں۔ ان کو سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ انہوں نے اپنا ازار بند کھولا اس کے دو حصے کئے ایک حصّہ سے توشہ دان اور پانی کا مشکیزہ باندھ دیا اور دوسرے ٹکڑے سے اپنا پائجامہ باندھ لیا۔ چنانچہ اس واقعہ کی وجہ سے اس وقت سے ان کا نام ذات النطاقین (یعنی دو ازار بند والی) پڑ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن اُرقط اپنے اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ حضرت ابو بکر نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا تاکہ وہ راستہ میں ان کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات پوری کر سکے اور پھر سب کے سب اپنے رہبر کی قیادت میں روانہ ہو گئے اور اس راستہ پر سفر شروع کیا جو ساحل کے مقابل تھا وہ نہ عام راستہ تھا اور نہ لوگ عام طور سے اس پر چلتے تھے۔

قریش اپنی مجلسوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی تذکرہ کرتے تھے اور آپ اور آپ کے ساتھی حضرت ابو بکر کے ہجرت کرنے کا ذکر ہی ان کی زبانوں پر ہوتا تھا۔ اہل مجلس ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے بات چیت کر رہے تھے کہ قریش کا ایک آدمی سفر سے واپس آیا اور اس نے ان سے کہا کہ میں نے ساحل پر تین آدمی اپنے پاس سے گذرتے ہوئے دیکھے ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی ہیں۔

مشورہ گاہ (دار الندوہ) میں ایک نہایت سمجھدار چالاک ہوشیار سراقہ بن

مالک نامی آدمی بھی تھا اس نے اس آنے والے شخص کی بات سن کر اندازہ لگایا کہ وہ سچا ہے لیکن اس نے انعام کے ان سو اونٹوں کی لالچ میں جو قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لانے والے کے لئے مقرر کئے تھے۔ جلدی سے اس شخص کی بات کی تردید کر دی تاکہ اہل مجلس اندھیرے میں رہیں۔ اس نے کہا: وہ لوگ نہیں ہو سکتے۔ ابھی اس راستہ سے کچھ لوگ کسی کام سے گئے ہیں جن کو میں جانتا ہوں۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک تو سراقہ مجلس میں بیٹھا رہا اور جب حاضرین کے ذہن سے یہ بات نکل گئی تو وہ فوراً اپنے گھر گیا اور جلدی سے اپنے آپ کو ہتھیاروں سے مسلح کیا اور ایک آدمی کو گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیا اور اس سے کہا کہ وادی کے نچلے حصے کی جانب گھوڑا لے جائے اور کچھ دیر بعد خود بھی مکہ کے باہر چلا گیا تاکہ کوئی شخص اس کو وہاں سے جاتا ہوا نہ دیکھ لے وہاں پہنچ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس کو سرپٹ دوڑاتا ہوا ایڑی سے ساحل کی جانب چل دیا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غار کے پُرمشقت و تکلیف ایام سے نجات دی تھی تو کیا پھر یہ ہو سکتا تھا کہ سراقہ آپ تک پہنچ سکے اور آپ کو پکڑ سکے، ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مکر کرنے والوں کے مکر کو رد کرنے اور دشمنوں کو نامراد کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں کس طرح بے یار و مددگار چھوڑ سکتے تھے۔ سراقہ کا عمدہ قسم کا گھوڑا ابھی کچھ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اس زور سے لڑکھڑا کر گرا کہ قریب تھا کہ سراقہ کو صحرا کے ریت پر

پھینک دیتے، لیکن سراقہ نے جلدی سے گھوڑے کو کھڑا کیا اور اس کو اتنی زور سے ایڑی لگائی کہ وہ منزلِ مقصود کی جانب پھر رواں دواں ہو گیا لیکن کچھ دیر بعد یہ گھوڑا پھر لڑکھڑا کر گرا لیکن سراقہ پھر بھی نہ سمجھا اور مایوس نہ ہوا بلکہ گھوڑے کو کھڑا کیا اور اس کو پھر ایڑھ لگائی لیکن اس مقصد کے لئے جانے کی وجہ سے اب اس کے دل میں کچھ بدشگونی اور بدفالی اور خوف کے اثرات پیدا ہو چکے تھے۔ گھوڑا پھر از سرِ نو تیزی سے دوڑنے لگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے پوری رات اور آدھا دن چلتے ہوئے گذارا اور راستہ میں ان کو کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہ آئی نہ کسی تعاقب کرنے اور پیچھے آنے والے کی آہٹ محسوس ہوئی اور اس وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کچھ سکون ہوا اور راستہ میں آپ کی گرفتاری کا جو دھڑکا لگا ہوا تھا۔ وہ کم ہوا اور کچھ اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس بڑی چٹان کے سایہ میں اتر جائیں تاکہ کچھ آرام بھی کرلیں اور کھانا بھی کھالیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر نے جس جگہ ٹھہرنے کا مشورہ دیا تھا وہاں سامان اتارا گیا حضرت ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جگہ درست کی اور دنبہ کی کھال بچھا دی اور کھانا پیش کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دونوں ساتھیوں نے کھانا کھایا اور کچھ دیر کے لئے سو گئے۔ سورج غروب ہونے لگا تھا

اور ساتھی پھر سے ایسی رات میں سفر کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گئے جس میں نہ سورج ہوگا نہ گرمی و کوئی تکلیف۔ ابھی تیاری میں لگے ہوئے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنوب کی جانب سے ایک سوار کو اپنی طرف تیزی سے آتے ہوئے دیکھا تو ان کا دل دھڑکنے لگا اور انہوں نے فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کوئی ہماری تلاش میں آرہا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان وسکون سے جواب دیا کہ اے ابوبکر فکر وغم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے اور واقعی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا۔ ان کا محافظ تھا، اس کی رحمت ان کے ساتھ تھی۔

کچھ دیر کے بعد سراقہ کا گھوڑا ان حضرات کے قریب پہنچ گیا اور بالکل سامنے نظر آنے لگا اور اس کے ٹاپوں کی آواز کانوں میں پڑنے لگی۔ ٹھیک اسی وقت گھوڑے نے ایک نہایت زبردست ٹھوکر کھائی جس کی وجہ سے اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور اس پر سوار (سراقہ) لڑھکتا ہوا زمین پر آرہا اور اب تو گھوڑے کے بارے میں سراقہ کی بدفالی اور بڑھ گئی اور اس نے یہ سمجھ لیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے یہ اقدام کر رہا ہے یہ اس کی نحوست ہے اور اسے یہ یقین ہو گیا کہ اس کا معبود اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار یا قتل کرے۔ چنانچہ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا ہو گیا اور آواز بلند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے مخاطب

ہوا: میں سراقہ بن جعشم ہوں، مجھے ذرا سی مہلت دیں میں آپ لوگوں سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں اور بخدا میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا اور کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو آپ لوگوں کو ناپسند ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: اس سے پوچھو یہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟

حضرت ابوبکر نے اس سے پوچھا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا چاہتے ہو؟

سراقہ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک خط لکھوا دیں جو میرے اور ان کے درمیان ایک نشانی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر اس کو لکھ کر دے دو۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بتایا حضرت ابوبکر صدیق نے ٹھیکری کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر اس کو دے دیا۔ سراقہ نے وہ لیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ کی جانب چل دیا۔ سراقہ نے قریش سے اپنے اس واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ البتہ جب بھی کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سمت کا تذکرہ کرتا تو سراقہ اس کو جھٹلانے کی کوشش کرتا اور اگر کوئی ان کو تلاش کرنے کے لئے اور پکڑنے کے لئے جانے کا ارادہ کرتا تو وہ اس کو باز رکھنے اور روکنے کی کوشش کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ

نہایت بے چین سے رہے اور ان کو اس خوف سے سکون نہ آتا تھا کہ نہ معلوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہو نہ گیا ہو اور ساتھ ہی آپ کی رفاقت نصیب نہ ہونے کی وجہ سے اور بے چینی رہتی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی وہ ان امانتوں کو واپس کر چکے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مالکوں کے حوالہ کرنے کے لئے انہیں دی تھیں تو اپنے چچازاد بھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے اور آپ کے ساتھ رہنے کی نیت سے چپکے سے مکہ سے اس طرح نکل پڑے کہ نہ تو اونٹنی پر سوار ہوئے اور نہ گدھے کو سواری بنایا بلکہ بڑے بڑے قدم اٹھاتے تیزی سے پیدل چلتے ہوئے نکل گئے۔

اے علی آپ کتنے وفادار تھے! اور کتنے نیک تھے! آپ کی روح کتنی عالی اور نفس کتنا بلند تھا! حضرت علی تن تنہا راتوں کو چلتے، دنوں کو سفر کرتے، چٹیل لق دق صحراء اور گڑھوں اور پہاڑیوں کو عبور کرتے ہوئے منزل مقصود کی جانب رواں دواں رہے، تیز دھوپ جلد سلگا دینے والی گرم ہواؤں کے تھپیڑے برداشت کرتے رہے اور مقصد صرف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات نصیب ہو اور آرزو صرف یہ تھی کہ آپ کی صحبت میں رہیں اور آپ کی رفاقت میسر ہو۔

حضرت علی اس طرح مسلسل چلتے رہے حتیٰ کہ پاؤں خون آلود ہو گئے اور چلنا مشکل ہو گیا، لیکن وہ پھر بھی اپنی منزل مقصود کی جانب سفر سے باز نہ رہے اور

نہ یہ پسند کیا کہ کچھ آرام کرلیں اور جسم کی تکان اتار لیں، بلکہ تکلیفیں برداشت کرتے
رہے اور چلتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ چنانچہ مدینہ منورہ
سے دو کوس کے فاصلہ پر واقع قباء میں حضرت علی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک
پہنچ گئے اور اس طرح چھوٹا مجاہد مجاہد اعظم سے جا ملا اور بیک وقت دونوں کو
دو خوشیاں حاصل ہوئیں۔ ایک ملاقات کی اور دشمنوں کے دام سے نجات وچھٹکارے
کی خوشی اور دوسری انصاری دوستوں کے شہر میں پہنچنے کی خوشی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں چار دن مقیم رہے اور اس اثناء میں
وہاں کے باشندوں کے لئے ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور پھر آپ اور آپ کے
ساتھی مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

اہل مدینہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمون اور تشریف
آوری کی خبر ایک عظیم الشان واقعہ کی حیثیت رکھتی تھی جس کی وجہ سے مسلمان اور
مشرک و یہود سب ہی خوشی سے جھوم اٹھے۔ اہل مدینہ نے جب سے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی آمد کی خبر سنی تھی۔ اس وقت سے وہ بے قرار اور نہایت بے چینی و شدت
سے آپؐ کی آمد کے منتظر تھے۔ چنانچہ وہ چاہتے تھے کہ جیسے ہی آپ کی آمد کی خبر
ان کو ملے وہ فوراً استقبال کے لئے مدینہ منورہ سے باہر آجائیں اور آپؐ کی
تشریف آوری کے منتظر آپؐ کی آمد پر خوش آمدید کہنے کے لئے ٹکٹکی باندھے دیکھتے
رہتے تھے۔ انہی انتظار کی گھڑیوں میں ایک روز انہوں نے سنا کہ کوئی شخص بلند

ٹیلے سے آواز دے رہا ہے: اے بنو قیلہ والو یہ دیکھو تمہارے ساتھی آگئے۔ یہ آواز
سننا تھا کہ اہل مدینہ کے دل خوشی سے جھوم اٹھے اور مردوں عورتوں بچوں سب کے دل
خوشی سے لبریز ہو گئے۔ یہ آواز دینے والا ایک یہودی تھا جو اوروں کی طرح آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا منتظر تھا وہ دیکھ رہا تھا کہ مسلمان آپ کی آمد کے سلسلہ
میں کس قدر اہتمام کر رہے ہیں اور کتنی بڑی شخصیت کی آمد کے منتظر ہیں۔ چنانچہ
اس نے جیسے ہی یہ دیکھا کہ چند آدمی آرہے ہیں تو فوراً ہی اس عظیم الشان
مہمان کی تشریف آوری کی خوشخبری سنانے کے لئے مندرجہ بالا اعلان کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے اہل مدینہ کے بچے بوڑھے
جوان سب گھروں سے نکل آئے چونکہ ان میں سے اکثر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے وہ شکل سے آپ کو پہچانتے بھی
نہ تھے لیکن ان کے دل آپ کو پہچانتے تھے اور ان کے نفوس میں آپ سے بے پناہ
محبت، شوق اور لگاؤ تھا۔ کھجور کے ایک درخت کے سائے تلے مدینہ منورہ
کے شیوخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ سے ملے اور حضرت ابوبکر
جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے ہوئے تھے آپ کی دیکھ بھال کر رہے
تھے اس سے ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا۔

یہ جمعہ کا دن تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ وادی رانوناء میں پڑھا۔
آپ کے ساتھ وہ لوگ بھی جمعہ میں شریک ہوئے جو اسلام لاچکے تھے اور آپ کے

دیدار سے پہلے ہی دین اسلام اور مسلمانوں کے مددگار بن گئے تھے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مدینہ میں داخل ہوئے جس نے آپ کی اس وقت امداد کی تھی جب کہ آپ کے شہر نے آپ کو تن تنہا چھوڑ دیا تھا آپ کو ان انصار اور مددگاروں کی جماعت نے گھیرا ہوا تھا جنہوں نے آپ کی اس وقت مدد کی تھی جب آپ کی قوم آپ کو تکلیف پہنچا رہی تھی اور آپ کے ساتھ غداری کر رہی تھی۔

یہ ایک ایسا تاریخی اور یادگار دن تھا کہ مدینہ نے باوجود مختلف قسم کے حوادثات زمانہ دیکھنے کے اس جیسا دن اپنی پوری زندگی میں نہ دیکھا ہوگا مدینہ منورہ کے سردار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے انہیں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ آپ اس کے گھر قیام پذیر ہوں تاکہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و میزبانی کا شرف حاصل ہو، اس لئے ان میں سے ہر ایک یہ کہتا ہوا آپ کے پاس آیا:

اے اللہ کے رسول ہمارے یہاں تشریف لے چلئے ہم تعداد و سازو سامان سے آپ کی مدد کریں گے اور آپ کی حفاظت کریں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے معذرت کر دی اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور ارشاد فرمایا: میں وہاں ٹھہروں گا جہاں اللہ تعالے مجھے ٹھہرائے۔

اونٹنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لئے ہوئی مدینہ منورہ کے راستوں میں چلتی رہی۔ آپ کے صحابہ آپ کے ارد گرد تھے اور مدینہ منورہ کے باشندوں کا ایک جم غفیر بیک زبان یہ کہہ رہا تھا اللہ سب سے بڑا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اللہ سب سے بڑا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اور بچے بچیاں دف بجاتی جا رہی تھیں اور خوش آمدید کہنے کے لئے مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہی تھیں۔

چودھویں رات کا چاند ثنیات الوداع کی جانب سے ہمارے اوپر نکل آیا۔

ہم پر خدا کا شکر واجب ہو گیا جب تک کہ اللہ سے مانگنے والا مانگتا رہے۔

اے وہ ذات جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے آپ ایسے حکم کو لائے ہیں جس کی اطاعت کی جائے گی۔

تمام گھروں کی چھتوں پر عورتیں چڑھ گئیں اور تمام ٹیلوں اور پہاڑیوں چٹانوں پر لوگ کھڑے ہو گئے اور تشریف لانے والے اس عظیم القدر مہمان کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا اور نفس کو مطمئن کرنے لگے۔

اونٹنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لئے ہوئے اس وقت تک چلتی رہی جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا یہاں تک کہ جب وہ بنو النجار کے دو یتیم بچوں

کے باڑے کے پاس پہنچی تو رک گئی اور وہیں بیٹھ گئی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اتر گئے اور پوچھا یہ باڑہ کس کا ہے۔

حضرت معاذ بن عفراءؓ آگے بڑھے اور انہوں نے کہا کہ، اے اللہ کے رسول یہ سہل اور سہیل کی ملکیت ہے جو عمرو کے بیٹے ہیں اور وہ دونوں یتیم ہیں اور میری زیر کفالت ہیں میں ان کو راضی کروں گا آپؐ اس کو مسجد بنا لیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کے سرپرست حضرت معاذؓ سے وہ باڑہ خرید لیا اور حکم دیا کہ یہاں آپ کے لئے مسجد اور مکان تعمیر کیا جائے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو ایوب خالد بن زید انصاری کے مہمان بنے اور جب مسجد اور گھر تعمیر ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر سے وہاں منتقل ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے ماموں بنو النجار والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قرب اور پڑوس سے اس قدر خوش تھے کہ جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور بنو النجار کی بچیاں ہر وقت خوشی و سرور کے اظہار میں لگی رہتی تھیں اور بار بار وہ اشعار پڑھتی رہتی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔

ہم بنو النجار کی لڑکیاں ہیں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتنے اچھے پڑوسی ہیں

دن اور مہینے گذرتے رہے اور اس اثناء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم اور مہاجرین کے لئے حالات پرسکون و درست ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال کو مکہ سے مدینہ منورہ بلوا لیا۔ اسی طرح آپ کے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اہل و عیال اور رشتہ داروں کو مدینہ منورہ بلوا لیا اس طرح مکہ سے مسلمان حضرات اپنے بچوں اور عورتوں کو مدینہ منورہ لے آئے البتہ اپنے مال و دولت اور ساز و سامان کا بہت تھوڑا سا حصہ اپنے ساتھ مدینہ منورہ لا سکے۔

لیکن مدینہ منورہ کے انصار نے مکہ کے مہاجرین کے لئے اپنے گھروں کو کھول دیا اور ——— اپنے مال و دولت کو ان پر اس طرح دل کھول کر خرچ کیا جس سے ان کے لئے ضروریات زندگی کا مہیا کرنا آسان ہو گیا اور وہ اس قابل ہو گئے کہ اپنی ضروریات کے لئے اپنے بل بوتے پر کام کاج کر سکیں۔

لہٰذا بعض نے تجارت شروع کر دی، بعض نے انصار کی زمینوں میں کھیتی باڑی اور کاشت شروع کر دی اور اس طرح مہاجرین مجاہدین نے اپنی معاشی زندگی کی بنیاد ڈالی اور اپنی اولاد اور خاندان والوں کے لئے از سر نو مکانات بنا لئے۔

لیکن جو مہاجرین غریب و مسکین اور ضرورت مند تھے اور ان کے حالات ایسے نہ تھے کہ وہ کچھ کام کر سکیں یا گھر بار بسا سکیں تو ان کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مالوں میں اتنا حصہ مقرر کر دیا جس سے

وہ زندگی گذار سکیں اور ان کے رہنے کے لئے مسجد کا ایک حصّہ مقرر کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمدہ اور بہترین تدبیر یہ اختیار کی کہ آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارگی اور اخوت قائم کر دی لہذا ہر مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا اور اس طرح مسلمانوں میں یہ بھائی چارگی اور اخوت کی فضا اللہ کے لئے قائم ہو گئی اور سب بھائی بھائی بن گئے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ دل ایک دوسرے سے مانوس اور متفق ہو جائیں اور دو آدمیوں کی ایسی مثال ہو جائے جیسے ایک سانس دو شخصوں میں ایک روح دو جسموں میں ہر ایک اپنے ساتھی کے لئے وہی پسند کرتا تھا جو اپنے لئے پسند کرتا تھا اور اپنے بھائی کے لئے اسے بہتر سمجھتا تھا جسے اپنے لئے اچھا سمجھتا تھا۔

پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور یہود کے درمیان صلح کرائی تاکہ تمام اہل مدینہ متحد ہو جائیں اور مدینہ تقسیم اور ویران نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہود سے ایک تحریری معاہدہ ہوا، جس میں آپ نے انہیں ان کے مذہب اور ان کے مال و جائیداد پر برقرار رکھا تھا۔ اور جنگ کے لئے ان کو مسلمانوں کے مساوی کر دیا تھا۔ چنانچہ جس طرح مسلمان خرچ کرتے ان کو بھی خرچ کرنا پڑتا اور جس طرح مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملتا اس طرح وہ بھی مالِ غنیمت کے حقدار ہوتے۔

وہ یہود جو یہ اقرار کیا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ نبی ہیں

جن کا تذکرہ ان کی کتابوں میں ہے وہ آپ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے علی بصیرۃ اس بات کو جان لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ کے وہ رسول ہیں جنہیں اللہ تعالے نے اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ آپ اس حق کی جانب لوگوں کی رہنمائی کریں جس سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ دور ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی اکثر یہودی اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانیں تاکہ یہ نیا دین اسلام ان کے دین پر غالب نہ آجائے اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا استقبال اور ان سے صلح صرف اس امید پر کی تھی کہ وہ ان مسلمانوں کو اپنی صفوف میں شامل کر لیں گے اور ان کو اپنا ہم مذہب بنالیں گے تاکہ اس کے ذریعہ سے یہودیت کو تقویت ملے اور وہ عیسائیت پر غالب آکر اس کو روئے زمین سے مٹادے۔

یہود پہلے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کا ایک طویل عرصہ سے انتظار کر رہے تھے اور جہاں آپ کو مبعوث ہونا تھا اس میں آکر مقیم ہو رہے تھے تاکہ آپ کے ذریعہ قوت و طاقت حاصل کر کے عیسائیت اور عیسائیوں پر غلبہ حاصل کریں لیکن جب آپؐ تشریف لائے اور انہوں نے دیکھا کہ آپؐ ایسے نئے دین کی دعوت دے رہے ہیں جس کی تعلیمات ان کے دین کی تعلیمات سے مختلف ہیں تو انہوں نے اس دین کو پسند نہ کیا اور اس پر خاموشی کو بُرا سمجھا۔

اس وجہ سے یہود دسیسہ کاری اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف لڑانے میں مشغول ہو گئے اور پھر مسلمانوں اور مدینہ کے مشرکین کو آپس میں لڑانا چاہا جس کے لئے انہوں نے منافقین کو اپنا عمدہ معاون پایا جو ان کی باتیں بغور سنا کرتے تھے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں لگے رہتے تھے لیکن آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے والے مسلمانوں نے ان کو اس سے روکا اور ان کی بات کی طرف قطعاً توجہ نہ دی اور اپنے دین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھلائی کے لئے جو کچھ بھی ان کی طاقت میں تھا وہ کرتے رہے۔

۱۰

منافقت

((وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ))

(البقرۃ - ۸۹)

اور جب پہنچی ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب جو سچا بتاتی تھی اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر۔ پھر جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے۔ سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرمایا جس میں مدینہ منورہ کے یہودیوں پر ان کے کفر و نفاق اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسولؐ کی تکذیب اور جھٹلانے اور ان سے لڑائی جھگڑا کرنے پر اس لئے لعنت و ملامت کی گئی تھی کہ یہ یہود اس بات کو خوب جانتے

تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے وہ رسول ہیں جن کا تذکرہ ان کی کتابوں میں صاف صاف اوصاف کے ساتھ مذکور ہے حتیٰ کہ اس میں یہ تفصیل بھی درج ہے کہ آپ کہاں اور کس سرزمین میں مبعوث ہوں گے۔ وہ نبی جن کی تشریف آوری کا یہود ایک طویل عرصہ سے انتظار کر رہے تھے اور اپنے مشرک و کافر پڑوسیوں اور معاہدین اوس و خزرج کو ان کے نام سے ڈرایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ان کا کسی بات پر ان سے اختلاف ہو جاتا تھا تو یہ کہا کرتے تھے:

"دیکھو اللہ کے ایک نبی آنے والے ہیں ہم ان کی اتباع و پیروی کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں اس طرح قتل کریں گے جیسے عاد و ارم کو قتل کیا گیا۔"

اللہ تعالیٰ نے جس وقت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل فرمائی یہود اس وقت سے اس بات سے باخبر تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے والے ہیں، وہ آپ کے اوصاف و صفات اور آپ کے مبعوث ہونے کی جگہ اور زمانے سے بھی واقف تھے اور وہ نہایت بے چینی اور بے قراری سے آپ کی بعثت کے منتظر و مشتاق تھے۔ اور انہوں نے پختہ ارادہ کیا ہوا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ ملالیں گے تاکہ وہ ان کے دین کی دعوت دیں گے اور ان کے ہمنوا رہیں، اس

نظریہ کی وجہ سے جزیرہ عرب ان کا پسندیدہ و مرغوب مقام تھا اور ان کو اپنے علاقوں اور ملکوں میں جہاں وہ رہا کرتے تھے۔ اگر کوئی تکلیف یا پریشانی ہوتی تو فوراً جزیرہ عربیہ کی طرف ہجرت کرتے تھے۔

سد مارب کے گر جانے کے خوف سے یمن سے بنو کہلان کی ایک جماعت یہود کے پڑوس میں مقیم ہو گئی اور پھر وہ لوگ جزیرہ کے اطراف میں پھیل گئے۔ یہود اوس و خزرج کے ساتھ رہا کرتے تھے اوس و خزرج دو بھائی تھے ان کی نسل بڑھی ان سے مختلف خاندان بنے اور پھر وہ اوس و خزرج نام کے دو بڑے قبیلے بن گئے اور یہود مدینہ کے پڑوس میں مقیم ہو گئے اور ان سے دوستی معاہدہ اور پڑوس کے خواہاں بن گئے۔

مدینہ کے یہودیوں نے اوس و خزرج کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور ان کے ہجرت کر کے آنے کو بڑی خوشی سے برداشت کیا لیکن انہوں نے اوس و خزرج کو مدینہ کی ان سرسبز و شاداب زرخیز زمینوں میں سے کچھ نہ دیا جو وہ کاشت کرتے تھے اور باغ لگاتے تھے بلکہ انہوں نے انہیں بنجر اور غیر آباد زمینیں حوالہ کیں جن کو آباد کرنے کے لئے وہ سخت مصائب جھیلتے تھے، کچھ اوس و خزرج والوں کو ان یہودیوں نے اپنا ملازم اور خادم بنا لیا تھا۔

وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ اوس و خزرج والوں کے ہاں اولاد میں اضافہ ہوتا رہا اور وہ تعداد میں بڑھتے گئے۔ اس کثرت کو دیکھتے

ہوئے یہود ڈرنے لگے اور ان پر یہ خوف سوار ہو گیا کہ اوس و خزرج باہمی
مل کر ان پر حملہ نہ کر دیں۔ اس لئے یہودیوں نے دسیسہ کاریاں شروع کر
دیں اور اوس و خزرج کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے مواقع تلاش کرنے
لگے اور اس طرح چچازاد بھائیوں میں دشمنی شروع ہو گئی جو بغض و حسد
میں تبدیل ہوتی رہی اور پھر آپس میں جنگیں اور لڑائیاں شروع ہو گئیں اور
ہر جماعت دوسرے کے تباہ و برباد اور ختم کرنے پر تل گئی اور یہود ادھر
ایک جماعت سے مل جاتے اور ان کے ساتھی ہونے کا عہد کرتے، اور
دوسری طرف دوسری جماعت کے ساتھ معاہدہ کر کے اپنے آپ کو ان کا
ساتھی بتلاتے تاکہ دونوں جماعتوں کی قوت ختم ہو جائے اور ان کی بڑی
تعداد قتل ہو جائے اور اس طرح یہود کی وہ خواہش پوری ہو جائے جو وہ
اوس و خزرج کو چھوٹے گروہوں میں بانٹ کر ان کی قوت و طاقت کو
کمزور کرنا چاہتے تھے۔

اوس و خزرج اور یہود اسی طرح زندگی گذارتے رہے یہاں تک
کہ جب "یوم بعاث" در پیش آیا جو ایسی سخت قسم کی جنگ تھی جس کی
آگ سے اوس و خزرج دونوں بری طرح سے جل گئے حتیٰ کہ قریب تھا کہ
دونوں میں سے ہر فریق دوسرے کو نیست و نابود کر دے لیکن عین اس
موقع پر ان کی عقل درست ہوئی اور دونوں فریق ایک دوسرے سے

جنگ سے رک گئے۔ پھر یہ ہوا کہ خزرج کی ایک جماعت حج کے لئے مکہ مکرمہ
گئی اور وہاں ان کی ملاقات نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہوئی اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ساتھیو یہ تو وہی نبی ہیں جن
کی آمد سے یہود تم کو ڈرایا کرتے تھے لہٰذا ایسا نہ ہونے پائے کہ یہود تم سے
پہلے ان کے ہاتھ پر ایمان لے آئیں۔ یہ سوچ کر انہوں نے نہایت خوشی اور
پر امید لہجے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"ہم اپنی قوم کو ایسی حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ کوئی قوم بھی
ایسی نہ ہوگی جس میں آپس میں اتنا بغض و حسد و دشمنی ہو جتنی ہماری
قوم میں ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے ان میں اتفاق
و اتحاد پیدا کر دے گا۔ ہم اپنی قوم کے پاس جا رہے ہیں وہاں جا کر
ہم ان کو آپ کے پیش کردہ دین کی دعوت دیں گے۔

خزرج کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لاتے اور
اپنے مسلمان ہونے کی خبر لے کر مدینہ منورہ واپس لوٹا تاکہ اپنی قوم کو بھی
آپ پر ایمان لانے کی دعوت دے اور پھر کچھ زیادہ طویل عرصہ نہ گذرا تھا
کہ اوس و خزرج کے انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نصرت
کا وعدہ کر کے آپ کے مدینہ منورہ آنے کا نہایت شدت سے بے چینی
سے انتظار شروع کر دیا۔

نبی کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور جس طرح ان انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال نہایت خوشی اور مسرت سے کیا۔ اسی طرح کا اظہار یہودیوں نے بھی کیا۔ دونوں جماعتوں میں سے ہر جماعت یہ چاہتی تھی کہ آپ اسی کے ساتھ مل جائیں اور اس کو آپ کے ذریعے طاقت وقوت حاصل ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے معاہدہ اور صلح کی اور ان کو ان کے دین اور مال وجائیداد پر برقرار رکھا اور ان کو معاہدہ نامہ لکھوا دیا اور ان کے مقرب ہو گئے اور ان کے سرداروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوستانہ برتاؤ رکھا حتیٰ کہ ان کے روزہ رکھنے کے دن آپ نے بھی روزہ رکھا اور اپنے فریضۂ منصبی اور اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دینا شروع کر دی اور مسلمانوں کی مدد ونصرت کے لئے کام کرنے لگے لیکن بھلا یہود کیا اس کو پسند کرتے تھے؟!

کیا انہوں نے جس نبی کے بارے میں اپنی کتابوں میں پڑھا تھا اور اس کی بعثت کے ایک طویل عرصہ اور ایک زمانہ سے اس لئے منتظر تھے کہ جب وہ آئیں تو ان کو اپنے ساتھ ملا کر ان کے ذریعہ سے اپنے مخالفین، عیسائیوں وغیرہ پر فتح حاصل کرلیں اور جب وہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم مبعوث ہو کر تشریف لے آئیں تو وہ نبی ان کی دینی تعلیمات کے بجائے اپنے پیش کردہ دین کی تعلیمات کی طرف لوگوں کو دعوت دینے لگیں۔ اور اوس وخزرج ان کی تعلیمات کو مان کر اور ان کے دین کی پیروی کرکے ان کے ہاتھوں کو مضبوط کرنے لگیں۔ اس بات کو وہ یہودی برداشت کر سکتے تھے؟! ایسی صورت میں جبکہ وہ صاف دیکھ رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ دین میں اوس وخزرج یکے بعد دیگرے داخل ہو رہے ہیں اور آپ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور آپ کی پیش کردہ قرآن کریم کی ایسی آیات بینات کو بغور سنتے ہیں جو ان کے دلوں اور ذہنوں کو منور اور سینوں کو کھولتی ہیں۔ اس صورت حال میں یہودیوں کو کیا کرنا چاہیئے؟!

یہودیوں کو اوس وخزرج کے حالات کفر میں ان کے خلاف متحد ہو کر یکجا ہونے کا جو ڈر تھا اب اس سے زیادہ خوف ان پر طاری ہو گیا۔ اس لئے کہ جب اوس وخزرج مسلمان ہو کر ان کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو رہے تھے لہٰذا انہیں یہ ڈر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عروج کو پہنچتے پہنچتے مدینہ پر حکومت شروع کر دیں اور اس طرح ان کی سرداری اور بادشاہت ختم ہو جائے۔

یہود کے سروں پر ایک اور مصیبت یہ آن پڑی کہ جب نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں بعض یہودیوں کو بلا کر یہ پوچھ کر بتلاؤ:

حصین بن سلام کا تم میں کیا درجہ ہے اور وہ کیسے آدمی ہیں؟ ان سب نے کہا: وہ ہمارے سردار ہیں اور سردار زادے ہیں، ہمارے عالم اور دینی رہنما ہیں۔ ابھی ان کا یہ جواب پورا ابھی نہ ہوا تھا کہ حصین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمرے سے یہ کہتے ہوئے باہر نکلے:

اے یہود کی جماعت اللہ سے ڈرو اور جو دین تمہارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اسے قبول کرو اس لئے کہ بخدا تم اس بات کو خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، تم اپنے پاس تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہو۔ ان کا نام اور صفات دونوں مذکور ہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور میں ان پر ایمان لاتا ہوں۔

یہود اس اچانک پیش آنے والے واقعہ سے بہت پریشان ہوگئے لیکن فوراً ہی حصین کی تکذیب کرنے لگے اور ان کی بات جھٹلانے اور انہیں برا بھلا کہنے لگے اور ان کی رائے کو غلط بتلانے لگے۔ یہ سن کر حضرت حصین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں نے آپ کو بتلایا نہیں تھا کہ یہ یہود بڑی بہتان طراز قوم ہیں غدار اور بدکردار لوگ ہیں۔ حضرت حصین نے جو کچھ فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہود کے علماء میں سے تھے اور ان کو بھی یہود کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور بعثت کے زمانے کا بخوبی علم تھا۔ چنانچہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو اس وقت حصین کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کام کر رہے تھے۔ درخت کے نیچے ان کی پھپی خالدہ بیٹھی ہوئی تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے کی خبر ان کو ملی تو حضرت حصین نے نعرہ تکبیر بلند کیا، ان کے نعرہ تکبیر کو سن کر ان کی پھپی نے کہا: خدا تمہیں نامراد کرے، بخدا اگر تم حضرت موسیٰ بن عمران کی آمد کی خبر سنتے تو اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔

حصین نے ان سے کہا: پھپی جان! بخدا وہ حضرت موسیٰ بن عمران کے بھائی ہی ہیں اور ان ہی کے دین پر ہیں اور جو دین توحید وہ لے کر آئے تھے یہ بھی لے کر آئے ہیں۔ خالدہ نے کہا: بھتیجے کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ہمیں خبر دی جاتی رہتی تھی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، پھپی نے کہا: پھر تو ٹھیک بات ہے۔

حضرت حصین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اسلام قبول کر لیا اور پھر اپنے گھر والوں کے پاس آئے اور انہیں بھی اسلام لانے کا حکم دیا تو وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کو اپنی قوم سے پوشیدہ رکھا اور ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول یہودی بہتان طراز قوم ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ کے کمرہ میں چھپ جاؤں اور یہ

یہودی مجھے نہ دیکھ پائیں اور پھر آپ ان سے میرے بارے میں پوچھیں تا کہ
میرے مسلمان ہونے کی خبر سے پہلے وہ آپ کو بتلائیں کہ میں ان میں کیا بڑا درجہ
رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ اگر ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو وہ
مجھے برا بھلا کہیں گے اور مجھ پر بہتان لگائیں گے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کمرے میں چھپا دیا اور پھر
یہود کے بعض آدمیوں کو بلایا اور ان سے حضرت حصین اور ان میں ان کے
درجہ اور منزلت کے بارے میں پوچھا۔ چنانچہ پہلے تو انہوں نے ان کی خوب
تعریف و توصیف کی لیکن پھر جب ان کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو
انہوں نے ان کی مذمت شروع کر دی اور ان پر عیب لگانے لگے۔ اس
وقت حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے مسلمان ہونے
کا اعلان کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبد اللہ رکھ دیا۔ اس
واقعہ کے بعد یہود مکر و تدبیر میں لگ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ اور فوقیت سے یہود کو پہلے تو مدینہ
منورہ پر اپنی حکومت کے زوال اور سرداری کے ختم ہونے کا اندیشہ تھا۔
لیکن اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین و دعوت سے انہیں اپنے دین کے
زوال کا ڈر پیدا ہو گیا۔ یہود بخوبی جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے
بھیجے ہوئے رسول ہیں اور آپ حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی رسالت کی تکمیل کے لئے

دین اسلام لے کر آئے، یہود نے تورات میں جو تصحیف اور کمی بیشی کی ہے
اسے درست کرنے کے لئے آپ کو بھیجا گیا ہے۔ یہ سب کچھ جانتے بوجھتے بھی
انہوں نے نہ صرف آپ کی بات ماننے سے انکار کیا بلکہ آپ سے دشمنی کرنے
لگے اور آپ کو جھٹلانے پر تل گئے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے
نہایت چھچھوری حرکتوں اور بے وقوفی اور جہالت پر اتر آئے۔

بنو النضیر کے یہودیوں کا سردار حیی بن اخطب اور اس کا بھائی
ابو یاسر بھی انہیں لوگوں میں شامل تھا چنانچہ جب حیی اور ابو یاسر نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ آمد پر آپ کی ملاقات کے لئے نکلے، اور
آپ کی ملاقات و زیارت کے بعد رات کے وقت اپنے گھروں کو لوٹے تو
ان کی حالت یہ تھی کہ وہ اس طرح واپس ہوئے کہ وہ بڑی مشکل سے پاؤں گھسیٹ
گھسیٹ کر چل رہے تھے اور ان کے چہروں پر پریشانی اور بے چینی اور
تکدر کے اثرات تھے اور دونوں نہایت شدید پریشانی اور غم و فکر کی وجہ
سے خاموشی سے چل رہے تھے کہ اچانک ان کی خاموشی کو ابو یاسر کی آواز نے
ختم کر دیا اور وہ اس طرح کہ ابو یاسر نے اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہو کر بلند
آواز میں نہایت تعجب سے ہاتھوں کو جھٹکتے ہوئے یہ پوچھا۔ کیا یہ وہی نبی
ہیں۔ حیی نے جواب دیا: بخدا یہ وہی نبی ہیں۔

ابو یاسر نے پوچھا: کیا آپ نے ان کو پہچان لیا ہے اور آپ علی بصیرۃ

ہیں اور سوچ سمجھ کر یہ بات کہہ رہے ہیں؟

حیی نے جواب دیا: جی ہاں۔

ابو یاسر نے کہا: تو پھر آپ کا ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

حیی نے جواب دیا: بخدا میں تو جب تک زندہ رہا ان سے دشمنی رکھوں گا۔

آپ ہی بتلایئے بھلا بنو النضیر کے اس سردار کی گمراہی اور بے وقوفی سے بڑھ کر بھی کوئی بے وقوفی اور گمراہی ہو سکتی ہے؟! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں اکثر یہودیوں کا یہی طریقِ کار تھا، لیکن عیاری و مکاری کی وجہ سے وہ اپنے دل کے چور اور بغض و حسد کو مخفی رکھتے رہے لیکن وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ سے اپنی جاگیرداری اور حکومت پر اور آپ کی پیش کردہ دعوتِ دین سے اپنے دین کے زوال کا خوف ہر وقت ان کو کھاتے لگا اور واقعی بات بھی اس طرح تھی کہ ان میں سے حصین بن سلام اور ثعلبہ بن سعید اور اسید بن سعید اور اسد بن عبید نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی شروع کر دی تھی۔

اس صورت حال کے بعد یہود صبر نہ کر سکے اور ریاکاری کا پردہ چاک کر دیا اور کھلم کھلا میدان میں اتر آئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ شروع کر دیا۔ آپ کی رائے و دین کی مخالفت شروع کر دی

اس کو برا بھلا کہنے لگے اور جو یہودی مسلمان ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے لگے تھے۔ انہیں یہ لوگ یہ کہنے لگے کہ یہ تو بدترین قسم کے لوگ ہیں اس لئے کہ اگر یہ اچھے لوگ ہوتے تو ہرگز بھی اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو قبول نہ کرتے۔

یہودیوں نے ایک مکاری یہ بھی کی کہ ان کی ایک جماعت نے ریاکاری اور منافقت کے طور پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور اس طرح سے وہ مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو گئے اور مسجد نبوی میں آنے جانے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر جو قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتے تھے اور وحی کے ذریعہ آپ پر جو کچھ اترتا تھا وہ ان کو بتلاتے اور سمجھاتے تھے وہ یہودی بھی سننے لگے، اور اس طرح یہود کی جماعت کے ان منافقین کو یہ موقعہ ہاتھ آگیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی رسالت کے بارے میں حجت بازی کریں اور آپ کو اسی قسم کے سوالوں سے پریشان کریں جو مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے ہوں تاکہ اس تدبیر سے مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں اور اپنے نبی سے دور ہو جائیں جیسا کہ وہ مسلمانوں کی باتوں اور ان کی عبادت کا مذاق اڑانے سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ان لوگوں کی ان حرکتوں کو سمجھ گئے۔

چنانچہ یہ یہودی ایک دن مسجد نبوی میں سر جوڑے چپکے چپکے آپس میں کانا پھوسی

اور سرگوشیاں کر رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد سے نکال دینے کا حکم دے دیا جیسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقوں کے بارے میں یہ حکم دیا مسلمان نہایت غصہ اور غیظ کے عالم میں کھڑے ہوئے اور ان کو گردن سے پکڑ کر سختی سے کھینچنا شروع کر دیا اور ان کو مسجد سے باہر پھینک دیا۔ لیکن اس واقعہ سے بھی یہود کو عبرت نہ ہوئی اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر بھی بودے اور الٹے سیدھے سوالات کرنے لگے جن کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ ان کی طبیعت کا کمینہ پن اور مقصد و مطلب کی خباثت کا اظہار ہو۔

ایک روز ان یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ سوال کرتی ہوئی حاضر ہوئی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام مخلوق کو تو خدا نے پیدا کیا ہے۔ یہ تو بتلائیے کہ خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟

یہ سوال سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت غصہ آیا۔ آپ کا رنگ بدل گیا اور اپنے رب جل جلالہ کی عظمت کی وجہ سے آپ کو ان پر بہت غصہ آیا اور آپ کو شدید تکلیف پہنچی اور ان کو برا بھلا کہا، اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو خوش کرنے اور آپ کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل وحی آپ پر نازل فرمائی:

«قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ	آپ کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے۔

الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ	اللہ بے نیاز ہے، نہ کسی کو جنا،
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ»	ـــــ نہ کسی سے جنا گیا اور نہیں
(الاخلاص - ۱تا۴)	کوئی اس کے جوڑ کا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی جماعت کو جب یہ سورت پڑھ کر سنائی تو وہ کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذرا ہمیں بتلائیے تو کہ اللہ تعالیٰ کی شکل و صورت کیسی ہے اس کا ہاتھ کیسا ہے بازو کیسا ہے اس کی یہ باتیں سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس یہود قوم کی اس ڈھٹائی اور بے حیائی پر صبر نہ کر سکے اور آپؐ ان کو سخت و سست کہا اور غصہ کا اظہار فرمانے لگے ان کے اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل وحی نازل فرمائی۔

«وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ	اور نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے اور
وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ	ساری زمین قیامت کے دن اس کی
الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ	ایک مٹھی ہے اور آسمان اس کے داہنے
بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى	ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں، وہ پاک ہے
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ» (الزمر-۶۷)	اور بہت اوپر ہے اس سے کہ اس کا شریک
	بتلاتے ہیں۔

یہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس لئے آتے تھے تاکہ

آپ سے کہیں کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ آپ خود کہتے ہیں تو اللہ تعالٰی سے یہ کہیے کہ وہ ہم سے بات چیت کرے تاکہ ہم اس کی آواز سن سکیں، یا یہ کہتے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ سچ ہے کہ جو مذہب اور کلام آپ لے کر آئے ہیں۔ وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے بھیجا گیا ہے ہمیں تو یہ تورات کی طرح معلوم نہیں ہوتا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ سب کچھ آپ کو جن اور انسان نہیں سکھاتے ہیں؟!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جواب دیتے: بخدا تم لوگ خوب جانتے ہو کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعہ بھیجا گیا اور یہ بھی کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور یہ تمہارے یہاں تورات میں لکھا ہوا موجود ہے.

وہ جواب میں کہتے: ہم تو آپ کی تصدیق اس وقت تک —— نہیں کر سکتے جب تک کہ اللہ تعالٰی آسمان سے آپ پر ایسی کتاب نہ اتاریں جسے ہم پہچان نہ لیں اور پڑھ کر نہ دیکھ لیں.

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام انہیں کو نصیحت کرتے اور سمجھاتے رہتے تھے اور ان سے فرماتے تھے: اے یہودیوں کی جماعت اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو. اس لئے کہ بخدا تم یہ بخوبی جانتے ہو کہ جو مذہب و دین میں لے کر آیا ہوں وہ برحق ہے، لیکن وہ اس کا انکار کرتے تھے اور کہتے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو اس کو نہیں پہچانتے، یا یہ کہتے: اے محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین و ملت پر ہیں اور ہمارے یہاں جو کچھ تورات میں لکھا ہے کیا آپ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یہ شہادت نہیں دیتے کہ تورات اللہ کی کتاب ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرماتے: درست ہے لیکن بات یہ ہے —— کہ تم لوگوں نے اس تورات میں اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے اور اللہ نے تم سے جو عہد و پیمان لیا تھا اس کا انکار کر دیا ہے اور اللہ نے تمہیں جن چیزوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے کا حکم دیا تھا تم نے انہیں چھپا لیا ہے اس لئے میں تمہاری اضافہ کی ہوئی چیزوں سے بری و بیزار ہوں.

یہ سن کر وہ لوگ کہتے تھے. ہم تو اسی پر عمل کریں گے جو ہمارے پاس موجود ہے ہم ہدایت اور راہِ حق پر ہیں اس لئے ہم نہ آپ پر ایمان لائیں گے اور نہ آپ کی پیروی کریں گے۔

یہود کو یہ بات معلوم تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ نبی برحق ہیں جن کا تذکرہ ان کی کتابوں میں آتا ہے اور وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی اور پیغامات ہیں. اس سب کے جاننے کے باوجود یہود نے صرف اس پر اکتفا نہیں کی کہ انہوں نے صراحۃً کھلم کھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کی دین کی دعوت کو جھٹلایا بلکہ اس پر اضافہ یہ کیا کہ انہوں نے انصار و مہاجرین اور انصار میں آپس میں ایک

دوسرے کے خلاف دسیسہ کاری شروع کر دی۔ چنانچہ وہ ان انصار سے جو اللہ کا دیا ہوا مال اسلام اور اللہ کے راستہ اور ہجرت کرنے والے مسلمانوں پر خرچ کرتے تھے یہ کہا کرتے تھے: تم لوگ اپنا مال خرچ نہ کیا کرو ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں تم فقیر نہ ہو جاؤ اور خرچ و اخراجات میں جلدی نہ کیا کرو۔ اس لئے کہ تمہیں کیا پتہ کہ آئندہ چل کر کیا ہو گا؟!

بغض و حسد یہودیوں پر چھاتا چلا جا رہا تھا اور مہاجرین اور انصار کی باہمی الفت و محبت کو دیکھ کر ان میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور مسلمانوں میں جب بھی کوئی خوشگوار ماحول اور باہمی الفت و محبت کا مظاہرہ دیکھتے تو اس سے ان کے سینوں میں کینہ و حسد اور غیظ و غضب کی وجہ سے آگ لگ جاتی۔

ایک بوڑھا شاس بن قیس نامی یہودی اوس و خزرج سے تعلق والی انصار کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا۔ وہ لوگ ایک جگہ بیٹھے باتیں اور قصہ گوئی کر رہے تھے۔ اسلام نے ان کے تفرق اور اختلاف کو ختم کر کے ان کو اکٹھا اور یکجا کر دیا تھا اور ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا کر دی تھی۔ اس اتفاق اور محبت کو دیکھ کر اس یہودی کو بہت غصہ آیا اور وہ دل میں کہنے لگا: بنو قیلہ کی جماعت اس شہر میں اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھے گی، بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اس سے تو ہمارا سکون و قرار نیست و نابود

ہو جائے گا۔

وہ بوڑھا فوراً ایک نوجوان یہودی کے پاس گیا اور اس سے کہا: ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ اور یوم بعاث کے موقعہ پر اور اس سے پہلے جو ان کی آپس میں باہمی لڑائیاں اور اختلافات تھے اس کا تذکرہ کرنا اور کچھ وہ اشعار انہیں سنا دینا جو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے۔

یوم بعاث وہ دن تھا جس میں اوس و خزرج میں ایسی شدید جنگ شروع ہوئی تھی جس سے قریب تھا کہ یہ دونوں جماعتیں نیست و نابود ہو جائیں اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ وہ نوجوان یہودی اوس اور خزرج والوں کے پاس گیا اور وہاں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر ان کے ساتھ یونہی بیٹھا رہا۔ اور پھر اپنی آمد کے اصلی مقصد کی طرف لوٹا اور گفتگو کا رخ یوم بعاث کی طرف پھیر دیا۔

اس تذکرہ سے دونوں فریقوں کو پرانے واقعات یاد آگئے اور اس موقعہ پر ان کے شعراء نے جو فخریہ اشعار کہے تھے وہ اشعار اپنا مقام ظاہر کرنے کے لئے ایک دوسرے کو سنانے لگے اور دونوں میں سے ہر فریق اپنی بڑائی اور غلبہ کا ذکر کرنے لگا حتیٰ کہ دو آدمیوں میں یہ جھگڑا بڑھ گیا۔ ایک اوسی تھا اور دوسرا خزرجی اور دونوں نے ایک دوسرے سے کہا: اگر تم چاہو تو ہم دوبارہ لڑ سکتے اور میدان میں کود سکتے ہیں، دونوں جماعتوں کے

لوگ غصے میں آگئے اور کہنے لگے ٹھیک ہے مقابلہ ہو جائے۔

دونوں فریقوں نے لڑائی کے لئے ایک جگہ مقرر کر لی اور سب یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے: اسلحہ جمع کرو، اسلحہ سنبھال لو۔ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں۔ آپ نکلے اور آپ کے ساتھ مہاجرین کی ایک جماعت تھی۔ آپ اس جگہ پہنچ گئے جہاں اوس و خزرج جنگ کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔ آپ ان دونوں جماعتوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور انہیں سمجھانے اور نصیحت فرمانے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت اللہ سے ڈرو خدا کا خوف کرو کیا اسلام کا سیدھا راستہ پالینے اور دین اسلام سے مشرف ہونے کے بعد تم لوگ میرے ہوتے ہوئے بھی زمانہ جاہلیت کا اثر قبول کرتے ہوئے اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہو۔ اسلام نے تو تم سے زمانہ جاہلیت کی تمام باتیں ختم کر دی تھیں اور تمہیں کفر کی گندگیوں سے بچایا اور آپس میں الفت و محبت پیدا کی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ان مبارک کلمات کا لوگوں کے دلوں پر بہت اثر ہوا اور فوراً ان کو ہوش آ گیا اور عقل درست ہو گئی اور انہوں نے اپنی اس غلطی کو محسوس کر لیا اور سمجھ گئے کہ یہ جو کچھ بھی ہوا شیطانی دھوکہ اور بہکاوا تھا، لہٰذا وہ افسوس کی وجہ سے رونے

لگے اور اوس و خزرج کے افراد نے ایک دوسرے کو گلے سے لگا لیا اور خوشی خوشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اس جگہ سے واپس آئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن شاس بن قیس یہودی کو ذلیل و رسوا کیا اور اس کی مکر و تدبیر اسی کی طرف لوٹ گئی۔

مسلمانوں کو لڑانے کے لئے یہودیوں نے آپس میں جو سازشوں کے جال پھیلائے تھے ان میں سے ایک جال یہ بھی تھا کہ ان کے ایک فریق نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: چلو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر دن میں ایمان لے آتے ہیں اور رات کو ان کا انکار کر دیں گے تاکہ مسلمانوں کو ان کے دین کے بارے میں دھوکہ میں ڈال دیں اور ان کو شکوک میں مبتلا کر دیں تاکہ وہ بھی ہماری پیروی کرنے لگیں اور اس طرح اپنے دین سے روگردانی کر لیں، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی آیات نازل فرما کر ان یہودیوں اور منافقوں کی سازشوں سے آپ کو باخبر کر دیا۔

یہود نے صرف یہی کوشش نہ کی کہ مسلمانوں کو دین اسلام کے بارے میں شک و شبہ میں ڈال دیا جائے بلکہ اس سے بھی ایک ہاتھ آگے بڑھے اور اپنی دسیسہ کاری کا جال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک بچھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ یہود کے سرداروں اور معززین کی ایک جماعت آپ کی خدمت

میں حاضر ہوئی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ چھچھورے پن اور مکاری کے طریقوں سے آپ پر وار کریں۔ چنانچہ انہوں نے آکر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ ہم یہود کے بڑے عالم سردار اور معززین ہیں اور اگر ہم آپ کی پیروی کرلیں تو سب یہودی آپ کی پیروی کرنے لگ جائیں گے۔ کوئی بھی ہماری مخالفت نہیں کرے گا۔ ہماری اور ہماری قوم کے بعض افراد کے درمیان ایک جھگڑا ہے کیا ہم ان لوگوں کو آپ کے پاس بھیج دیں اور آپ حکم بن کر ہمارے حق میں اور ان کے خلاف فیصلہ کر دیں۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کرنے لگیں گے۔

یہ حرکت کتنی گندی اور کمینہ پن کی علامت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں اور بخوبی یہ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور سب کچھ جانتے بوجھتے آپ کو آزمانا اور رشوت دے کر آپ کو حق کی پیروی سے دور رکھنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کو راہِ حق سے گمراہی و باطل کی جانب لے جاسکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشکش ٹھکرادی اور ان کی اس بے وقوفی کی بات پر کان دھرنے سے انکار کر دیا۔

ایک روز یہود کی ایک جماعت آپ کے پاس آکر یہ کہنے لگی:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ سے پہلے جتنے رسول گذرے ہیں سب کے

سب بیت المقدس گئے ہیں اور وہیں مقیم ہوئے آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟! اور جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نازل فرمائی کہ نماز میں مسجد اقصیٰ کے بجائے مسجد حرام کی طرف منہ کیا کریں تو یہود نے اس پر اعتراض کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کہتے ہوئے آئے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پہلے جس قبلہ کی طرف آپ منہ کیا کرتے تھے اب اس سے آپ کو کس نے پھیر دیا ہے؟! آپ دوبارہ اسی قبلہ کی طرف منہ کرلیں تو ہم آپ کی اتباع شروع کر دیں گے اور آپ کی تصدیق بھی کرنے لگیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ ان باتوں سے ان کا مقصد مکر کرنا اور دھوکہ دینا ہے اللہ تعالیٰ کی جو وحی آپ پر نازل ہوتی تھی وہ آپ کو ان کی نیتوں اور اغراض پر مطلع اور باخبر کر دیا کرتی تھی۔ اس سب کے باوجود بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی صلح سے مایوس نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ ان سے نرم برتاؤ کرتے رہتے اور صلح و آشتی کے خواہاں رہتے انہیں کبھی نصیحت کرتے، کبھی اسلام کی طرف بلاتے لیکن وہ اپنی اس اکڑ تکبر مکر اور عناد دشمنی اور خبث میں مبتلا رہے بلکہ ان کے بعض افراد تو ایک ہاتھ اور آگے بڑھ گئے اور یہ کہنے لگے کہ جس مذہب پر ہم قائم ہیں وہی درست اور ذریعہ ہدایت ہے۔ اس لئے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ بھی ہماری اتباع کیجئے تاکہ آپ بھی ہدایت پالیں۔

اوس وخزرج کے مسلمان ان یہودیوں سے کہا کرتے تھے: اے یہودیوں کی جماعت اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ۔ اس لئے کہ تم اللہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم پر فتح مانگا کرتے تھے اور اس وقت ہم مشرک تھے تم لوگ ہمیں بتلایا کرتے تھے کہ وہ نبی آنے والے اور مبعوث ہونے والے ہیں اور ان کے اوصاف ہمارے سامنے ذکر کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اس کا جواب یہ دیا کرتے تھے: ______ وہ کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم پہچانتے ہوں اور جس نبی کا ہم تمہارے سامنے تذکرہ کیا کرتے تھے یہ وہ نبی نہیں ہیں۔

یہود اسی طرح تکبر وانکار کرتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بالکل غلط اور جھوٹ طور پر انکار کرتے رہے۔ اور جس چیز کو وہ جانتے تھے اور جس پر ایمان رکھتے تھے اس کا انکار کرتے رہے۔ اس لئے ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور یہودیوں کے مابین جھگڑے کا بڑھنا اور بغض وحسد اور نوک جھوک کا واقع ہونا لازمی امر تھا۔

ایک روز واقعہ یہ ہوا کہ جہاں یہودی اپنی کتاب پڑھا کرتے تھے وہاں حضرت ابو بکر صدیق تشریف لے گئے۔ وہاں یہودیوں کے عالم اور پادریوں میں سے ایک شخص موجود تھا جسے فنحاص کہا جاتا تھا اس کے

پاس یہود کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی اور وہ انہیں پڑھا رہا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فنحاص کو اسلام کی دعوت دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی ترغیب دی تو فنحاص نے کہا۔

اے ابو بکر بخدا ہم اللہ کے محتاج نہیں ہیں وہ ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس کی طرف اس تضرع اور عاجزی سے پیش نہیں آتے جس سے وہ پیش آتا ہے ہم اس سے بے نیاز ہیں وہ ہم سے بے نیاز نہیں اگر بالفرض وہ ہم سے بے نیاز ہوتا تو ہم سے ہمارے مال اس طرح قرض نہ مانگتا جس طرح آپ کے ساتھی کہا کرتے ہیں۔ اللہ تم کو تو سود سے منع کرتا ہے اور خود ہمیں دیتا ہے اگر بالفرض وہ ہم سے بے نیاز ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ باوجود نرم مزاج خوش اخلاق اور نرم طبیعت ہونے کے یہ سن کر غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور فنحاص پر ٹوٹ پڑے اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کر کے یہ فرمانے لگے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہمارے اور تمہارے درمیان عہد اور معاہدہ نہ ہوتا تو اے خدا کے دشمن میں تیری گردن اڑا دیتا، فنحاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر سے پوچھا:

اے ابو بکر آپ نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا باعث کیا تھا؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اس اللہ
کے دشمن نے بہت بری بات کہی تھی کہہ رہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار
ہیں اس وجہ سے اللہ کے لئے مجھے اس پر غصہ آیا اور میں نے اس کے تھپڑ
رسید کر دیا۔ فنحاص نے حضرت ابوبکر کی بات کی یہ کہہ کر تردید کی کہ میں نے تو
یہ کہا ہی نہیں، اللہ تعالٰے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی آیات
نازل فرما کر فنحاص کے جھوٹ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سچ ہونے کی
تصدیق کر دی۔

یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی جھگڑا مار پیٹ برا بھلا کہنے
کا یہ سلسلہ چلتا رہا جو عام طور سے مقدمہ کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے روبرو پیش ہوتا اور آپ اس صورت میں صحیح اور انصاف والا فیصلہ
فرما دیتے تھے۔ ایک دن دو فریقین آئے۔ یہودی ایک مسلمان کی شکایت
لے کر آیا۔ موضوع یہ تھا کہ دونوں آپس میں جھگڑ پڑے تھے۔ ایک دوسرے
کو برا بھلا کہا تھا۔ مسلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر کرتے ہوئے
کہا تھا؛ قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم میں
سے منتخب فرمایا؛ یہودی نے کہا؛ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام
کو تمام عالم سے منتخب فرمایا؛ یہ بات سن کر مسلمان نے اس یہودی کے تھپڑ
رسید کر دیا اور یہودی اس مسلمان کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس لے کر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان سے فرمایا:

مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔ اس لئے کہ قیامت کے روز
تمام آدمی بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں
گا اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو کیا دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
عرش کے کنارے کو پکڑے کھڑے ہوئے ہیں۔ . . . سبحان اللہ اے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا عدل و انصاف اور سچائی کتنی اعلیٰ اور عظیم ہے!!

نجران کے عیسائیوں کو جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلنے کا علم ہوا
تو انہوں نے ساٹھ آدمیوں پر مشتمل اپنا ایک قافلہ وہاں بھیجا تاکہ اس
نئے دین کے بارے میں تحقیقات کریں جو پھیل رہا ہے اور ان مبعوث
ہونے والے نبی کی زیارت کریں۔ اس وفد میں نجران کے تین نہایت
معزز و شریف آدمی تھے۔ عبدالمسیح نجران کا امیر و سربراہ اور ایہم ان کا
مشیر اور ابو حارثہ بن علقمہ جو ان کا پوپ اور عالم تھا اور مدارس کا نگران
تھا، عیسائیت کی کتابیں پڑھ چکا تھا اور دینی علوم میں کمال رکھتا تھا۔ روم
کے بادشاہ نے اس کا خوب اکرام و اعزاز کیا تھا۔ اس کے لئے گرجے بنائے
تھے مالی امداد کی تھی اس لئے کہ ان کو معلوم تھا کہ یہ عیسائیت کے لئے
بہت محنت اور کوشش کرتا ہے۔

اس طرح مدینہ منورہ میں تین آسمانی کتاب والے دین جمع

ہو گئے، ایک مرتبہ مجلسیں منعقد کی گئیں جو ان ادیان کے بارے میں بحث ومباحثہ کریں اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نجران کے عیسائیوں کے وفد کے سربراہوں اور یہودیوں کے بڑے لوگوں سے ملے اور ہر ایک نے اپنے دین کے بارے میں بات چیت کی، خوب بحث ومباحثہ اور مناقشہ ہوتا رہا حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو یہودیوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں؟! عیسائیوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ہم سے یہی چاہتے ہیں اور اس کی دعوت دے رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا مجھے اس سے بچائے کہ میں خدا کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی دعوت دوں یا میں خود کسی اور کی عبادت کروں۔ اللہ نے نہ مجھے اس کے ساتھ مبعوث کیا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا حکم دیا ہے۔ یہ سن کر یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا:

آپ کون سے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو حضرت ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب واسباط وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام پر نازل کیا گیا اور اس سب پر جو انبیاء کرام

علیہم السلام کو اپنے رب کی طرف سے دیا گیا ہے ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے ہم تو اللہ کے ہر حکم کے سامنے گردن جھکانے والے ہیں۔

یہ سن کر ان لوگوں نے کہا کہ جب آپ اس کی تصدیق کر رہے ہیں جس پر ہم ایمان لائے ہیں تو پھر آپ ہم پر نکیر اور اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بات یہ ہے کہ تم لوگوں نے اپنی کتابوں میں تحریف اور تبدیلی کی ہے۔

یہود نے کہا: ہم تو اس پر ایمان لائیں گے جو ہمارے پاس موجود ہے اور ہم حضرت موسیٰ پر ایمان رکھتے ہیں:

عیسائیوں نے کہا: ہم بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے پاس موجود ہے اور ہم حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم تو صرف ایک اس خدا کی عبادت کرتے ہیں جو ایک اکیلا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اس لیے اے اہل کتاب تم بھی مسلمان ہو جاؤ، اس لئے کہ میں تمہارے پاس وہی توحید اور دین کی دعوت لے کر آیا ہوں جو حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اور ان سے پہلے گذرے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے۔

یہود نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تو اس بات کو نہیں مانتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بعد کسی انسان پر کوئی وحی یا کتاب نازل فرمائی ہو، ہم نہ تو آپ کو مانتے ہیں اور نہ عیسیٰ ابن مریم کو مانتے ہیں اور نہ ان کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور ان پر اللہ کی نازل کی گئی کتابوں پر ایمان نہ لانے اور اللہ کے نازل کئے ہوئے احکامات میں سے بعض میں تحریف اور بعض کے چھپانے کی وجہ سے تم لوگ کافر ہو گئے ہو۔

عیسائیوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تو آپ سے پہلے مسلمان ہو چکے ہیں۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نجران کے وفد کے افراد اور ان کے سرداروں اور ہم مذہبوں کے پاس تشریف لے گئے اور حق کی سربلندی اور باطل کو ختم کرنے کے لئے آپ نے محنت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے پہلے گذرے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات جو آپ پر بذریعہ وحی نازل فرمائے تھے وہ ان کو بتلا دئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس دین کو لے کر آئے تھے اور اللہ نے ان پر جو کچھ نازل فرمایا تھا وہ بتلایا، نجران کے وفد والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث ومباحثہ کرتے اور لڑتے جھگڑتے رہے

اور اس پر مصر رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو ان کا عقیدہ ہے وہ حق ہے اور ان کے بارے میں جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ غلط ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عیسائیوں کو جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بتایا کرتے تھے اور جب پر عیسائیوں سے آپ کی بحث بھی ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے قول وفعل کے ذریعہ اس کا فیصلہ فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی درج ذیل آیات نازل فرمائی،،

«فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ»

(آل عمران - ۶۱)

پھر جو کوئی جھگڑا کرے آپ سے اس قصہ میں اس کے بعد کہ آچکی آپ کے پاس سچی خبر تو آپ کہہ دیں آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نجران کے وفد کو پڑھ کر سنایا تو وہ حیران ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے اور نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے مباہلہ کی صورت میں اللہ کی لعنت سے ہیبت زدہ اور اس کے عذاب سے خوف کھانے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

«قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ»	آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ ہم بندگی نہ کریں مگر اللہ کی اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ بنائے کوئی کسی کو رب اللہ کے سوا پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دیجئے گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

نجران کے عیسائیوں کے وفد نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سن کر اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث مباحثہ سے کنارہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں موقعہ دیجئے کہ ہم غور وفکر کریں پھر ہم آپ کو بتلادیں گے کہ جس چیز کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں۔ اس کے بارے میں ہمارا کیا خیال ہے۔ اور پھر جب تنہائی میں وہ آپس میں یکجا ہوئے تو اپنے امیر عبدالمسیح سے پوچھا: آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے ان کو جواب دیا کہ اے عیسائیوں کی جماعت بخدا تم سب

اس بات کو جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے نبی و رسول ہیں اور وہ تمہارے نبی کے بارے میں خدا کے پاس سے فیصلہ کن بات لائے ہیں۔ اور تم کو یہ معلوم ہی ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی قوم نے کبھی بھی کسی نبی سے مباہلہ کیا ہو اور پھر ان کے بڑے یا چھوٹے بچے، ہوں اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری بیخ کنی ہو جائے گی اور اگر تم ان کی بات ماننے سے انکار کرتے ہو اور اپنے سابقہ دین پر برقرار رہنے پر مصر ہو اور ان کو نبی نہیں ماننا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے صلح کر کے اپنے ملک واپس لوٹ چلو۔

چنانچہ سب نے یہ ہی فیصلہ کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رخصت ہو کر اپنے ملک واپس لوٹ جائیں چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہنے لگے۔ اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا خیال یہ ہے کہ آپ سے مباہلہ نہ کریں اور آپ کو آپ کے دین پر برقرار رہنے دیں اور ہم اپنے دین پر قائم رہیں، البتہ آپ اپنے صحابہ میں سے ایک ایسا آدمی ہمارے ساتھ بھیج دیں جسے آپ ہمارے ساتھ بھیجنا مناسب سمجھتے ہوں تاکہ وہ ہمارے درمیان مالی اختلافات میں فیصلہ کر دیا کرے۔ اس لئے کہ ہمیں آپ لوگوں پر پورا اعتماد ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح کو منتخب فرمایا اور وہ ان کے ساتھ چلے گئے تاکہ ان کے اختلافات اور مقدمات

کا فیصلہ کیا کریں۔ یہ لوگ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ابو حارثہ جو کہ نجران کے وفد میں سب سے بڑا عالم اور صاحب معرفت تھا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے بھائی سے جو اس وقت ساتھ ہی تھا یہ کہا: بخدا یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ہم جانتے ہیں۔

یہ سن کر ان کے بھائی نے حیرت سے ان سے پوچھا: جب تم ان کے بارے میں یہ بات جانتے ہو تو ان پر ایمان لانے سے تمہیں کیا چیز مانع ہے؟ ابو حارثہ نے جواب دیا: وہ تمام چیزیں رکاوٹ ہیں جو ہماری قوم ہمارے ساتھ کرتی ہے۔ اس ہماری قوم نے ہمیں اعزاز بخشا، مال و دولت دی، ہمارا اکرام کیا اور اب وہ سب اس نبی کا انکار کر رہے ہیں۔ اس لئے اگر میں ان کو مان لوں تو یہ ہم سے وہ سب کچھ چھین لیں گے جو تم ہمارے پاس دیکھ رہے ہو۔

کتنی تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ وہ لوگ بھی یہود کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور سچا ہونے کو بخوبی جانتے تھے لیکن دنیا کے فانی مال و دولت اور عیش و عشرت کے ختم ہونے کے ڈر سے آپ کی دعوت پر لبیک کہنے سے رکے رہے اور اپنی حکومت اور جاہ و مرتبہ کے باقی رکھنے کے لئے انہوں نے آپ کی نبوت و رسالت سے اعراض کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ابو حارثہ کے بھائی کے دل میں اپنے بھائی کی بات اثر کر گئی اور ذہن نشین ہو گئی چنانچہ کچھ دنوں بعد وہ اسلام لے آئے اور سچے پکے مسلمان بنے۔

١١

جہاد کی ابتداء

«وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ»

(البقرة - ١٤)

اور جب وہ ملاقات کرتے مسلمانوں سے تو کہتے ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ہنسی کرتے تھے۔

اوس و خزرج کے منافقین جب مسلمانوں کے سامنے آتے تو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے اور جب مسلمانوں سے جدا ہوتے اور اپنے منافق ساتھیوں یا کافروں کے ہمراہ ہوتے تو آپس میں اس طرح کی بات کرتے تھے کہ ہم تو ان مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہی ہیں۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ صرف مدینہ کے یہودی ہی منافقت نہیں کرتے تھے بلکہ نفاق میں ان سے بھی ایک ہاتھ آگے اوس و خزرج کی ایک جماعت تھی جو ان یہودیوں سے زیادہ منافق اور دھوکہ باز تھے جو ظاہر کچھ کرتے تھے اور اندر سے کچھ اور تھے۔

اوس وخزرج میں ایسے لوگ شروع سے ہی موجود تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دل سے ایمان نہیں لائے تھے بلکہ اپنے کفر وشرک اور گمراہی پر برقرار تھے اور یہ لوگ اپنی قوم کو مسلمان ہوتے دیکھ کر نفاق اور ریاکاری کے لئے اسلام قبول کرتے تھے۔ جو لوگ شرک وگمراہی پر برقرار تھے ان کا سردار ابو عامر بن صیفی اور منافقین کا سربراہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔

ابو عامر اوس کے معززین میں سے تھا اور اپنی قوم کا سردار تھا اور لوگ اس کی بات سنتے اور اس کی اطاعت کیا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور ابو عامر نے دیکھا کہ اس کی قوم والے نہایت تیزی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر رہے ہیں اور آپ کی نبوت پر نہایت بے صبری سے ایمان لا رہے ہیں تو وہ یہ صورت حال دیکھ کر مدینہ میں ٹھہر نہ سکا اور اپنے کچھ پیروکاروں کے ساتھ مکہ مکرمہ چلا گیا۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن زیادہ تھے اور ان کی عداوت زوروں پر تھی، وہاں جا کر اس نے عداوت ودشمنی کی آگ کو اور بھڑکانا شروع کر دیا۔

خزرج کے سرداروں میں سے ایک شخص عبداللہ بن ابی تھا۔ اس کو اپنی قوم میں ایک خاص مرتبہ اور ایسی عزت ومنزلت حاصل تھی جو قوم میں اور کسی کو حاصل نہیں تھی۔ اوس وخزرج دونوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کو متفقہ طور پر اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ اس کی حکومت میں رہیں اس سے

فیصلہ کرائیں اور اس کی نگرانی میں اپنے آپ کو متحد کر لیں اس لئے کہ ان کی آپس کی لڑائیاں اتنی بڑھ چکی تھیں کہ قریب تھا کہ وہ نیست ونابود ہو جائیں اور ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں دفن ہو جائیں۔ اوس وخزرج نے یہ فیصلہ اس وقت کیا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف نہیں لائے تھے اور اس وقت تک اوس وخزرج آپ کے پیروکار بھی نہ بنے تھے۔ نہ انہوں نے آپ کی مدد ونصرت کا عہد کیا تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور اوس وخزرج نہایت سرعت سے آپ کی دعوت ایمان کو قبول کرنے اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے لگے تو یہ دیکھ کر عبداللہ بن ابی بھی بہ دل ناخواستہ مجبوراً اسلام میں اس لئے داخل ہو گیا کہ اس کی قوم کے اکثر افراد اسلام قبول کر چکے تھے اور اس سے ہٹنے پر ہرگز تیار نہیں تھے۔ اس عبداللہ نے زبان سے تو ایمان کا اظہار کیا لیکن اس کے دل میں نفاق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بغض اور حسد بھرا ہوا تھا۔ اس لئے کہ وہ یہ بات ہرگز نہیں بھلا سکتا تھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف نہ لاتے تو وہ اوس وخزرج کا بادشاہ اور ان سب کا سردار ہوتا۔

اس طرح سے عبداللہ بن ابی ان منافق لوگوں کا سردار تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا زبانی تو اظہار کرتے تھے اور آپ کے صحابہ

کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا مظاہرہ کرتے تھے لیکن وہ اندر سے دل میں نفاق چھپائے ہوئے تھے۔ دل ہی دل میں بغض و حسد رکھتے تھے جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف و پریشانی ہوتی تھی اور مسلمانوں کو ان کی وجہ سے ضرر و نقصان پہنچتا تھا۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک بیمار انصاری صحابی حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، آپ ایسے گدھے پر سوار تھے جس کی پالان پر روئی کے بنے ہوئے کپڑے کو ڈالا گیا تھا۔ آپ کے پیچھے حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہ سوار تھے۔ راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر عبداللہ بن ابی پر ہوا جو اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ کے بلند قلعوں میں سے ایک قلعہ کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مناسب خیال نہیں کیا کہ ان لوگوں کے پاس سے سواری پر بیٹھے بیٹھے گذریں اس لئے آپ سواری سے اتر گئے۔ اور اس جماعت کا رخ کیا ان لوگوں کو سلام کیا اور تھوڑی دیر کے لئے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اور قرآن کریم کی کچھ تلاوت کی۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر خیر کیا اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی اور مومن ہونے والوں کو اللہ کی رضامندی کی بشارت دی اور نفاق سے کام لینے والوں کو اللہ کے غضب سے ڈرایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ فرماتے رہے اور

عبداللہ بن ابی خاموش بیٹھا باتیں سنتا رہا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو سے فارغ ہوئے تو عبداللہ بن ابی نے آپ سے کہا:

اگر واقعی آپ کی باتیں سچ ہیں تو ان سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی اس لئے آپ اپنے گھر میں بیٹھئے اور جو شخص آپ کے پاس آئے اس کو یہ باتیں سنا دیا کریں اور جو آپ کے پاس نہ آئے اس کو آپ یہ باتیں سنا کر تنگ نہ کیا کریں اور اس کی مجلس میں ایسی باتیں نہ کیا کریں جو اس کو پسند نہ ہوں۔

یہ بات سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ جو پکے سچے مسلمان تھے۔ عبداللہ بن ابی کی بات کی تردید کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گویا ہوئے: آپ ہمارے پاس تشریف لایا کیجئے ہماری مجلسوں گھروں اور مکانات میں تشریف لایا کریں۔ بخدا ہمیں یہ بات بہت پسند ہے اسی کی وجہ سے اللہ نے ہمیں عزت و ہدایت دی ہے۔

اس مجلس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رخصت ہوئے تو آپ کے چہرہ مبارک پر عبداللہ بن ابی کی بات کا گہرا اثر تھا۔ چنانچہ جب آپ سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے اسے محسوس کر لیا اور آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول بخدا مجھے آپ کے چہرے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خلاف طبع بات ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: جی ہاں اور پھر عبداللہ بن ابی کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی وہ بتلا دی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول اس کے ساتھ نرمی کریں اس لئے کہ بخدا جب اللہ تعالےٰ نے آپ کو ہمارے پاس بھیجا تو اس وقت ہم اس کی تاجپوشی کے لئے موتی پرو رہے تھے اس لئے وہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس سے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔

مسلمان اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حسد رکھتے ہیں اور آپ کی رسالت اور دین کو جو جھٹلاتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ محض ذاتی مصلحت اور دنیوی مال و منفعت ہے۔ کچھ بہت سے منافقین ایسے بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچایا کرتے تھے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے درپے رہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ ان کے ارادوں اور مکر و تدبیر سے آگاہ کر دیا کرتے تھے۔
ان منافقین میں سے سب سے زیادہ تکلیف پہنچانے والا شخص نبتل بن الحارث تھا جو اتنا موذی تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیاری اور گمراہی و ضلال کو اس طرح تعبیر کیا کرتے تھے۔

"جو شخص شیطان کو دیکھنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ نبتل بن الحارث کو دیکھ لے"۔

سوید بن الصامت کے بیٹے جلاس اور حارث بھی ان منافقین میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی آیات نازل فرمائی تھیں جن میں آپ کی اس جانب رہنمائی کی گئی تھی کہ آپ کو کیا فیصلہ کرنا چاہیئے اور کیا حکم دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بارے میں جو آیات نازل فرمائیں ان کا باعث یہ تھا کہ ایک دن جلاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر اپنے گھر لوٹا اور گھر جا کر اپنے بستر پر لیٹ گیا اور کہنے لگا کہ اگر یہ صاحب سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہوں گے۔ یہ بات عمیر بن سعد نے سن لی جو جلاس کی بیوی کا بیٹا تھا اور اس نے جلاس کی گود میں پرورش پائی تھی اور اسی کے گھر میں پلا بڑھا تھا اور وہ پکا مسلمان اور سچا مومن تھا۔ وہ یہ بات سن کر خاموش نہ رہ سکا اور جلاس سے جلدی سے کہنا شروع کر دیا۔

اے جلاس آپ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں اور آپ کے مجھ پر سب سے زیادہ احسانات ہیں اور مجھے یہ قطعاً پسند نہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچے لیکن آپ نے ایسی بری بات کہی ہے کہ اگر میں آپ کی شکایت کر دوں تو آپ رسوا ہو جائیں گے اور اگر میں اس پر سکوت و خاموشی اختیار کر لوں تو میرا دین تباہ ہو جائے گا اور میں برباد ہو جاؤں گا اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بات کا برداشت کرنا میرے لئے زیادہ آسان ہے۔

یہ کہہ کر عمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور جلاس کی زبان سے جو کچھ سنا تھا وہ آپ کو بتلا دیا تاکہ آپ جلاس کے نفاق سے باخبر اور اس بدباطن پر مطلع رہیں۔ جلاس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس بات کی تردید کی اور عمیر نے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا تھا، اس کی نفی کی اور اپنی سچائی اور برأت پر خدا کی قسم کھائی اور بار بار یہ کہنے لگا کہ، عمیر مجھ پر جھوٹا بہتان باندھ رہا ہے۔ عمیر نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے ہرگز بھی نہیں کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر وحی کے انتظار میں خاموش رہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی۔

«یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِھِمْ وَھَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا وَمَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَکُ خَیْرًا لَّھُمْ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَا لَھُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ ہم نے نہیں کہا اور بے شک کہا ہے انہوں نے کفر کا لفظ اور منکر ہو گئے مسلمان ہو کر اور قصد کیا تھا اس چیز کا جو ان کو نہ ملی اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو دولتمند کر دیا۔ سو اگر توبہ کر لیں تو بھلا ہے ان کے حق میں اور اگر نہ مانیں گے تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا دنیا اور آخرت

وَّلَا نَصِیْرٍ» (التوبہ ـ ۷۴)

میں اور نہیں ان کا روئے زمین پر کوئی حامی اور نہ مددگار۔

جلاس کی حقیقت حال ان آیات نے واضح کر دی اور آپ کو اس کی منافقت اور بدباطنی کا علم ہو گیا اور عمیر کی سچائی ظاہر ہو گئی اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ جلاس جھوٹا ہے۔ جلاس کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات نازل فرمائی ہیں اور توبہ اور استغفار کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے اس کی مغفرت کا وعدہ کیا ہے چنانچہ وہ توبہ و استغفار کرتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سچی پکی توبہ کر لی اور پکا مسلمان بن کر بہت سے اچھے کام کیے۔

لیکن ان کا بھائی حارث بن سوید پھر بھی منافق ہی رہا اور پھر مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا گیا۔ پھر اپنے بھائی جلاس کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اس کی توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ دوبارہ اپنی قوم کے پاس واپس آسکے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درج ذیل وحی نازل فرمائی۔

«کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ وَشَھِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَاءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ

کیوں کر راہ دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے ایمان لا کر اور گواہی دے کر کہ بے شک رسول سچا ہے اور آئیں ان

«وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ» کے پاس روشن نشانیاں اور اللہ راہ
(آل عمران - ۸۶) نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔

اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی توبہ کو قبول نہیں فرمایا جو اسلام لاکر مرتد اور مومن ہوکر کافر بنے اور ایسا شخص جس نے شہادت دی ہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے کھلی ہوئی نشانیاں لائے ہیں ایسے شخص کی توبہ کو اللہ تعالیٰ نے نامنظور فرمادیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کی مکاری اور عیاری اور نفاق وگمراہی کے اس طرح کے بہت سے واقعات سے تکلیفیں پہنچا کرتی تھیں۔ لیکن اس کی وجہ سے آپ دین کی تبلیغ اور مسلمانوں کی بھلائی وخیرخواہی والے کاموں سے ہرگز نہ رُکتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ایام میں اپنا اکثر وقت مسجد میں گذار کر مسلمانوں کو دین کی تعلیم دیا کرتے تھے اور ان پر یہ واضح کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دین میں کتنے اچھے احکام اور کیسی عمدہ تعلیم پیش کی ہے جو مسلمانوں میں بھائی چارگی کی دعوت دیتی ہے۔ آپس میں الفت ومحبت تعاون وباہمی اتحاد پر ابھارتی ہے اور یہ بتلاتی ہے کہ ان کے مخلص مومن بننے کے لئے انہیں کیا طریقہ اپنانا اور کیا کرنا چاہیئے اور اللہ کی رضا وخوشنودی

اور اس کی رحمت وعفو کو حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ مسلمانوں کو جب بھی وعظ ونصیحت کرنا چاہتے یا ان سے کوئی بات کرنا چاہتے تو مسجد میں کھڑے ہوجاتے اور ان کو اکٹھا کرلیتے تاکہ ان کو قرآن کریم کی نازل ہوتے والی آیات پڑھ کر سنائیں، آپ کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ مسجد کے ایک ستون سے جو کھجور کا تنا تھا اس سے ٹیک لگاکر کھڑے ہوجاتے اور مسلمانوں کو وعظ ونصیحت شروع فرمادیتے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر بنانے کا حکم دیا اور آپ کے لئے تین سیڑھیوں والا ممبر بنایا گیا۔ آپ جب تقریر کرنا چاہتے تو پہلی سیڑھی پر کھڑے ہوجاتے اور اگر مسلمانوں سے بات چیت کرنا چاہتے تھے تو دوسری سیڑھی پر بیٹھ جاتے تھے۔

اس عرصہ میں مہاجرین نے اپنی وہ دلی تمنا حاصل کرلی جو ان کو ہجرت سے قبل ایک طویل عرصہ سے تھی کہ کھلم کھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں اور آپ کی پیش کردہ تعلیمات اور ارشادات کو سنیں اور اس طرح سے انصار کو ایک ایسا مرشد وناصح میسر آگیا جس نے ان کو یکجا کردیا اور ان کے دلوں میں الفت واخوت پیدا کردی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے لئے ایک رحمدل شفیق باپ اور محبت کرنے والے خیرخواہ بھائی کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ اس سب سے بڑھ کر آپ

اپنے اچھے افعال و اعمال کی وجہ سے ان کے لئے ایک بہترین مقتدیٰ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اپنے جس ساتھی سے ملتے پہلے سلام اور مصافحہ کرتے تھے اور راستہ چلتے جس مسلمان سے آمنا سامنا ہوتا اس سے بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملتے، آپ کے پاس جو حاجت مند آتا اس کو اپنی حاجت و ضرورت بیان کرنا نہایت آسان ہوتا تھا آپ ہمیشہ اس طرح سے متواضع نرم اور خوش مزاج ہی رہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک جگہ بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھ کر سب کھڑے ہو گئے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا: تم اس طرح سے کھڑے مت ہوا کرو جس طرح عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب بھی آپ کی تعظیم یا تعریف میں مبالغہ کرتے تو آپ فوراً فرماتے: میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کیا کرو جیسا مبالغہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں کیا میں تو اللہ کا ایک بندہ ہوں اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہت اور اس کے لوازمات کو پسند نہیں فرماتے تھے نہ ہی فخر و بڑائی آپ کو پسند تھی بلکہ آپؐ تو مسلمانوں کے لئے تواضع اور وفاداری کا ایک نمونہ تھے۔ اس سلسلہ میں

آپ مسلمانوں کو جو نصیحت کیا کرتے تھے اس کا ایک نمونہ آپ کی یہ تقریر ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ چاہے کہ اپنے چہرے کو جہنم کی آگ سے بچالے چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے سے کیوں نہ ہو تو اس کو ایسا کر لینا چاہئے اور جو اتنا بھی نہ پائے تو اچھی بات کہہ کر اپنے آپ کو جہنم سے بچالے اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں کی شکل میں ملتا ہے۔

ایک روز ایک صاحب نے آپ سے سوال کیا: اسلام کے اعمال میں کون سا عمل سب سے زیادہ بہتر ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا: کھانا کھلاؤ، جان پہچان ہو یا نہ ہو ہر ایک کو سلام کرو۔

اس طرح مہاجرین و انصار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعالیم سے مستفید ہوتے رہے اور باوجود یہود کے شور و شغب اور منافقین کی فتنہ انگیزیوں کے کچھ وقت سکون سے گذر گیا۔ اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز میں بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ الحرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا اور مسلمانوں پر روزے اور زکاۃ فرض کی گئی اور نماز کا اعلان کرنے کے لئے اذان مقرر کی گئی اس سے پہلے نماز کے لئے لوگ بغیر اطلاع اور بلاوے کے جمع ہو جایا کرتے تھے۔

اذان مقرر کرنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں

میں یہ مشورہ ہوا کہ نماز کا وقت داخل ہونے کی اطلاع دینے اور نماز کے لئے بلانے کے لئے اعلان کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ پہلے یہ سوچا کہ یہودیوں کی طرح بوق (بگل، نرسنگھا) کو بجایا جائے لیکن یہ پسند نہ آئی اور اس کو نظر انداز کر دیا۔ پھر یہ خیال ہوا کہ عیسائیوں کی طرح ناقوس بجا دیا جایا کرے جب صحابہ کو یہ ٹھیک معلوم ہوا اور اس کو پسند کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی نگرانی میں ناقوس بنوا کر اس کے لگانے کا بندوبست کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم بجا لانے کا ارادہ کر لیا۔ ابھی اس رائے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش ہی میں تھے اور یہ تیاری کر ہی رہے تھے کہ ناقوس کھڑا کرنے کے لئے دو لکڑیاں خریدیں کہ خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: ناقوس نہ بناؤ بلکہ نماز کے لئے اذان کہا کرو۔

حضرت عمر نیند سے بیدار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب سنانے جانے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ ان کے کانوں میں اذان کی نہایت بھلی پیاری سی بلند آواز آئی کہ کوئی کہہ رہا ہے:

اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح

حَیَّ عَلَی الْفَلَاح، اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی سے مسجد نبوی کی طرف چل دیئے۔ جب مسجد کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ حضرت بلالؓ مسجد کے قریب ایک مکان پر چڑھے ہوئے اپنی بلند و میٹھی میٹھی آواز میں اذان کہہ رہے ہیں۔ حضرت عمر نے مسجد نبوی کے ارد گرد جمع ہونے والوں سے پوچھا: بلال یہ اذان کیوں کہہ رہے ہیں؟

انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے آپ کو اپنا خواب سنایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے ایک شخص کو ناقوس لئے ہوئے دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم یہ ناقوس بیچو گے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نماز کی اطلاع دیں گے۔ اس نے جواب دیا کیا میں تمہیں اس سے بھی اچھی چیز نہ بتلاؤں؟ میں نے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: تم اللہ اکبر اللہ اکبر الخ کہہ کر اعلان کیا کرو اور عبداللہ نے اذان کے کلمات پڑھ کر سنائے۔ جب وہ کلمات سنا چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

اے عبداللہ یہ سچا خواب ہے بلال کے پاس جاؤ اور ان کو یہ کلمات

بتلاؤ تاکہ وہ اذان دے دیں اس لئے کہ ان کی آواز تم سے بلند ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے، اے اللہ کے نبی قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے بھی عبد اللہ جیسا خواب دیکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کہ اس نے اذان کی جانب رہنمائی فرمائی. پھر آپ مسکرائے اور فرمایا: اے عمر تم سے پہلے اس سلسلہ میں وحی آچکی ہے۔

اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نازل ہوئی کہ مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانے کے لئے اذان کو مقرر کیا جائے اور اس اذان کے لئے بلند و شیریں آواز والے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا گیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے ساتھ والی بلند عمارت پر چڑھ کر لوگوں کے لئے ان الفاظ میں اذان دیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ الخ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ہجرت کرنے والے صحابہ کرام کے ذہنوں سے مکہ مکرمہ کی صورت دور نہیں ہوتی تھی اور ان کے دلوں سے قریش کا کیا ہوا برتاؤ اور گندہ سلوک نکل نہیں سکتا تھا. اس لئے کہ ان کا وہ شہر و وطن تھا جہاں سے انہیں ظلم و زیادتی کے ساتھ نکالا

گیا تھا اور اسی مکہ میں ان کا وہ کعبہ تھا جس کے حج کے لئے وہ بے تاب رہتے تھے اور مکہ میں ان کا مال و دولت اور ساز و سامان بھی تھا. قریش ہی میں ان کے والدین، اولاد اور رشتہ دار بھی تھے اور ایسے مسلمان بھی وہاں موجود تھے جنہیں دین اسلام سے پھیرنے کے لئے طرح طرح کے عذاب اور سزائیں دی جاتی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سوچ میں پڑ گئے کہ مکہ مکرمہ کے سلسلہ میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے اور مسلمانوں کے لئے ازسرنو اس کے دروازے کس طرح کھولے جائیں اور اس بات پر غور کرنے لگے کہ مکہ کی فتح اور مسلمانوں کی نصرت و امداد اور فائدہ کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں. اور کیا قدم اٹھایا جائے تاکہ اس کے ذریعہ دعوت اسلام کے پھیلانے اور اللہ کے دین کی دعوت کی نشر و اشاعت کا موقع ملے. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی جماعتوں کو اس غرض سے بھیجنا شروع کر دیا کہ وہ قریش کے ان قافلوں کا تعاقب کریں جو تجارت کے لئے شام آتے جاتے ہیں اور خرید و فروخت اور کمائی کر کے ساز و سامان لاتے ہیں تاکہ ان کو پکڑا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی جماعتوں کے ساتھ مختلف قبیلے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے معاہدہ کیا اور ان کو اپنا حلیف بنا لیا اور باہمی معاہدہ میں یہ طے ہوا کہ نہ وہ مسلمانوں کو کچھ نقصان

پہنچائیں اور نہ مسلمان ان سے کوئی تعرض کریں گے۔

اسی طرح سے مسلمانوں کو مزید وقت نصیب ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے ایسی شان بنا دی اور دلوں پر ان کی ایسی عظمت بٹھا دی جس سے ان کے دشمن کفار قریش کے دلوں میں رعب اور دبدبہ پیدا ہو گیا اور وہ اس بات سے ڈرنے لگے کہ مسلمان مکہ میں چھوڑے ہوئے اپنے مال اور ساز وسامان اور زمین ومکانات کے بدلے میں ان کے تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیں لہٰذا وہ یہ سوچنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا کوئی راستہ نکالا جائے تاکہ کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہ کرے۔ اس صورت حال کا مدینہ منورہ کے ان یہودیوں پر بھی اثر ہوا جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے ان کے خلاف دسیسہ کاریوں اور ایذا پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تھے۔

مسلمانوں کی یہ جماعتیں اپنے مفوضہ کام اور متعین راستہ کے مطابق نکلتی رہیں کبھی اس میں مہاجرین کے افراد ہوتے کبھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی سربراہی فرماتے اور مختلف قبیلے والوں سے معاہدے ہوتے اور اگر قریش کا کوئی قافلہ آتا ہوتا تو اسے پکڑ لیتے یا اس کے بارے میں اطلاعات حاصل کرتے اور پھر بغیر کسی لڑائی یا نقصان برداشت کئے ہوئے واپس ہو جاتے، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ

عنہ کو ایک جماعت کی سربراہی کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا اور جب وہ تیار ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک خط دیا اور فرمایا۔

اے عبداللہ میرے اس خط کو اس وقت تک نہ کھولنا جب تک دو دن کی مسافت طے نہ کرلو جب اس خط کو پڑھ چکو تو اس کے مطابق عمل کرنا لیکن اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو زبردستی مجبور نہ کرنا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رجب کے مہینے میں مدینہ منورہ سے نکلے اور دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا۔

جب تم میرا یہ خط پڑھ چکو تو سفر کرنا شروع کر دینا یہاں تک کہ تم مکہ اور طائف کے درمیان ایک نخلستان میں پہنچ کر قریش کے قافلے کا انتظار کرنا اور وہیں اس کے حالات سے باخبر کرنا حضرت عبداللہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا مضمون پڑھا اور اس میں جو حکم تھا اس پر مطلع ہوئے تو دل وجان سے فرمایا: یہ حکم سر آنکھوں پر، اس کے مطابق ضرور عمل کروں گا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا:

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ فلاں نخلستان تک جاؤں اور وہاں قریش کے قافلہ کا منتظر رہوں اور صورت حال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کروں۔ ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ زبردستی کسی کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں اس لئے جو تم میں سے چلنا چاہے چلے اور جو نہ جانا چاہیں وہ واپس چلا جائے۔ میں تو بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے تمام ساتھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق چل پڑے کوئی بھی ان میں سے پیچھے نہیں رہا۔ یہ حضرات نخلہ کی طرف چلتے رہے جب ایک جگہ پہنچے جس کو بحران کہا جاتا ہے تو وہاں حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کا اونٹ گم گیا۔ اس کی تلاش میں یہ دونوں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے اور اس کو تلاش کرنے لگے۔ راستہ میں ان کو قریش کی ایک جماعت ملی اور اس نے انہیں گرفتار کر لیا اور پکڑ کر اپنے ساتھ مکہ لے گئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھی چلتے رہے اور نخلہ پہنچ کر وہاں ٹھہر گئے اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرنے لگے جب رجب کے مہینے کی آخری رات آئی تو وہاں سے ایک قافلہ گذرا جو تجارت کے لئے منقے، چمڑا اور دوسرا وہ سامان جو قریش تجارت کے لئے استعمال کرتے تھے لئے ہوئے جا رہے تھے۔ حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اس قافلہ کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ تو بعض نے بعض سے کہا کہ اگر اسی قافلہ کو آج کی رات چھوڑ دیا تو یہ حرم میں داخل ہو جائیں گے اور تمہاری گرفت سے محفوظ ہو جائیں

گے اور اگر تم ان سے لڑو گے تو ایسے مہینے میں لڑو گے جس میں لڑائی کرنا منع ہے۔

یہ حضرات کافی دیر تک سوچتے رہے اور جنگ کا اقدام کرنے سے گھبراتے رہے لیکن آخیر میں اپنی ڈھارس بندھائی اور یہ فیصلہ کیا کہ قافلہ والوں سے لڑنا چاہیئے اور قریش نے ان کا جو مال ومتاع اور ساز وسامان اپنے قبضہ میں لے لیا تھا اس کے بدلے ان کا یہ سامان تجارت روک لیا جائے۔ اور اس طرح سے حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھی قریش کے قافلۂ تجارت سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور واقد بن عبداللہ تیمی نے اپنی کمان تان لی اور تیر پھینکا جو قریش کے قافلہ تجارت کے ایک فرد عمرو بن الحضرمی کو لگا اور وہ مر گیا اور پھر عبداللہ بن جحش کی جماعت نے قریش کے دو آدمیوں عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قیدی بنا لیا اور قافلہ کے سارے سامانِ تجارت پر قبضہ کر لیا اور مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھی دونوں قیدیوں اور سامان تجارت کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے چہرے مبارک پر غصہ کے آثار اور طبیعت میں تکدر پایا جاتا ہے۔ اور انہیں اس وقت یہ بالکل یقین ہو گیا کہ انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ جب آپ نے ان سے فرمایا؛ میں نے شہر حرام میں تمہیں لڑنے کا تو حکم نہیں دیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھی پریشان ہو گئے۔

اور سمجھ گئے کہ انہوں نے بہت برُا کام کیا ہے جو اللہ کی سزا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا موجب ہے۔ دوسرے مسلمان حضرات بھی ان کے ارد گرد جمع ہوگئے اور اس حرکت پر انہیں ڈانٹتے اور برُا بھلا کہنے لگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب بنی تھی اور آپ سے درخواست کرنے لگے کہ قریش کے قافلہ اور قیدیوں کے معاملہ کو موقوف کر دیا جائے اور مسلمانوں کو یہ تنبیہ کر دی جائے کہ وہ ان سے کچھ تعرض نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی قریش کے قافلہ سے شہر حرام میں جنگ کرنے کی خبر بہت جلد عرب کے قبائل میں پھیل گئی جو دشمنانِ رسول اور دین دشمنوں کے لیے مسلمانوں سے بدلہ لینے کا اچھا بہانہ تھا تاکہ اس کی آڑ میں وہ بھی مسلمانوں کو جارحانہ انداز سے نقصان و تکلیف پہنچا سکیں۔

قریش اور مکہ والوں میں سوائے اس کے اور کوئی موضوع بحث نہ تھا کہ مسلمانوں نے حرام کام کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کر دیا اور وہ یہ کہتے تھے کہ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں نے شہر حرام کی توہین کر کے اس میں خون بہایا قتل کیا، مال لوٹا اور آدمیوں کو قیدی بنا لیا۔

جو مسلمان اس وقت تک مکہ مکرمہ میں تھے وہ ان کے اس قول کا جواب یہ دیا کرتے تھے کہ: مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے وہ شعبان میں کیا ہے۔ مسلمانوں نے جو کچھ کیا تھا اس سے یہود بہت خوش تھے اور وہ سمجھ

رہے تھے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے انتقام لے گا اور ان پر اپنا غضب اور لعنت نازل فرمائے گا۔

مسلمان نہایت غم و رنج میں گرفتار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور اعتکاف کی وجہ سے ان کو طرح طرح کے وساوس پیش آ رہے تھے اور وہ نہایت بے چین تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے چہرے پر خوشی کے آثار اور رضامندی کی علامات ظاہر تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی مسلمان اس حالت میں آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے کہ وہ آپ کی خوشی و رضامندی کو دیکھ کر پھولوں نہ سما رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو وہ آیات بینات تلاوت کر کے سنائیں جنہوں نے آپ کے غصّہ کو ختم اور دل کو سکون اور نفس کو طمانیت بخشی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ کا جو فرمانِ مبارک تلاوت کر کے سنایا تھا وہ یہ تھا:

«يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ
قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ
وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَكُفْرٌ
بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ
أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللهِ

آپ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کے بارے
میں اس میں لڑنا کیسا ہے آپ کہہ دیجیے
کہ اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے اور روکنا
ہے اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا
اور مسجد حرام سے روکنا اور نکال دینا

وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ
وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ
حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ
إِنِ اسْتَطَاعُوا »

(البقرہ - ۲۱۷)

وہاں کے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک اور لوگوں کو دین سے ہٹانا قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر قابو پالیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔

یہ سن کر مسلمانوں کی تکلیف و پریشانی دور ہوئی دلوں کا خوف و خطر زائل ہوا۔ اس لئے کہ ان آیات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اگرچہ شہر حرام میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کے یہاں اس سے بھی بڑا گناہ وہ ہے جو قریش نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کہ ان کو ان کے شہر اور گھروں سے نکالا مسجد حرام سے دور کیا اور اللہ کے نزدیک مشرکوں کا مسلمانوں کو تنگ کرنا دین سے بہکانے اور ہٹانے کی کوشش کرنا قتل سے زیادہ بڑا گناہ ہے اور یہ کہ مسلمانوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے مشرک مسلمانوں سے جنگ کرنے کو برا نہیں سمجھتے اور جب تک ان میں قوت و طاقت ہوگی وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی یہ آیات ان مسلمانوں کے لئے ایک رحمت تھیں جو اللہ کے غیظ و غضب کے خوف سے کانپ رہے تھے۔

اسی طرح ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کے لئے بھی راحت و سکون کا سامان تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلے اور ان کے سامان تجارت اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور سامانِ تجارت ان مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جو حقدار تھے۔ قیدیوں کا یہ ہوا کہ قریش مکّہ نے ان کے فدیہ کے لئے مال کی پیش کش کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب یہ دیا۔

ان قیدیوں کے بدلے میں ہم فدیہ اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک ہمارے وہ دو ساتھی یعنی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان واپس نہ آجائیں جنہیں قریش نے گرفتار کیا ہے اس لئے کہ ہمیں ان کے بارے میں خدشہ ہے لہٰذا اگر تم نے ان دونوں کو قتل کر دیا تو ہم بھی تمہارے دونوں آدمیوں کو قتل کر دیں۔

چنانچہ قریش نے ان دونوں قیدی حضرات صحابہ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بدلے ان کے دونوں قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ ان کے دونوں قیدیوں میں سے ایک یعنی حکم بن کیسان کا دل اسلام کی طرف راغب ہو گیا اور وہ تو مسلمان ہو گئے، اور مدینہ منورہ ہی رک گئے دوسرا شخص کفر کی حالت میں مکّہ مکرمہ واپس چلا گیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کے دلوں کو ان آیات نے ٹھنڈا کر دیا تھا جو اللہ تعالےٰ نے ان کے بارے میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھیں اور جن میں ان کے لئے معافی اور مغفرت کا اظہار کیا گیا تھا اور جب ان حضرات کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو جہاد اور ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دے دی ہے جو انہیں ان کے دین سے پھیرنا اور دور کرنا چاہتے ہیں چاہے وہ مہینہ کیوں نہ ہو جس میں جنگ کرنا حرام ہے۔ تو انہیں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ پہلے سے زیادہ زبردست جہاد کیا جائے اور مشرکوں سے جنگ میں ان کا پہلے سے زیادہ حصہ ہو۔ چنانچہ وہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول ہم چاہتے ہیں کہ کوئی جنگ ہو جس میں ہمیں مجاہدین کا اجر ملے، اس پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان حضرات کے جواب میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔

«إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ» (البقرۃ - ۲۱۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۲

غزوۂ بدر

«أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ» (الحج - ۳۹)

اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ظلم وزیادتی کو روکنے کے لئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دے دی اور مسلمانوں اور مومنوں کو منافقین کے فتنے سے بچانے کے لئے ان پر جہاد فرض کر دیا، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر بس اس مکہ مکرمہ کی طرف مرکوز ہوگئیں جو ان کا اپنا شہر تھا لیکن ظلماً ان کو وہاں سے نکال دیا گیا تھا اور ان کے مال ومتاع سے بلا کسی حق کے ان کو روک دیا گیا تھا۔ اور ان کے دل میں اس کعبہ مشرفہ کا خیال آنے لگا جس کے حج اور طواف سے ان کو محروم کر دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کو ظلم وزیادتی کرنے والوں سے جنگ

کرنے اور اسلام کے لئے تلوار سے جہاد کرنے کا حکم دیا تاکہ اپنے آپ کو ظلم سے بچاسکیں اور منافقین اور مشرکین کو ان فتنہ انگیزیوں اور سازشوں سے روکیں جو وہ مسلمانوں کو دین و ایمان سے روکنے کے لئے کیا کرتے تھے تو مسلمانوں نے جہاد کا پختہ عزم کرلیا تاکہ مکہ کے مسلمانوں کو کافروں کی ایذا رسانی سے بچاسکیں. اور کعبہ تک پہنچنے اور حج بیت اللہ کا راستہ کھول سکیں.

چنانچہ مسلمانوں کی جماعتیں اہل مکہ کی خبریں معلوم کرنے لگیں اور مسلمانوں کی ٹولیاں مدینہ سے نکلتی تھیں تاکہ قریش کے تجارتی قافلوں کو پکڑ سکیں. ان جماعتوں میں سے بعض جماعتوں کی رہنمائی حضرات حمزۃ بن عبدالمطلب، عبیدۃ بن الحارث، سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن جحش کیا کرتے تھے.

اور بعض جماعتوں کی سربراہی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے قریش کے ساتھ ان جماعتوں کی کوئی لڑائی یا معرکہ نہیں ہوا. البتہ ان سے فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور ان قبیلوں کے درمیان معاہدے ہوگئے جن کے پاس سے ان کا گذر ہوا کرتا تھا جو اس بات کی ضمانت تھے کہ اگر کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ مسلمانوں کو قوت بہم پہنچائیں گے.

اور پھر آخر وہ دن بھی آگیا جس کا قریش کو اس وقت سے ڈر تھا. جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے نکلے تھے اور بیعت عقبہ کی وجہ سے انصار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ کے سبب

جس جنگ کا قریش کو خوف تھا وہ سر پر منڈلانے لگا اور تجارت کے لئے شام آنے والے اور جانے والے تجارتی قافلوں کے لٹنے کا ان کو جو خدشہ تھا وہ درست نکلا.

ہوا یہ کہ مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کے سرداروں میں سے ابوسفیان بن حرب تجارت کے سلسلہ میں شام گئے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ قریش کے کچھ اور آدمی بھی ہیں اور اب وہ لوگ بہت سے سامان تجارت اور دیگر ساز و سامان کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہیں لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پکڑنے کا قصد کیا تاکہ ان ظالم لوگوں کے مال و دولت پر قبضہ کرلیا جائے. اس لئے آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

قریش کا قافلۂ تجارت ساز و سامان لئے آرہا ہے. اس کو پکڑتے چلو ممکن ہے مسلمانوں کو مال غنیمت مل جائے. چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین سو تیرہ صحابہ کرام نکل پڑے جن کے پاس ستر اونٹ تین گھوڑے تھے اور ان کا مقصد ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو پکڑنا تھا.

ابوسفیان کو جب یہ علم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ان کو شام سے واپسی پر راستہ میں پکڑنا چاہتے ہیں تو اس نے ضمضم بن عمرو کو قریش کے پاس یہ اطلاع دینے بھی بھیجا کہ مسلمان ان کے مال تجارت کو لوٹنا چاہتے ہیں. اس لئے ان کی امداد کے لئے فوراً پہنچا جائے اور ضمضم

کو یہ حکم دیا کہ وہ جب مکہ میں داخل ہو تو اونٹ کے دونوں کان کاٹ دے اور کجاوے کا رخ پھیر دے اور اپنی قمیص آگے پیچھے سے پھاڑ دے اور زور زور سے المدد المدد کی آواز لگائے۔

یہ دراصل عربوں کی ایک مخصوص عادت اور طریقہ تھا کہ کوئی شخص جب کسی خطرناک خبر کی اطلاع دینا چاہتا تھا تو اس طرح کیا کرتا تھا۔

ضمضم کے مکہ پہنچنے سے تین دن قبل عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خوفناک اور دہشت ناک خواب دیکھا تھا اور وہ یہ کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور ابطح نامی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور بآواز بلند یہ اعلان کیا:

اے آل غدر تم تین دن میں اپنی قتل گاہ تک پہنچ جاؤ۔ چنانچہ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ پھر وہ مسجد میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے کہ اس کا اونٹ کعبہ کی پشت کی جانب بیٹھ گیا۔ وہ پھر زور سے چیخا: اے آل غدر تم تین دن میں اپنی قتل گاہ تک پہنچ جاؤ۔ پھر اس کا اونٹ جبل ابو قبیس کی چوٹی پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور اس نے باواز بلند اعلان کیا۔ اے آل غدر تم تین دن میں اپنی قتل گاہ تک پہنچ جاؤ۔

پھر اس نے ایک چٹان کو اکھاڑ کر پہاڑ کے نچلے حصہ کی طرف پھینکا وہ گر کر چور چور ہو گئی اور مکہ کے گھروں میں سے ہر گھر میں اس کا ایک نہ ایک ٹکڑا داخل ہو گیا۔ عاتکہ نے یہ خواب دیکھنے کے بعد اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب

کو بلایا اور ان کو خواب سنایا تو انہوں نے ان سے کہا: اس خواب کو پوشیدہ رکھنا اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ لیکن خود انہوں نے اپنے بعض جاننے والوں سے اس کا تذکرہ کر دیا اور اس طرح یہ بات پورے مکہ میں پھیل گئی اور ابوجہل اور اس کے ساتھی اس کا مذاق اڑانے لگے اور عباس سے کہا: اے عبدالمطلب کی اولاد کیا تمہارے مردوں ہی کا نبی ہونا کافی نہیں تھا کہ اب تمہاری عورتیں بھی نبی بننے لگیں۔

لیکن ہوا وہی جو عاتکہ نے دیکھا تھا، ان کا خواب سچا نکلا اور تین دن بعد ضمضم مکہ پہنچ گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے اپنے اونٹ کے دونوں کان کاٹے، اپنی قمیص پھاڑ دی، کجاوے کا رخ موڑ دیا اور چیختا ہوا یہ کہنے لگا:

اے قریش کی جماعت، اے لوئی بن غالب والو، بڑی آفت آپڑی ہے بڑی آفت، اپنے اس قافلہ تجارت کو بچاؤ جو خوشبو، مشک اور دوسرا سازو سامان لے کر آرہا ہے اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوئے۔ مدد کرو امداد کرو تا کہ اپنے سامان تجارت کو بچا سکو۔

اہل مکہ مدد کے لئے فوراً کھڑے ہو گئے اور جتنے بھی آدمیوں اور اونٹوں اور گھوڑوں کو جمع کر سکتے تھے جمع کر لیا۔ لوگ فوری تیار ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی ایک دوسرے کو وصیت کی اور یا تو ہر شخص خود گیا

یا اس نے اپنی جگہ کسی اور آدمی کو بھیج دیا۔ قریش کے اشراف و معززین میں سے
سوائے ابولہب کے اور کوئی پیچھے نہ رہا۔ ابولہب نے اپنی جگہ ایک آدمی کو چار
ہزار درہم دے کر بھیجا۔ قریش میں سے جو بھی پیچھے رہنا چاہتا تو یہ لوگ اسے
عار و شرم دلاتے اس پر غصہ ہوتے اور اس کو کہتے کہ تم عورت ہو عورت۔ یہ
سن کر وہ بھی تیار ہو کر ان کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو جاتا۔

مکہ کے مشرکین میں سے جو لوگ دوسرے لوگوں کو ابھار رہے تھے ان
میں سہیل نامی ایک شخص بھی تھا۔ اس نے قریش سے کہا: اے آل غالب کیا تم محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان لوگوں کو جو اہل یثرب (مدینہ) کے ان کے ساتھ
مل گئے ہیں، انہیں اس حالت پر چھوڑے رکھو گے کہ وہ تمہارے قافلوں اور
مال کو لوٹتے رہیں؟!! جو شخص مال چاہے تو اس کے لئے مال حاضر ہے اور جو شخص
اسلحہ چاہے تو اس کے لئے اسلحہ حاضر خدمت ہے۔ چنانچہ مکہ کے قریش اس شان
سے نکلے کہ ان کے ساتھ نو سو پچاس جنگجو بہادر، سو گھوڑے، سات سو اونٹ
سو زرہیں ان زرہوں کے علاوہ تھیں جو پیادہ پا فوج کے پاس تھیں اور اس
کے ساتھ ساتھ گانے بجانے والیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم کی شان میں گستاخیاں کرتی اور مذمت کے اشعار پڑھتی جا رہی تھیں۔ یہ لشکر
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے اپنے دل میں سخت
غیظ و غضب اور بغض و عناد لئے چل پڑا اور جنگ کے لئے نہایت مصر تھا

اور پکا عزم کئے ہوئے تھا۔

ادھر جب ابوسفیان قافلہ تجارت کو لئے ہوئے سرزمین حجاز کے قریب
پہنچا تو نہایت گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں معلومات حاصل کرنے لگا تاکہ محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی گرفت سے بچ جائے۔ پھر وہ ایک جگہ
رک کر ضمضم بن عمرو اور قریش کے ان افراد کا انتظار کرنے لگا جو اس کی امداد کو
آنے والے تھے لیکن وہ اب تک نہ پہنچے تھے۔ پھر جب وہ رات آ گئی جس کی صبح
کو ان کو بدر نامی چشمہ پر ٹھہرنا تھا تو قافلہ تجارت نے باوجود پانی کی ضرورت
نہ ہونے کے اپنا رخ بدر کی طرف موڑ دیا۔

قافلہ والوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو دہشت زدہ ہو گئے اور
کہنے لگے یہ تو ایک ایسی صورت حال ہے جو ابتدا سفر سے اب تک قافلہ والوں
نے نہیں دیکھی۔ اس رات تاریکی نہایت شدید تھی اس لئے کوئی بھی اپنے ساتھ
چلنے والے کو نہ دیکھ سکتا تھا جس سے ان میں خوف اور بے چینی اور گھبراہٹ
میں مزید اضافہ ہو گیا۔

ابوسفیان نے اس خوف سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے
صحابہ بدر کے قریب اس کے منتظر ہوں گے اپنا رخ تبدیل کر لیا اور راستہ
بدل کر ساحل سمندر کا راستہ اختیار کیا اور بدر کو اپنی بائیں جانب چھوڑ
کر تیزی سے سفر شروع کر دیا۔ ادھر قریش مکہ سے اس شان سے چلے کہ راستہ

میں جہاں پانی وچشمہ وغیرہ ملتا وہاں ٹھہر جاتے، اونٹ ذبح کرکے کھانا کھاتے
کھلاتے پلاتے، شراب نوشی کرتے۔

مکہ کے قریش ابھی سفر میں تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ مکہ کا ایک آدمی ان
سے کہہ رہا ہے کہ مکہ واپس لوٹ چلو۔ اس لئے کہ قافلہ تجارت خیریت سے مکہ
پہنچ گیا ہے اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی دسترس سے
باہر ہو کر بخیریت اپنے گھر پہنچ گیا ہے۔ اس شخص نے ان لوگوں سے کہا:
اے لوگو تم اپنے آپ کو مدینہ والوں کے لئے قربانی کا بکرا نہ بناؤ اس لئے کہ وہ
تم کو اس طرح ذبح کریں گے جیسے کہ بکری کو ذبح کیا جاتا ہے۔

اے قریش کی جماعت واپس لوٹ چلو۔ اس لئے کہ قافلہ صحیح سالم
پہنچ گیا ہے اور یہی تم چاہتے تھے اب تم کو اس کے علاوہ اور کیا چاہیئے تم تو
اپنے قافلہ اور مال و دولت کی حفاظت کے لئے نکلے تھے اور اللہ نے اس
کو بچا لیا ہے لہٰذا واپس چلو لیکن ان میں سے اکثریت نے واپس ہونے
سے انکار کر دیا اور اس کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔

بنو ہاشم نے واپس لوٹنا چاہا تھا لیکن ابو جہل ان پر سخت ناراض
ہو گیا اور کہنے لگا بخدا ہم اس وقت تک واپس نہ ہوں گے جب تک
بدر پہنچ کر تین دن وہاں ٹھہر کر اونٹوں کو ذبح نہ کریں اور کھانا نہ کھلائیں
اور شراب نہ پلالیں اور ناچ گانا نہ ہو جائے تاکہ عرب ہمیشہ ہمیشہ ہم سے

ڈرتے اور خوف زدہ رہیں۔

وہ شخص لوٹ کر ابو سفیان کے پاس گیا اور اس کو بتلایا کہ قریش تو سفر جاری
رکھے ہوئے ہیں اور اس بات پر مصر ہیں کہ بدر جائیں گے، ابو سفیان نے کہا:
ہائے میری قوم! یہ تو ابو جہل ہی کی حرکت معلوم ہوتی ہے، وہ واپس لوٹنے کو برا
سمجھتا ہے اس لئے کہ وہ زبردستی سردار بن گیا ہے۔ اس نے ظلم و بغاوت کی ہے
جبر و استبداد کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بغاوت ایک منحوس اور ذلیل
کرنے والی چیز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مدینہ سے ایک میل
کے فاصلہ پر واقع ابو عنبہ نامی کنوئیں کے پاس پہنچے، لشکر کا معائنہ کیا اور جس
کو کم عمر و چھوٹا سمجھا اسے واپس کر دیا۔ پھر چلے۔ یہاں تک کہ وسط رمضان کی بدھ
کی رات کو روحاء نامی مقام پر پہنچے۔ وضو کیا اور نماز پڑھی اور جب اخیر رکعت
سے سر اٹھایا تو کافروں پر خدا کی لعنت بھیجی اور فرمایا: اے اللہ اس امت
کے فرعون ابو جہل کو نہ چھوڑ۔

اسی اثناء میں آپ کو قریش کے پہنچنے اور مسلمانوں کی جانب پیشقدمی
کرنے کی اطلاع ملی۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو حضرت ابو بکر
رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور نہایت عمدہ باتیں فرمائیں اور اسی طرح حضرت
عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا۔ پھر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ

کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم کے مطابق چلتے رہیئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں بخدا ہم آپ سے اس طرح ہرگز نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ: آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کرے ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، نہیں ہم تو آپ کے ساتھ ہیں آپ اور آپ کا رب جنگ کرتے چلے ہم بھی آپ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور دعائیں دیں۔

پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ یہ سن کر انصار سمجھ گئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہلوانا چاہتے ہیں اس لئے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ انصار آپ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نکلے تھے۔ چنانچہ انصار کے معززین اور سرداروں میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے اللہ کے رسول شاید آپ ہم سے مشورہ لینا اور ہماری زبان سے کہلوانا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں یہی بات ہے، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں انصار کی طرف سے کچھ عرض کروں گا اور انہی کی طرف سے جواب دیتا ہوں:

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کے دست مبارک پر ایمان لائے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی اور یہ گواہی دی کہ آپ جو دین

لائے ہیں وہ برحق ہے، ہم نے آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کا آپ سے عہد و وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس لئے اے اللہ کے نبی آپ کا جو ارادہ ہے اس کے مطابق کر گذریئے اور بڑھے چلئے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ اس سمندر کا رخ کریں گے اور اس میں داخل ہوں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ اس میں گھس جائیں گے۔ ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں بچے گا آپ جس سے چاہیں صلہ رحمی کریں جس سے چاہیں قطع تعلق کرلیں اور ہمارے مال و دولت میں سے جو چاہیں آپ لے لیجئے، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مال و دولت سے جو آپ لے لیں گے ہمیں وہ اس سے زیادہ محبوب ہوگا جو ہمارے پاس باقی بچے گا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس راستہ پر کبھی سفر نہیں کیا نہ اس راستہ کا مجھے کچھ علم ہے۔ ہمیں یہ ڈر ہرگز نہیں کہ دشمنوں سے ٹکراؤ ہوگا اس لئے کہ جنگ کے موقعہ پر ہم نہایت صبر کرنے والے اور دشمن کے لئے نہایت شدید و سخت ہیں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالےٰ آپ کو ہماری شجاعت و بہادری کے ایسے مناظر دکھادے جن سے آپ کو خوشی اور آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور ان کے لئے دعائے خیر کی اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور اخلاص پر

بھی اس کلام سے آپ کو بہت خوشی ہوئی اور جب حضرت سعد بن معاذ
رضی اللہ عنہ مشورہ سے فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:
اللہ کا نام لے کر چلتے رہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے
ایک جماعت دینے کا وعدہ کیا ہے بخدا گویا کہ میں دشمنوں کے مرنے اور ٹھکانے
لگنے کو دیکھ رہا ہوں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کافروں کے
مرنے اور گرنے کی جگہیں اس طرح کہہ کر بتلائیں کہ یہ فلاں کے گرنے اور مرنے کی
جگہ ہے اور یہ فلاں شخص کے گرنے اور مرنے کی اور ہوا بھی یہی کہ آپ نے
جو جگہ متعین کی تھی کوئی کافر اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ یہ باتیں سن کر لوگوں
کو یہ یقین ہو گیا کہ جنگ ضرور ہوگی اور قافلہ تجارت ان سے بچ کر نکل چکا
ہے۔ اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے تین جھنڈے لئے اور ان میں سے
ہر جھنڈا اپنے ایک ساتھی کو دے دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں سے چل کر
بدر کے قریب ٹھہر گئے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی وزبیر
وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو صورت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا اور
ایک چھوٹے سے پہاڑ کی جانب اشارہ کر کے ان سے فرمایا:
مجھے امید ہے کہ اس کنویں کے پاس جو کہ پہاڑ کے ساتھ ہے تمہیں

دشمن کی خبر مل جائے گی۔ چنانچہ جب یہ حضرات گئے تو انہوں نے اس کنویں
کے پاس قریش کے کچھ آدمیوں کو پانی نکالتے دیکھا۔ چنانچہ انہوں نے دو غلاموں
کو ابوسفیان کا غلام سمجھ کر پکڑ لیا۔ باقیماندہ دوسرے غلام بھاگ گئے اور جب وہ
قریش کے پاس پہنچے تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: اے آل غالب وہ
(مسلمان) لوگ تمہارے پانی پلانے والوں کو پکڑ کر اپنے لشکر کی جانب لے گئے
ہیں۔ یہ سن کر کافروں میں شدید اضطراب و بے چینی پھیل گئی اور ان کے
لشکر والے گھبرا گئے' ادھر حضرت علی وزبیر وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم
جب گرفتار شدہ ان دونوں غلاموں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
لے کر پہنچے اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم قریش کے پانی بھرنے والے
ہیں، تو ان حضرات نے ان دونوں کو خوب مارا تو انہوں نے کہا کہ ہم ابوسفیان
کے لوگ ہیں یہ سن کر ان لوگوں نے ان غلاموں کو مارنا چھوڑ دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ جب نماز
سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: جب ان
دونوں نے سچ بات کہی تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹ بولے تو چھوڑ دیا۔
یہ دونوں سچ کہہ رہے تھے کہ یہ قریش کے ساتھی ہیں، پھر نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان دونوں سے ابوسفیان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے
کہا: ہمیں ان کا کچھ علم نہیں ہے نہ ہم نے ان کو دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان دونوں سے قریش کے بارے میں پوچھا کہ وہ لوگ کہاں ہیں؟ تو ان دونوں نے بتایا کہ قریش قریب ہی ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کافروں کے لشکر کی تعداد کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: تعداد تو ہم کو معلوم نہیں ہے لیکن بخدا وہ بہت بڑی تعداد میں ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ہر دن کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں، ان دونوں نے جواب دیا: کسی دن نو اونٹ ذبح کرتے ہیں اور کسی دن دس اونٹ، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: کافروں کی تعداد نوسو اور ہزار کے درمیان ہے اور پھر آپ نے مسلمانوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: یہ دیکھو مکہ نے تمہارے سامنے اپنے جگر گوشے پیش کر دیئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ کسی جگہ پڑاؤ ڈالنا چاہیئے؟ تو حباب بن منذر نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ہمارے ساتھ اس کنویں تک چلتے رہیں جو دشمن کے قریب ترین ہو۔ میں وہاں کے کنوؤں وغیرہ سے واقف ہوں، وہاں ایک ایسا کنواں ہے جس کا پانی نہایت شیریں اور نہ ختم ہونے والا ہے۔ وہاں پہنچ کر ہم اس کے اوپر حوض بنا ڈالیں گے اور اس کا پانی پیتے رہیں گے اور لڑتے رہیں گے اور اس کے علاوہ دوسرے کنوؤں کو ہم ختم کر دیں گے۔

پانی کا انتظام و اہتمام کرنا ان حضرات کے لئے نہایت ضروری تھا اور ان کو اس کی سخت فکر تھی کہ کہیں ان کے اور پانی کے درمیان کافر حائل نہ ہو جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حباب کا مشورہ سن کر ارشاد فرمایا: اے حباب تم نے نہایت اچھی رائے پیش کی ہے اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور چلتے چلتے بدر نامی کنویں کے پاس ٹھہر گئے اور حباب کی رائے پر عمل کیا۔

اسی رات بارش برسی اور مسلمانوں کے لئے اس نے چھڑکاؤ کا کام کیا اور اس کی وجہ سے چلنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ خوب پانی پیا، غسل کیا اور ہلکے پھلکے ہشاش بشاش ہو گئے لیکن یہ بارش قریش کے لئے مصیبت بن گئی ان کے لئے چلنا کوچ کرنا مشکل ہو گیا اور اس طرح سے یہ بارش مسلمانوں کے لئے رحمت الٰہی اور طاقت و قوت کا ذریعہ بنی اور کافروں و مشرکوں کے لئے آزمائش اور سزا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو اس جگہ بھیجا جہاں کافروں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا چنانچہ یہ دونوں حضرات وہاں گئے لشکر کے چاروں طرف پھرے ان کی خبریں معلوم کیں اور پھر واپس لوٹ آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ کافر سخت گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں ہیں اور ان پر زبردست بارش

برسی ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشورہ پیش کیا کہ ٹیلہ پر ایک خیمہ لگایا جائے تاکہ وہاں سے جنگ کی نگرانی بھی ہوتی رہے اور سایہ کا کام بھی دے اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام کرنا یا نماز پڑھنا یا دعا کرنا چاہیں گے وہاں آجایا کریں گے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشورہ پر عمل کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ کے واقع ہونے والی جگہ تک خود تشریف لے گئے اور اپنے ساتھیوں کو مکہ کے قریش کے ان سرداروں کے ایک ایک کے مرنے اور ہلاک ہونے کی جگہ بتلائی جو مکہ سے اپنے کافر ساتھیوں کے ساتھ آئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے جن سرداروں کے لئے جو جگہ بتلائی تھی اسی جگہ وہ مارے گئے کوئی بھی اس جگہ سے ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے اپنے لشکر کے پاس تشریف لائے اور ان کی صفیں درست کیں اور ان کو اس طرح ترتیب دی جیسے جنگ ولڑائی کا کوئی بڑا ماہر ترتیب دیتا ہے۔ پھر اپنے لشکر کو لے کر روانہ ہوئے اور صبح کو بدر کے پاس پہنچے اور قریش سے پہلے وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے لشکر میں تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر فرمایا۔

حمد وثنا کے بعد؛ میں تمہیں اس چیز پر ابھارتا ہوں جس پر اللہ تمہیں ابھارتا ہے اور اس چیز سے منع کرتا ہوں جس سے خدا تمہیں منع کرتا ہے۔ اللہ کی شان بہت بڑی ہے اللہ حق بات کا حکم دیتا ہے اور سچائی کو پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اچھائی اور خیر کے کام کرنے والوں کو اپنے یہاں ایسے درجات عطا فرمائے گا جن کی وجہ سے ان کا تذکرہ کیا جائے گا اور انہی کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں گے۔

تم حق کی منزل پر پہنچ گئے ہو، اللہ تعالیٰ صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو صرف اس کی رضامندی کے لئے ہو، اور جنگ کے موقعہ پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ پریشانی کو دور کر دیتا ہے اور غم سے نجات دلا دیتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے تمہیں آخرت کی کامیابی اور نجات ملے گی۔ دیکھو تم میں اللہ کا نبی موجود ہے جو تمہیں بری باتوں سے بچنے اور اچھے کام کرنے کا حکم دیتا ہے اس لئے آج کسی ایسی حرکت سے بچنا جس پر اللہ مطلع اور باخبر ہو کر تم سے ناراض ہو جائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

«لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ» (المؤمن۔ ۱۰)

اللہ زیادہ بیزار ہوتا تھا اس سے جو تم بیزار ہوئے اپنے نفس سے۔

دیکھو اللہ نے تمہیں اپنی کتاب میں کیا حکم دیا ہے اور تمہیں کیا کیا نشانیاں دکھلائی ہیں اور ذلت کے بعد تمہیں عزت بخشی لہٰذا اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لو

اس کی وجہ سے تمہارا رب تم سے راضی ہو جائے گا اور ان مقامات میں اپنے رب کو ایسے کام کر کے دکھا دو جن کے ذریعے تم اللہ کی اس رحمت و مغفرت کے مستحق بن جاؤ جس کا خدا نے تم سے وعدہ کیا ہوا ہے اور خدا کا وعدہ بالکل برحق ہے۔ اس کی بات سچی ہوتی ہے اور اس کی سزا بہت سخت ہے اور ہم اور تم اس اللہ کی مدد سے موجود ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ ہم اس پر اعتماد کرتے ہیں اور اسی سے مدد حاصل کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

قریش مکہ نے مسلمانوں کی تعداد اور حالات معلوم کرنے کے لئے عمیر بن وہب کو بھیجا وہ چپکے سے مسلمانوں کے لشکر کے قریب آیا اور گرد پھرا اور پھر یہ کہتا ہوا ان کے پاس واپس لوٹا کہ:

یہ لوگ تین سو یا اس سے کچھ زیادہ ہیں اور ان کے ساتھ ستر اونٹ اور صرف تین گھوڑے ہیں۔

پھر اس نے کہا کہ اے قریش کی جماعت، مصائب موت کو ساتھ لے کر آتے ہیں، یثرب (مدینہ) کی اونٹنیاں کھلی ہوئی موت کو اٹھائے لا رہی ہیں۔ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ ان کے پاس ظاہری کوئی ساز و سامان نہیں ہے اور نہ ان کی کوئی پناہ گاہ ہے سوائے تلواروں کے، کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے ہو کہ یہ گونگے ہیں بات نہیں کرتے اور وہ ایسے بھرے ہوئے ہیں جیسے کہ اژدہا

بھرا ہوا ہوتا ہے، بخدا میرا تو خیال ہے کہ ان کا کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک ہمارے ایک آدمی کو قتل نہ کر دے اور اگر انہوں نے اپنی تعداد کے برابر تمہارے آدمی مار ڈالے تو پھر اس کے بعد زندگی اور جینے کا کوئی مزہ نہ ہوگا اس لئے خوب سوچ سمجھ لو۔

لیکن قریش نے عمیر بن وہب کی بات کی تصدیق نہ کی اور ایک دوسرے شخص کو بھیجا۔ وہ بھی چھپتا چھپاتا مسلمانوں کے لشکر تک پہنچ گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کے ارد گرد گھوما اور پھر اپنی قوم کے پاس یہ کہتا ہوا واپس آیا: بخدا میں نے نہ تو بہادروں کو دیکھا اور نہ بڑی تعداد کو اور نہ اسلحہ و ہتھیار کو بلکہ میں نے ایسی قوم کو دیکھا ہے جو اپنے گھر والوں کے پاس واپس لوٹ کر جانا ہی نہیں چاہتے۔ مرنے مارنے والی قوم ہے نہ اسلحہ و ہتھیار ان کے پاس ہیں نہ پناہ گاہ سوائے ان کی چند تلواروں کے۔ اس لئے خوب سمجھ لو۔

قریش کے لوگوں نے جب یہ بات سنی تو بعض لوگ گھبرا گئے اور کانپنے لگے اور دوسرے لوگوں کے پاس جا کر انہیں واپسی اور مکہ لوٹنے کی ترغیب دینے لگے۔ چنانچہ بعض نے ان کی بات مان لی اور واپس چلے گئے۔

ادھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش اور ان کی جنگ کے لئے تیاری کو دیکھا تو اللہ کے دربار میں یہ التجا کی:

اے میرے خدا یہ قریش اپنی نخوت و تکبر کے ساتھ آپ کے مقابلہ پر آئے ہیں، آپ کے احکامات کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ کے بھیجے ہوئے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ اے اللہ جس کامیابی اور امداد کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ عطا فرمادے۔ اے اللہ آپ نے مجھے ثابت قدمی کا حکم دیا ہے اور دونوں میں سے ایک جماعت کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور آپ ہرگز وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھلایا کہ کافروں کی تعداد کم ہے اور مقصد یہ تھا کہ آپ کا دل مضبوط رہے اور ہمت بڑھ جائے اور زیادہ سخت حملہ کرسکیں اور جنگ شروع ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعداد کافروں کی نظروں میں کم کردی تاکہ وہ حملہ کرنے پر آمادہ ہوجائیں اور جب جنگ چھڑ گئی تو اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی تعداد کافروں کی نظروں میں زیادہ کردی تاکہ وہ ڈر جائیں اور ان پر خوف، رعب اور گھبراہٹ طاری ہوجائے۔

دوسری طرف اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی نظروں میں کافروں کی تعداد کم کردی تاکہ ان کے بازو مضبوط ہوں اور قوت و طاقت سے لڑسکیں۔ جنگ جب خوب زوروں پر ہوگئی اور لڑائی سخت ہوگئی تو مسلمانوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دل اللہ کی طرف متوجہ کرکے اس کی رحمت کے

سائل اور مدد و نصرت کے طلب گار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

«إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ»

(الأنفال - ۹)

جب تم فریاد کرنے لگے اپنے رب سے تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو کہ میں تمہاری مدد کو بھیجوں گا ہزار فرشتے لگاتار آنے والے۔

اور فرمایا

«بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ»

(آل عمران - ۱۲۵)

البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے شاندار گھوڑوں پر۔

پھر قریش کی ایک جماعت حوض سے پانی پینے کے لئے آئی تو مسلمانوں نے انہیں بھگانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں کو چھوڑ دو جو چاہتے ہیں کرنے دو۔ چنانچہ ان میں سے جس شخص نے بھی اس حوض سے پانی پیا وہ مارا گیا۔

اس کے بعد ابوجہل نے عامر بن الحضرمی کو ابھارنا شروع کیا۔ اس عامر کا ایک بھائی پہلے مارا گیا تھا ابوجہل نے عامر کو اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے

نے برانگیختہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ عامر کھڑا ہوا اور زور زور سے چیخنے لگا:

واعمراہ واعمراہ (ہائے عمر ہائے عمر)

پھر اس نے لوگوں کو بھڑکایا اور ابھارا اور مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے للکارا اور اس طرح سے جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمانوں کی جانب سے سب سے پہلے میدان میں کودنے والے حضرت عمر بن الخطاب کے آزاد کردہ غلام مہجع رضی اللہ عنہما تھے، جن سے مقابلہ کے لئے عامر بن الحضرمی آگے بڑھا اور اس نے مہجع کو شہید کر دیا اور اس طرح جنگ بدر کے پہلے شہید حضرت مہجع رضی اللہ عنہ ہوئے۔

دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئیں اور اسود بن عبد الاسود مخزومی نے کہا: میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ میں ان کی حوض سے ضرور پانی پیوں گا یا اس حوض کو تہس نہس کر دوں گا یا اس سلسلہ میں مارا جاؤں گا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھ کر جب حوض کے قریب آیا تو حضرت حمزۃ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اس کے سامنے آ گئے اور اپنی تلوار سے نہایت سرعت سے اسے ایسی زبردست ضرب لگائی کہ جس سے اس کی ٹانگ کٹ گئی لیکن اسود گھسٹتا ہوا آگے بڑھا اور حوض میں گر گیا اور اپنی دوسری صحیح وسالم ٹانگ سے اس کی دیوار گرادی اور اس سے پانی پی لیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے ہی تھے چنانچہ وہ ابھی حوض ہی میں تھا کہ انہوں نے اس کے ایک دوسری ضرب لگائی اور اس کو قتل کر ڈالا۔

پھر مشرکوں کی صف میں سے عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید میدان میں نکلے اور مقابلہ کے لئے للکارا تو ان کے مقابلہ پر انصار کے تین نوجوان میدان میں کودے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے شرم آئی اور آپ نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ کافروں سے مسلمانوں کی پہلی لڑائی ہی میں انصار آگے آئیں بلکہ آپ نے یہ پسند کیا کہ آپ کے چچازاد بھائیوں اور قوم والوں کے سامنے لڑنے کے لئے آپ کی قوم کے مہاجرین آگے آئیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: اے بنو ہاشم یہ مشرک باطل کے ذریعہ اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں تم اس حق کو لے کر ان کے مقابل آجاؤ جو تمہارے نبی لے کر آئے ہیں۔

چنانچہ حضرت علی، حمزہ اور عبیدۃ بن الحارث آگے آئے اور دشمنوں کے سامنے پہنچ گئے تو عتبہ نے اپنے بیٹے سے کہا: اے ولید آگے بڑھ جاؤ چنانچہ وہ آگے بڑھا اور حضرت علی نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر عتبہ خود آگے بڑھا اور حضرت حمزہ نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔ پھر شیبہ کھڑا ہوا اور حضرت عبیدہ اس کے سامنے آ گئے تو شیبہ نے حضرت عبیدہ پر وار کیا جس سے وہ زخمی ہو گئے اور ان کی پنڈلی کٹ گئی۔ حضرت حمزہ و علی نے جب یہ صورت حال دیکھی تو شیبہ پر جھپٹ پڑے اور اس کو قتل کر کے حضرت عبیدہ کو مسلمانوں کی صف میں لے آئے اور وہیں حضرت عبیدہ شہید ہو گئے۔ ٹھیک اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

((قوموا إلى جنة عرضها السموات والأرض)) اس جنت کو حاصل کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ جس کا عرض آسمانوں و زمین کے برابر ہے۔

حضرت عمیر بن الحمام نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنت کے اس وعدہ کو سنا تو فرمایا:

میرے اور جنت کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہے کہ مجھے یہ کافر قتل کر ڈالیں اور ان کے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں وہ پھینک دیں اور پھر لڑتے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

مسلمانوں اور کافروں کی جماعتیں جب ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی میں کنکر لئے اور قریش کی طرف منہ کرکے یہ فرماتے ہوئے ان کی طرف پھینک دئے: چہرے مسخ ہو جائیں، چہرے بگڑ جائیں۔ چنانچہ کافروں میں سے کسی کافر کا بھی چہرہ نہ بچا مگر یہ کہ اس کی آنکھ منہ اور ناک پر یہ کنکر لگے اور ابھی کافر اپنے آپ کو تیار ہی کر رہے تھے کہ مسلمان ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں قتل کرنا، قید کرنا اور ان کا مال لوٹنا شروع کر دیا اور اللہ تعالےٰ نے انہیں فتح مبین عطا فرما دی۔

جب جنگ ختم ہو چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مقتولین میں ابوجہل کو تلاش کیا جائے اور اگر اس کے تلاش کرنے میں

کوئی وقت ہو تو آپ نے اس کی نشانی اور پہچان بھی انہیں بتلا دی۔ چنانچہ تلاش کرتے کرتے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب اس تک پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ آخری سانس لے رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھا اور ایک ضرب لگا کر اس کا سر قلم کر دیا۔

اس طرح سے قریش کے سردار، کفر کے سرغنہ قتل کر دئے گئے۔

کفار کے مقتولین کی تعداد ستر تھی۔ اور ستر آدمی ہی قیدی بنا لئے گئے تھے۔ مسلمانوں میں سے چودہ آدمی شہید ہوئے تھے جن میں سے چھ مہاجرین میں سے تھے اور آٹھ مدینہ منورہ کے انصار میں سے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی لاشوں کو کنوئیں میں ڈالنے کا حکم دیا اور ان کو کنوئیں میں ڈال کر اوپر سے کنواں بند کر دیا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقتولین اور ان کے والدین کے نام لے کر پکار کر فرمایا۔

تم لوگ بہت بری جماعت اور برے قبیلہ والے ہو۔ بتلاؤ تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے وہ سچا پا لیا۔ اس لئے کہ مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ میں نے سچا پا لیا ہے، تم لوگوں نے میری تکذیب کی مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم لوگوں نے مجھے میرے گھر سے نکالا اور لوگوں نے مجھے ٹھکانا دیا۔ تم لوگوں نے مجھ سے جنگ کی لیکن اور لوگوں نے میری مدد کی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے آپ سے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! آپ ایسے لوگوں کو پکار رہے ہیں جو مر چکے ہیں
تو آپ نے فرمایا، وہ لوگ جان چکے ہیں کہ ان کے رب نے ان سے جو وعدہ
کیا تھا وہ سچا تھا۔ پھر آپ ابوجہل کی لاش کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:
اس شخص نے فرعون سے زیادہ اللہ کی سرکشی کی اس لئے کہ فرعون کو
جب اپنے ہلاک ہونے کا یقین ہو گیا تو اس نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار
کر لیا تھا لیکن یہ ایسا ظالم نکلا کہ اس کو جب اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو اس
نے لات وعزیٰ نامی بتوں کو پکارا۔

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مکمل فتح
عطا فرمادی تو آپ نے کامیابی کی خوشخبری سنانے کے لئے حضرت زید بن حارثہ
اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کو اہل مدینہ کے پاس بھیجا۔ چنانچہ یہ
خوشخبری سن کر مسلمان خوش ہوئے اور یہود اور منافقین اس سے نہایت
افسردہ اور غمگین ہوئے۔

مال غنیمت تقسیم ہوتے وقت بعض مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو
گیا۔ چنانچہ کچھ نوجوانوں نے کہا کہ: مال غنیمت ہمارا ہے اس لئے کہ ہم نے
اپنی قوت بازو اور طاقت کے ذریعہ دشمن کو شکست دی ہے۔ بوڑھے
حضرات نے کہا: ہم تمہاری حفاظت کر رہے تھے اور تمہاری پشت سے
حملہ آوروں کو روک رہے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے اللہ کے رسول کیا آپ شہسواروں اور طاقتوروں کو اتنا ہی حصہ
دیں گے جتنا کمزوروں کو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں تم کو گم
کر ڈالے، تمہارے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہی تو تمہاری مدد ہوتی ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مندرجہ ذیل وحی نازل فرمائی:

«يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ
قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ
بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ»
(الانفال - ۱)

آپ سے پوچھتے ہیں حکم مال غنیمت
کا آپ کہہ دیجئے کہ مال غنیمت
اللہ کا ہے اور رسول کا سو ڈرو
اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم
مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اگر
ایمان رکھتے ہو۔

پھر ایک اعلان کرنے والے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
سے یہ اعلان کیا کہ: جس شخص نے کسی کو قتل کیا ہو اس کا ساز و سامان اسی
کو ملے گا اور جس نے کسی کو قید کیا ہے تو وہ قیدی اسی کا ہے اور جو مال لشکر
میں ملا اور بغیر جنگ کے حاصل کیا گیا ہے وہ تمہارے درمیان تقسیم ہوگا۔

چنانچہ لوگوں نے گردن جھکادی اور مال غنیمت کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے حوالہ کر دیا تاکہ آپ اس کو اللہ کے فیصلہ کے مطابق تقسیم فرما

دی۔ قیدیوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے کفر و عناد کی سزا کے طور پر انہیں قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول یہ آپ کی قوم و قبیلے والے ہی تو ہیں، اللہ نے آپ کو ان پر کامیابی و فتح عطا فرمائی ہے۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ آپ ان کو زندہ رکھیں اور ان کے بدلے فدیہ قبول کرلیں تاکہ وہ مال کافروں کے برخلاف ہمارے کام آسکے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کافروں کو ہدایت دے دے اور یہ کافر مسلمان ہوجائیں اور مسلمانوں کے مددگار بن جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے یعنی فدیہ لینے کو اختیار فرمایا اور جو صاحب حیثیت تھے ان سے فدیہ لے لیا اور جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ مدینہ منورہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور جو غریب و محتاج تھے لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے ان کو روکے رکھا اور اس طرح سے اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیاب فرمایا اور آپ فتحیاب و کامیاب ہوکر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، اللہ نے آپ کو روئے زمین کا مالک بنا دیا۔ آپ مدینہ منورہ ثنیۃ الوداع کے راستہ سے داخل ہوئے تھے۔ غزوہ بدر کی وجہ سے مشرکوں اور منافقوں کی بڑی ذلت ہوئی اور ان کی ہمتیں پست ہوگئیں۔

اور مدینہ کے یہود مسلمانوں کے سامنے جھک گئے اور بہت سے عناد رکھنے اور تکبّر کرنے والے اسلام میں داخل ہوگئے۔

مکّہ کے قریش اس رسواکن شکست اور اپنے آدمیوں اور سرداروں کے مارے جانے پر ایک مہینہ تک سوگ مناتے رہے، عورتوں نے اپنے شوہروں اور بچّوں کے قتل ہونے اور قید ہونے پر اپنے بال کاٹ ڈالے۔

کفار قریش کو جو یہ قتل و غارت، سزا و قید اور بھاری بھرکم مالی وجانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس کی ذلت و رسوائی کی وجہ سے صفوان بن امیہ نے عمیر بن وہب کے لیے یہ انعام مقرر کیا کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالے تو وہ اس کے قرضوں کا بوجھ اٹھالے گا اور اس کے اہل وعیال کی تربیت اور اخراجات کا کفیل و ذمہ دار بن جائے گا۔

چنانچہ عمیر مدینہ منورہ آیا اور تلوار لٹکاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتا ہوا مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے اس سے پوچھا۔ اے عمیر کیسے آئے ہو؟ انہوں نے کہا میں آپ سے ایک قیدی کے بارے میں گفتگو کرنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر تلوار لانے کا کیا مقصد ہے؟ عمیر نے کہا: اللہ تعالےٰ تلواروں کا بیڑہ غرق کرے یہ کیا فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ہوا یہ کہ جب میں چلنے لگا تو بھول گیا اور تلوار میری گردن میں لٹکی رہ گئی۔

إن الله وملائكته يصلون
على النبي يا أيها الذين آمنوا
صلوا عليه وسلموا تسليما

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمیر سچ بتلاؤ تم کس مقصد سے آئے ہو؟ عمیر نے جواب دیا۔

میں تو اپنے قیدی کے سلسلہ میں ہی آیا ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حطیم کے پاس تم نے صفوان بن امیہ سے کیا طے کیا تھا؟ تم دونوں کا اس جگہ باہمی کیا معاہدہ ہوا تھا؟ عمیر یہ سن کر گھبرا گیا اور پھر کہنے لگا۔ بتلایئے میں نے اس سے کیا شرط لگائی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے مجھے قتل کرنے کی ذمہ داری اس شرط پر اٹھائی تھی کہ وہ تمہارے قرضے ادا کرے گا اور تمہارے بچوں کی دیکھ بھال و پرورش کرے گا۔ لیکن کان کھول کر سن لو کہ خدا میرے اور تمہارے درمیان حائل ہے تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

عمیر نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ سچے ہیں اور یہ کہہ کر وہ مسلمان ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

اپنے بھائی کو قرآن کریم سکھلاؤ اور اس کے قیدی کو آزاد کردو۔ پھر عمیر مکہ مکرمہ چلے گئے اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کی دعوت دینے لگے۔ چنانچہ ایک بڑی جماعت ان کے ذریعہ سے مسلمان ہوئی۔

۳۰

حدیث

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(مسلم شریف)

۱۳

اسلام کی فتح

«وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ» (الانفال - ۵۸)

اور اگر آپ کو ڈر ہو کسی قوم سے خیانت و دغابازی کا تو رد کر دیں ان کا عہد ان کی طرف ایسی طرح پر کہ ہو جائیں آپ اور وہ برابر بے شک اللہ پسند نہیں کرتا دغابازوں کو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہود سے ڈر لگا رہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر میں کفار قریش پر فتح حاصل کر کے مدینہ منورہ لوٹے تھے لیکن آپ کو یہود کی طرف سے کھٹکا لگا رہتا تھا، آپ ان کی عداوت، غدر اور مکاری سے خائف تھے اسی لئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بنی قینقاع والوں سے ڈر لگا رہتا ہے۔

بنو قینقاع یہود کی جماعتوں میں سے ایک جماعت تھی جو یہودیوں میں سے سب سے زیادہ مکار اور دھوکے باز تھی۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہا کرتے تھے ان کی اپنے علاقے میں تجارت

اور سناروں کی دکانیں تھیں۔

مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح اور مسلمانوں کے دشمنوں قریش کی شکست کی خبر کو نہایت خوشی و سرور سے سنا۔ اس کے برخلاف اوس و خزرج کے منافقین اور یہود کو اس خبر سے سخت دکھ و صدمہ ہوا اور زبردست دھچکہ لگا اور وہ اندر ہی اندر غصے سے سلگنے لگے حتیٰ کہ جب انہیں اس فتح کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے دل کے غم اور بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے اس خبر کی تصدیق کرنے اور اسے ماننے سے انکار کر دیا اور باوجود اس بات کے کہ وہ دیکھ چکے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام لانے والے حضرت زید بن حارثہ و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما اہل مدینہ کو فتح و کامیابی کی بشارت سنا چکے ہیں اور یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ قریش کے سرداروں میں سے فلاں فلاں سردار مارے گئے ہیں لیکن پھر بھی وہ حجت بازی کرتے رہے اور اس خبر کو جھٹلاتے رہے اور جب انہوں نے دیکھا کہ زید بن حارثہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قصواء نامی اونٹنی پر سوار آرہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مارے گئے ہیں یا مسلمانوں کو شکست ہو گئی ہے ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو زید بن حارثہ قصواء نامی اونٹنی کیوں لے کر آتے۔

اور پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قریش کے گرفتار قیدیوں سمیت مدینہ منورہ پہنچ گئے اور خوشخبری سنانے والوں

کی خوشخبری بالکل سچی ثابت ہو گئی تو ان کو شدید غم و غصہ نے گھیر لیا اور وہ اندر ہی اندر جلنے لگے اور جب اوس و خزرج کے منافقوں نے یہ مشاہدہ کر لیا کہ اسلام فتحیاب ہو رہا ہے اور اس کی روشنی پھیلتی جا رہی ہے تو ان کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی صفوف میں داخل ہو جائیں۔

لیکن بنو قینقاع کے یہودیوں نے کھلم کھلا عناد و دشمنی شروع کر دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے پر ان کے ساتھ صلح و آشتی کا جو عہد کیا تھا ان یہودیوں نے اس کو توڑنا اور اس کی مخالفت شروع کر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبیلوں کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا تھا اور آپ کا لایا ہوا دین برابر پھیل رہا تھا اور قریب تھا کہ اسلام کے ذریعہ مدینہ منورہ کے تمام گھر روشن و منور ہو جائیں اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں اور مشرکوں کے ساتھ مسلح جنگ بھی کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ آپ کو فتح بھی دے رہا تھا جس کی وجہ سے عرب قبائل کے دلوں میں آپ کا رعب بیٹھتا جا رہا تھا اور جزیرہ کے باشندوں پر خوف چھایا ہوا تھا۔

یہود مسلمانوں کے خلاف اپنے معاندانہ عزائم چھپانے سے عاجز آ چکے تھے۔ چنانچہ ان کے دلوں میں غیرت کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے کھلم کھلا دشمنی شروع کر دی اور نفاق و ریاکاری کی نقاب کو اتار پھینکا اور مسلمانوں

کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا اور اپنے قول و فعل سے انہیں تکلیف پہنچانے لگے۔

یہودیوں اور اوس و خزرج کے منافقین میں ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمانوں کی ہجو و مذمت کیا کرتے تھے اور اسلام کو برا بھلا کہتے تھے اور اس کے خلاف اشعار کہتے اور مسلمانوں کی ایذا اور رسانی پر ابھارنے کے لئے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ دشمنی اور عداوت میں ان سب میں آگے آگے ابو عفک اور کعب بن اشرف یہودی تھے۔

مسلمان ان لوگوں کی ان حرکتوں کو دیکھتے رہتے تھے لیکن باوجود سخت غصہ اور تکلیف و غم کے ان کے خلاف کچھ کر نہیں سکتے تھے لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ غزوہ بدر کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں سے کامیاب و کامران واپس لوٹے تو اس فتح کا مسلمانوں پر باطنی طور پر بہت اچھا اثر پڑا جس کی وجہ سے وہ جری ہو گئے اور اب وہ ان لوگوں کی عیاریوں کی تردید میں ذرا بھی خوف محسوس نہیں کرتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کی برائی کیا کرتے تھے۔

لیکن پھر بھی مسلمانوں اور بنو قینقاع کے یہودیوں کے درمیان نوک جھونک چلتی ہی رہی حتیٰ کہ ایک دن ایسا ہوا کہ انصار کی عورتوں میں سے ایک عورت زیور کی خریداری کے سلسلہ میں ایک یہودی سنار کے پاس گئی، سنار اور اس کے ساتھ بیٹھنے والے یہودی یہ کوشش کرنے لگے کہ وہ

عورت اپنا نقاب ہٹا دے لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان یہودیوں میں سے ایک یہودی چپکے سے اس عورت کے پیچھے آیا اور اس کے کپڑے کا ایک کنارہ پچھلی جانب ایک کانٹے میں پھنسا دیا۔ جب وہ عورت کھڑی ہوئی تو اس کے جسم کا کچھ حصہ کھل گیا اور یہودی یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگے۔ وہ عورت چیخنے چلانے اور رونے لگی۔ اس کی چیخ و پکار کی آواز سن کر ایک مسلمان وہاں پہنچ گیا اور صورت حال دیکھ اور سن کر اپنے اوپر قابو نہ کر سکا اور سنار پر جھپٹ پڑا اور اس کو زمین پر گرا دیا۔ یہ دیکھ کر یہودی اس مسلمان پر پل پڑے اور اس کو قتل کر ڈالا اور اس طرح سے ان یہودیوں نے وہ معاہدہ توڑ ڈالا اور مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان جو عہد تھا وہ ٹوٹ گیا۔

اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو ان کی بازار میں جمع کیا اور سمجھاتے ہوئے ان سے فرمایا۔

اے یہود کی جماعت بخدا تم اس بات کو بخوبی جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، دیکھو تم لوگ اس سے پہلے مسلمان ہو جاؤ کہ تم پر بھی وہی آفت آن پڑے جو قریش مکہ پر پڑی تھی، لیکن یہود نے تکبر و سرکشی کا مظاہرہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب دیا کہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ ان لوگوں کی وجہ سے دھوکہ میں نہ پڑیں جن سے آپ کا مقابلہ ہوا تھا۔ اس لئے کہ آپ ایسی قوم پر فتحیاب ہوئے ہیں جو جنگ سے ناواقف تھی بخدا ہم لوگ تو جنگجو

اور لڑاکا ہیں اگر آپ ہمارے ساتھ لڑیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کا ہم جیسوں سے سابقہ نہیں پڑا۔

اس طرح سے عداوت کھل کر سامنے آگئی اور کھلم کھلا عہد کو توڑ دیا گیا اور مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان بغض و حسد اور زیادہ بڑھ گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا اور آپ نے یہودیوں کے محاصرہ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ ان کے قلعوں اور گھروں کا پندرہ دن تک اس طرح محاصرہ کیا کہ وہ نہ اپنے گھر سے نکل سکتے تھے اور نہ کوئی شخص ان کے پاس کھانے پینے کی چیز لے جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ جب سخت پریشان و مجبور ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اور آپ کے فیصلہ کو قبول کرنے پر رضامند ہو گئے تو مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے لیکن ان یہودیوں اور مسلمانوں کا حلیف عبداللہ بن ابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی سفارش کے لئے یہ کہتا ہوا آیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے دوستوں کے ساتھ احسان کیجئے۔

لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں سے عموماً اور بنی قینقاع کے مسلمانوں کے ساتھ برے برتاؤ کی وجہ سے ان سے خصوصاً سخت ناراض و نالاں تھے اس لئے آپ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی نے دوبارہ عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے

حلیفوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیجئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر بھی اعراض کیا۔ لیکن عبداللہ بن ابی تب بھی نہ خاموش رہا اور نہ مایوس ہوا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی سفارش یہ کہہ کر کرنے لگا۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چار سو غیر زرہ پوش اور تین سو زرہ پوش افراد نے مجھے عرب و عجم سے بچایا ہے، آپ ان سب کو ایک دن میں ختم کر ڈالیں گے۔ بخدا مجھے تو بڑی بڑی آفات و مصائب سے ڈر لگتا ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: جاؤ ان کو تمہارے کہنے پر چھوڑتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب مسلمانوں کی توقع کے بالکل برخلاف تھا اس لئے کہ مسلمانوں کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو معاف کر دیں گے جنہوں نے خود آپ کو اور مسلمانوں کو تکالیف پہنچائیں تھیں اور ان کو دوبارہ اپنے پڑوس میں رہنے کی اجازت دے دیں گے تاکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ پھر پہلے کی طرح فتنہ انگیزی کریں۔

لیکن تھوڑی سی دیر میں مسلمانوں کی اس پریشانی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم نے دور فرما دیا جس کے ذریعہ آپ نے بنو قینقاع کو یہ حکم دیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ تین دن کے اندر وہ مدینہ منورہ سے اس طرح نکل جائیں کہ وہ اپنے ساز و سامان میں سے اپنے ساتھ

صرف وہ چیزیں لے جائیں جس کی ان کو اجازت دی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے مدینہ سے اخراج اور ان کے بارے میں اپنے
فیصلہ کو ان پر نافذ کرنے کے لئے اپنا وکیل حضرت عبادہ بن صامت کو
بنایا جو پہلے بنو قینقاع کے حلیف تھے بعد میں ان سے معاہدہ ختم کر لیا تھا۔

بنو قینقاع نے جب یہ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے
ساتھ نہایت بردباری اور تحمل سے کام لیا ہے تو یہ دیکھ کر انہوں نے حضرت
عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست کی کہ وہ ان کو مدینہ منورہ
سے نکلنے کے سلسلہ میں مقررہ مدت کے علاوہ کچھ وقت کی مہلت نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سے اور لے دیں۔ لیکن حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ نے اس
سلسلہ میں ان کی ہر درخواست اور التماس کو یہ کہہ کر رد کر دیا: نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے تمہیں جو مہلت دی ہے ہم تمہیں اس سے ایک گھنٹہ بھی زیادہ
مہلت نہ دیں گے۔

عبداللہ بن ابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حلم و بردباری
کو دیکھ کر ایک ہاتھ اور آگے بڑھا اور اس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آپ کی
خدمت میں دوبارہ حاضری دے اور آپ سے یہ درخواست کرے کہ آپ
بنو قینقاع کو معاف کر دیں اور ان کو اپنے گھروں میں رہنے کی اجازت
مرحمت فرما دیں لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اجمعین عبداللہ بن ابی کی آمد کی وجہ جانتے تھے اس لئے انہوں نے اسے آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ سے ہی واپس کر دیا لیکن وہ اڑ گیا اور ان کے
ساتھ جھگڑنے لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔

یہود کو جب عبداللہ بن ابی کے اس ارادے اور اس سلسلہ میں
اس کو جو تکلیف پہنچی اس کا علم ہوا تو انہوں نے کہا: اے ابی کے بیٹے! بخدا
ہم ایسے شہر میں ہرگز نہ ٹھہریں گے جس میں تمہارا سر پھاڑا جائے اور ہم تمہاری
طرف سے مدافعت کرنے کی ہمت و طاقت نہ رکھتے ہوں۔ اور اس طرح
سے ان یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نہایت بے آبرو کر کے نکال دیا گیا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ساتھ تھے اور ان
یہودیوں کے ہمراہ ان کی عورتیں اور بچے اور وہ سامان تھا جس کے لے جانے
کی انہیں اجازت دی گئی تھی۔ وہاں سے چل کر یہ یہود شام کی حدود میں واقع
ایک شہر اذرعات میں جا کر مقیم ہو گئے۔ جاتے وقت یہود اپنے مکانات
قلعوں ہتھیاروں اور ڈھالنے اور سنار کا سامان کو چھوڑ گئے تھے جو سب کا
سب مسلمانوں کے لئے ایک خوش کن مال غنیمت بنا۔

یہود کے مدینہ منورہ سے اس طرح بدر کئے جانے نے اس بات
کو واضح کر دیا کہ مسلمانوں کا حکم چلنے لگا ہے اس لئے کہ مسلمان طاقت ور
قوی ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ کر بنو قریظہ اور بنو النضیر کے وہ یہودی جو مدینہ

منورہ میں رہتے تھے وہ بھی ڈرنے لگے اور جزیرہ کی سرزمین میں جو دیگر
عرب قبائل تھے وہ بھی لرزہ براندام ہو گئے۔ اگرچہ ان میں سے بعض یہ
بھی سوچ رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کر لی جائے
تاکہ آپ کی قوت کمزور پڑ جائے اور معیشت ختم ہو جائے لیکن وہ جیسے ہی
اس غرض کے لئے جمع ہوتے اور ان کو یہ علم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
ان کا رخ کر رہے ہیں تو فوراً تتر بتر ہو کر صحراؤں اور پہاڑ کی گھاٹیوں
میں چھپ جاتے تھے۔

مسلمانوں کے سامنے ایک متکبر سرکش قسم کا یہودی آتا جاتا رہتا تھا جس
کو اپنے حسن و جمال، مال و دولت اور طاقت و قوت پر بڑا ناز تھا۔ اس شخص کا
نام کعب بن الاشرف تھا۔ کعب بن اشرف یہود کے ایک قبیلہ بنو قریظہ کا حلیف
تھا۔ اس کی ماں کا تعلق بنو النضیر کے یہودیوں سے تھا۔ کعب بنو قریظہ اور
بنو نضیر کے یہودیوں کی طرح مدینہ منورہ کے باہر ایک قلعہ میں رہتا تھا۔

کعب بن اشرف ان یہودیوں میں سے تھا جو مسلمانوں کے شدید دشمن
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت بغض رکھتے تھے۔ چنانچہ جب اس
کو یہ خبر ملی کہ جنگ بدر میں مسلمان فتحیاب ہو گئے ہیں اور بہت سے مشرکین
قتل کر دئے گئے ہیں تو اس نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا اور
اردگرد بیٹھنے والوں کی طرف متوجہ ہوا اور نہایت دہشت اور گھبراہٹ

کے عالم میں کہنے لگے۔

کیا یہ بات واقعی درست ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں
کو قتل کر دیا ہے جن کے بارے میں یہ دونوں آدمی تذکرہ کر رہے ہیں یعنی جن
کا نام زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ لے رہے ہیں۔

ہوا یوں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کو خوشخبری
سنانے اور فتح کی بشارت دینے کے لئے ان دونوں حضرات کو مدینہ منورہ
پہلے بھیج دیا تھا اور یہ دونوں جلد ہی مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور لوگوں کو
فتح و کامیابی کی خوشخبری سنانے لگے تھے اور جو قریش کے سردار مارے گئے
تھے ان کے نام لوگوں کو بتلا رہے تھے کہ کعب نے بھی ان کی بات چیت سن
لی تو اس کو بہت حیرت اور تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا۔

یہ تو عرب کے نہایت معزز اور بڑے لوگ تھے اور لوگوں کے بادشاہ
تھے بخدا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کو مار ڈالا ہے تو پھر زمین
کے اوپر زندہ رہنے سے مر کر زمین کے پیٹ میں چلا جانا بہتر ہے۔

پھر جب کعب کو اس خبر کی صحت یقینی طور سے معلوم ہو گئی اور ان
پیغام لانے والوں کی تصدیق ہو گئی تو اس پر صبر نہ کر سکا اور روتا پیٹتا مکہ مکرمہ
چلا گیا اور وہاں جا کر اسلام اور مسلمانوں کی مذمت میں اشعار کہنے لگا تاکہ ان
کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو ابھارے اور مسلمانوں پر عیب لگائے۔

اور جو کفار قریش مارے گئے تھے اور انہیں کنوئیں میں دفن کر دیا گیا تھا ان
پر بین کرنے لگا۔

کعب بن الاشرف کو قریش میں ایسے لوگ مل گئے جو اس کی بات پر لبیک
کہتے اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف
اشعار کہنے اور پڑھنے لگے تھے۔ قریش میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اس
کا اعزاز و اکرام اور میزبانی بھی کی اور اس طرح کعب اس بات میں کامیاب
ہو گیا کہ قریش حتیٰ کہ ان کی عورتوں تک کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف
بھڑکاتے۔ چنانچہ عورتوں نے مقتولین بدر پر اشعار لکھے اور پڑھے اور محمد
صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف اہل مکہ کے بغض و حسد کو خوب
بڑھایا اور مسلمانوں کی خوب مذمت و ہجو کی اور ان کے خلاف اتنا اکسایا اور
ابھارا کہ مردوں میں حمیت اور غیرت پیدا ہو گئی اور پورا مکہ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم اور مسلمانوں کے خلاف ہانڈی کی طرح پکنے لگا۔

کعب بن الاشرف کے بغض و حسد کو اس سے بھی سکون حاصل نہیں
ہوا اور نہ اس کے کینہ میں کوئی کمی آئی بلکہ وہ دوبارہ مدینہ منورہ واپس آیا اور
مسلمانوں کی عورتوں کے بارے میں عشقیہ اشعار کہنے لگا اور ان کی شان میں
گستاخی اور ان کی عزت و وقار کو مجروح کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ کر مسلمانوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور کعب

ابن الاشرف کو مباح الدم قرار دے دیا گیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے
اس کو قتل کرنے کے لئے جانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ایک صاحب جن کا نام
سلکان بن سلامۃ تھا اور ابو نائلہ کے نام سے مشہور تھے اور وہ کعب کو جانتے
تھے وہ اس کے پاس گئے اور اس کے پاس جا کر بات چیت کرنے لگے اور
بات کرتے کرتے اس نے کہا: میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں کیا تم اس
کو مخفی رکھ سکو گے؟ کعب نے کہا: جی ہاں میں اسے راز رکھوں گا۔

ابو نائلہ نے کہا: ان صاحب (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا آنا ہمارے
لئے بڑے ابتلاء اور آزمائش کا سبب بن گیا ہے اس لئے کہ ان کی وجہ سے
اہل عرب ہمارے دشمن بن گئے ہیں اور سب کے سب ہماری مخالفت میں ایک
پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے ہمارے لئے زندگی اور کمائی کے
دروازے بند کر دئے ہیں جس کی وجہ سے بیوی بچے فاقوں پر مجبور ہو گئے
اور ہم سخت مصائب کا شکار ہو گئے اور ہم اور ہمارے اہل و عیال تنگ
ہو چکے ہیں۔

ابو نائلہ کی بات سن کر کعب نہایت خوش ہوا اور کہنے لگا: میں
اشرف کا بیٹا ہوں بخدا اے ابن سلامہ میں تمہیں پہلے ہی بتلا چکا تھا کہ
صورت حال یہی ہو گی اور معاملہ یہاں تک پہنچے ہی گا۔ ابو نائلہ نے کہا: میں
یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے اور میرے ان ساتھیوں کے ہاتھ جو میری جیسی رائے

رکھتے ہیں کچھ کھانے پینے کا سامان فروخت کر دو اور اس کے مقابلہ پر ہم تمہارے پاس اپنا اسلحہ رہن رکھ دیں گے۔ کیا آپ کو یہ منظور ہے؟

کعب نے کہا: جی ہاں منظور ہے اس لئے کہ اسلحہ اس کی قیمت کے برابر کا ہی ہے۔

ابو نائلہ اور کعب بن اشرف کے درمیان یہ طے ہوا کہ ابو نائلہ اور ان کے ساتھی کعب کے پاس چپکے سے اسلحہ لے کر آیا کریں گے اور اس کے بدلے اپنی ضرورت کا کھانے پینے کا سامان لے لیا کریں گے۔ ایک چاندنی رات کو کعب بن اشرف اپنے قلعہ میں اپنی نو بیاہتا دلہن کے پہلو میں لیٹا ہوا تھا کہ اس نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی اور اس نے پہچان لیا کہ ابو نائلہ کی آواز ہے لہٰذا وہ اپنے بستر سے کھڑا ہوا تاکہ باہر جا کر ابو نائلہ سے ملاقات کرے لیکن اس کی بیوی نے خوف و ڈر کی وجہ سے اسے روکنا چاہا لیکن کعب نے نہایت اصرار سے باہر نکلنا چاہا تاکہ معلوم کر سکے کہ ابو نائلہ کیا چاہتے ہیں۔

جب کعب باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ ابو نائلہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ باہر کھڑے ہیں سب کے ہاتھوں میں ہتھیار ہیں۔ چونکہ ابو نائلہ اور کعب میں یہ بات پہلے سے طے ہو چکی تھی کہ وہ اور ان کے ساتھی ہتھیار دلائیں گے اور ان کے بدلے کعب سے مطلوبہ کھانے پینے کا سامان لے لیں گے اس لئے کعب ان لوگوں کو دیکھ کر ذرا بھی شک میں نہ پڑا۔

کعب باہر آیا اور بلا کسی خوف و خطر ان سے ملا اور جب ابو نائلہ نے اس سے کہا کہ تھوڑا سا ہمارے ساتھ چل کر بات چیت طے کر لو تو وہ بلا کسی تردد کے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ راستہ میں چلتے چلتے ابو نائلہ اپنا ہاتھ کعب کے سر پہ پھیرنے لگا اس کے سر پر خوشبو اور عطر ملا ہوا تھا۔ ابو نائلہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر سونگھنے لگے اور کہنے لگے۔ میں نے اس سے زیادہ اچھی خوشبو آج تک کبھی نہیں سونگھی۔

وقفہ وقفہ سے ابو نائلہ کعب کے ساتھ یوں ہی کرتے رہے۔ کعب نہایت مطمئن تھا کہ اچانک ابو نائلہ نے اپنا ہاتھ کعب کے سر پر رکھا اور ظاہر یہ کیا کہ وہ پہلے کی طرح کریں گے لیکن اس مرتبہ انہوں نے اس کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اللہ کے اس دشمن کو مار ڈالو۔ یہ سننا تھا کہ ابو نائلہ کے ساتھی کعب پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں اور نیزوں سے اس پر حملہ کر دیا اور اس کو اس وقت تک مارتے رہے جب تک اس کی جان نکل نہیں گئی۔

اور اس طرح سے بنو قینقاع کے یہودیوں کو مدینہ منوّرہ سے نکالنے اور کعب بن اشرف کے قتل سے یہود کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا اور وہ مسلمانوں کی قوّت سے خوف زدہ اور ان کی گرفت و طاقت سے دہشت زدہ رہنے لگے۔

اس عرصہ میں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان اہم کاموں میں مشغول رہے تھے جن کا نتیجہ غزوہ بدر میں فتح کی صورت میں ظاہر ہوا تھا، ان کے علاوہ اور بھی دیگر مسائل تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشغول کر رکھا تھا اور ساتھ ساتھ آپ کبھی کبھار چھوٹے موٹے غزوات میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ بعض قبیلے والوں کے پاس جاتے تھے اور پھر مدینہ منورہ واپس آجاتے تھے۔

ان دنوں ایک مسئلہ جنگ بدر میں گرفتار ان قیدیوں کا بھی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو قتل کرنے کے بجائے فدیہ لینے کا حکم دیا تو قریش نے ان کے فدیہ دینے کے مسئلہ میں تاخیر شروع کر دی تاکہ مسلمان فدیہ کی رقم نہ بڑھا دیں جس کی وجہ سے ان پر دو غم جمع ہو جائیں۔ ایک ان کے بہادروں کے قتل ہونے کا اور دوسرے مال کے چلے جانے کا۔

اور اس طرح سے یہ تھوڑا سا عرصہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ یہ تمام وقت جنگ و جہاد اور لڑائی اور معرکوں اور اسلام کی سربلندی کے لئے جہاد میں گذرا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوات اور جنگوں کے درمیان صلح کا حصہ بھی آرام سے نہیں گذار پاتے تھے اسی لئے کہ اس عرصہ میں آپ ایک دوسرا جہاد لڑتے تھے اور وہ تھا مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد برقرار رکھنا، اس طرح

ان کی صفائی و طہارت کے لئے آپ کو اچھی خاصی محنت کرنا پڑتی تھی اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اپنے اور اپنے خاص ساتھیوں اور مشیروں و معتربین کے درمیان ان اسباب اور طریقوں کو اختیار کرتے تھے جو دوستی و محبت کو بڑھانے اور آخرت کے اسباب کو قوی کرنے والے ہوں۔

اس الفت و محبت اور تعلق کے اسباب بڑھانے کے سلسلہ میں آپ جو راستہ اختیار کرتے تھے ان میں سے ایک راستہ باہمی رشتے اور شادی کا بھی تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت عائشہ سے ان کی نوعمری ہی میں مکہ مکرمہ میں نکاح کر لیا تھا۔ پھر جب مدینہ منورہ میں حالات نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اور مسلمانوں کے حق میں سازگار ہو گئے تو حضرت ابوبکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ آپ کے لئے اپنی اہلیہ کی رخصتی کرانے میں کیا چیز رکاوٹ بن رہی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اے ابوبکر مہر کا میسر نہ ہونا۔

پھر جب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس مہر جمع ہو گیا تو آپ نے مہر حضرت ابوبکر کو بھیج دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت ام رومان کو حکم دیا کہ وہ عائشہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر

بھیجنے کے لئے تیار کر دیں۔ چنانچہ ام رومان حضرت عائشہ کے پاس آئیں جو
اس وقت اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ ایک جھولے میں کھیل رہی تھیں جو دو
کھجوروں کے درختوں کے درمیان باندھا گیا تھا، ام رومان نے عائشہ کو
آواز دی۔

حضرت عائشہ نے اپنی والدہ کی آواز پر لبیک کہا اور ان کے پاس
آگئیں۔ انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کے ہاتھ منہ دھلائے اور بالوں میں
کنگی کی اور پھر ان کو لے کر ان انصاری عورتوں کے پاس آئیں جو ان سے
ملنے گھر پر آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بھی ان کو آراستہ کیا اور پھر حضرت عائشہ
کو ان کی والدہ اپنے ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ
پر تشریف لے آئیں۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ
عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ سے نکاح کیا جو حضرت خنیس کی بیوی تھیں۔ حضرت
خنیس ابتدا ہی میں اسلام لے آئے تھے جب ان کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے نکاح کر لیا اور اس طرح سے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے دو ساتھیوں دوستوں اور وزیروں کے
درمیان رشتے کے ایک مضبوط بندھن سے تعلق کو مزید مضبوط و محکم کر لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان رشتہ داریوں اور نکاح کے ذریعہ

سے مسلمانوں کے لئے ایک شاندار مثال اور بہترین نمونہ پیش کیا اور وہ اس طرح
کہ وہ بیوائیں جن کے شوہر جہاد وغیرہ میں شہید ہو گئے ہیں اور
اپنے بچوں کو یتیم بنا گئے ہیں جن کی یہ بیوائیں ان بچوں کی کفالت کرنے سے
قاصر ہیں اور تنگدستی کا نشانہ بن گئی اور فاقہ مستی کا شکار ہو گئی ہیں مسلمانوں
کو چاہیئے کہ ان بیواؤں سے شادی کریں اور اس سلسلہ میں آپ کی پیروی
کریں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ سے شادی
کی جن کے شوہر جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے اور کثرت سخاوت اور احسان
کی وجہ سے ان کا نام ام المساکین (فقراء کی ماں) پڑ گیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ کا نکاح
اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب سے کر دیا تھا جو حضرت علی کے
والد ابو طالب جو کہ آپ کے چچا تھے انہوں نے آپ کے ساتھ نہایت
ہمدردی اور الفت کا اظہار کیا تھا اور آپ کو بالکل اپنے بیٹے کی طرح سے
رکھا تھا۔

غزوہ بدر میں جاتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی
حضرت رقیہ مرض الموت میں گرفتار تھیں اس وجہ سے آپ نے ان کے
شوہر حضرت عثمان بن عفان کو ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری کے لئے
مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔

پھر جب خوشخبری دینے والا اہل مدینہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی جنگ بدر میں فتح کی خوشخبری دینے آیا تو اس وقت اہل مدینہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر مٹی برابر کر رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کو اپنی صاحبِ فراش بیٹی کی رحلت کا صدمہ تھا اس لئے کہ آپ انہیں بیمار چھوڑ کر گئے تھے اور واپس تشریف لائے تو وہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر اس دنیا سے کوچ کر چکی تھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی اہلیہ کے انتقال کا سخت ملال تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تسلی دینے گئے تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا مجھ سے زیادہ بڑا صدمہ کسی کو پہنچا ہوگا؟ میرے اور آپ کے درمیان جو رشتہ تھا وہ منقطع ہو گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان سے محبت کرتے تھے اور ان سے خوش تھے حتیٰ کہ آپ یہ تک فرمایا کرتے تھے: میرے صحابہ میں عثمان عادات و اخلاق میں مجھ سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنی بہن رقیہ کی قائم مقام ہو گئیں۔

ام کلثوم کی شادی کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی

سے ملنے گئے تو ان سے پوچھا اے میری بیٹی تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟

حضرت ام کلثوم نے جواب دیا: پیارے ابّا جان بہترین اور اعلیٰ ترین شوہر ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب اس وقت تک مکہ مکرمہ میں ہی تھیں ان کے شوہر ابو العاص بن الربیع تھے اور وہ نہایت امانت دار اور شریف آدمی تھے لیکن وہ بھی قریش کے دوسرے افراد کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے دین پر ہی قائم تھے۔ قریش کے جو آدمی قیدی بنے تھے اور مسلمانوں کی گرفت میں تھے ان میں سے ابو العاص بھی تھے۔

قریش نے اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فدیہ کے طور پر مال بھیجا حضرت زینب نے بھی اپنے شوہر کی رہائی کے لئے فدیہ کے طور پر مال بھیجا جو مال حضرت زینب نے بھیجا تھا اس میں وہ ہار بھی تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور انہوں نے زینب کی رخصتی کے وقت ان کو دے دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وہ ہار دیکھا تو آپ کو سخت دکھ ہوا اور آپ کو بہت رحم آیا اور آپ نے صحابہ سے فرمایا: اگر تم یہ مناسب سمجھو کر زینب کے قیدی شوہر کو بھی آزاد کر دو اور اس کا ہار بھی اس کو واپس لوٹا دو تو ایسا کرلو۔

صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بالکل

ٹھیک ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کرنے سے پہلے ابو العاص سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ زینب کو چھوڑ دیں گے اور آپ کے پاس مدینہ منورہ بھیج دیں گے اس لئے کہ ابو العاص کے اسلام کے قبول نہ کرنے نے ان دونوں کے درمیان جدائی کر دی ہے۔ قریش نے ابو العاص پر پہلے ہی بہت زور ڈالا تھا کہ وہ بھی زینب کو اس طرح چھوڑ دیں جس طرح ابو لہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ اور ام کلثوم کو چھوڑ دیا تھا لیکن ابو العاص نے اس وقت یہ کہہ کر حضرت زینب کو چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا کہ:

میں اپنی رفیقۂ حیات کو نہیں چھوڑ سکتا اور اس کے بدلے قریش کی کسی دوسری عورت کو اس کا قائم مقام نہیں بنا سکتا۔

لیکن جب ابو العاص کو گرفتار کر لیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت زینب کو چھوڑنے کا حکم دیا اس لئے کہ مسلمان اور مشرک کے درمیان نکاح ہی نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص کو یہ بتلا دیا تھا کہ ان کے ساتھ زید بن حارثہ اور ایک اور ساتھی کو بھیجیں گے تاکہ ابو العاص مکہ کے قریب ایک متعین جگہ پر زینب کو ان کے حوالہ کر دیں۔

ابو العاص نے یہ بات قبول کر لی اور یہ وعدہ کر لیا کہ وہ آپ کے پاس

حضرت زینب کو بھیج دیں گے۔

جب ابو العاص مکہ مکرمہ واپس پہنچ گئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ حضرت زینب کو بتلا دیا اور اپنے بھائی کنانہ بن الربیع سے یہ کہا وہ زینب کے ساتھ جائیں اور قریش سے چھپ کر زینب کو مکہ سے لے کر نکل جائیں۔

ابھی حضرت زینب تیاری کر ہی رہی تھیں اور مکہ سے مدینہ منورہ سفر کے لئے ضروری ساز و سامان باندھ رہی تھیں کہ ان کے پاس ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ آگئی اور کہنے لگی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کیا مجھے یہ خبر صحیح ملی ہے کہ تم اپنے والد کے پاس جا رہی ہو؟

حضرت زینب کو اس بات سے بہت تعجب ہوا کہ باوجود اتنے اخفاء اور رازداری کے ان کے سفر کی خبر دوسروں تک کیسے پہنچ گئی۔ حضرت زینب کو یہ ڈر ہوا کہ اگر انہوں نے ہند کی بات کی تصدیق کر دی تو ان کو اور ان کے رفقاء کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ ہند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت دشمن ہے اس سبب سے حضرت زینب خاموش رہیں اور انہوں نے اس بات کی نہ تردید و تکذیب کی نہ تصدیق و تائید۔

ہند نے کہا: اے میری چچا زاد بہن!! اگر تمہیں کسی ایسے سامان کی ضرورت ہو جو تمہیں سفر میں کام دے سکے، یا مال چاہیے ہو جو گھر تک پہنچنے میں تمہاری معاون

کرے تو بتلا دیں تمہاری ضرورت پوری کر سکتی ہوں۔ اس لئے کہ جو اختلاف یا گڑبڑ مردوں میں ہو وہ عورتوں میں نہیں ہوتی اختلاف ہے تو مردوں میں ہے نہ کہ ہم عورتوں میں۔

حضرت زینب ہند کی گفتگو میں اگرچہ سچائی کی بو پا رہی تھیں لیکن پھر بھی اس کی دشمنی کو دیکھتے ہوئے وہ خاموش رہیں اور ہند کے سامنے صاف صاف کوئی بات نہ کی۔

جب حضرت زینب سفر کے لئے تیار ہو گئیں تو ایک روز صبح ہی صبح کنانہ بن الربیع ان کے لئے ایک اونٹ کو لے آئے جس پر ہودج کس دیا گیا تھا اور اس پر حضرت زینب کو سوار کر دیا اور پھر مکّہ سے اس طرح رخصت ہوا کہ اس نے اپنی کمان اور ترکش گلے میں لٹکایا ہوا تھا تاکہ بالفرض اگر راستہ میں کوئی مصیبت وحادثہ پیش آئے تو اس کا مقابلہ کر سکے۔

قریش نے حضرت زینب کے مکّہ سے نکل جانے کو محسوس کر لیا اور لوگوں میں یہ بات ہونے لگی۔ چنانچہ ایک جماعت نے یہ عزم کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف پہنچانے کے لئے حضرت زینب کو پکڑ کر واپس لے آیا جائے۔ چنانچہ ابوسفیان بن حرب سمیت کئی آدمی نکل کھڑے ہوئے اور حضرت زینب اور کنانہ کو ذی طوی مقام پر پکڑ لیا۔

قریش کی اس جماعت میں ہبار بن الاسود نامی ایک شخص تھا اس نے

ایک دم ہودج کا پردہ ہٹایا اور حضرت زینب کو خوف زدہ اور دہشت ناک کرنے کے لئے ان کی طرف نیزہ بڑھایا اور ان سے کہا کہ جہاں سے آئی ہو وہیں واپس چلی جاؤ۔ حضرت زینب اس صورت حال سے سخت دہشت زدہ ہو گئیں اور ان پر ایسی گھبراہٹ طاری ہوئی کہ جس سے ان کا شروع دنوں کا حمل ضائع ہو گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت زینب کے دیور کنانہ بن الربیع سامنے آ گئے اور ترکش کے تیر پھیلا دیئے اور اعلان کیا۔

بخدا جو شخص بھی میرے قریب آئے گا میں اس کے جسم میں ایک تیر پیوست کر دوں گا۔

قریش کے افراد ان کے غصہ کو دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے اور ابو سفیان کنانہ کو آواز دیتے ہوئے آگے بڑھے اور کہا:

اے جوان: ذرا سی دیر کے لئے اپنے تیروں کو روک لو تاکہ ہم تم سے کچھ بات کر لیں۔

چنانچہ کنانہ نے یہ کہتے ہوئے اپنی کمان ایک طرف کر دی: اے حرب کے بیٹے تم کیا کہنا چاہتے ہو!؟

ابوسفیان کنانہ کے قریب ہو گیا اور ان کے برابر کھڑے ہو کر کہنے لگا: اے ربیع کے بیٹے، تم نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا، تم علی الاعلان لوگوں کے سامنے اس عورت کو لے کر جا رہے ہو حالانکہ ہماری پریشانی اور آفتوں

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے ہم پر جو قیامت قائم ہوئی ہے تم اسے
جانتے ہو، اب جبکہ تم ان کی بیٹی کو علانیہ ہمارے درمیان سے لے کر جا رہے ہو
تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ ایسا اس ذلت و رسوائی کی وجہ سے ہو رہا ہے جو ہمیں پہنچ
چکی ہے اور یہ ہماری کمزوری اور ضعف کی وجہ سے ہو رہا ہے اور بخدا محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو ان کے والد کے پاس جانے سے روک کر ہمیں
کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ تم ایسا کرو کہ ان کو لے کر واپس ہو جاؤ پھر جب یہ
بازگشت ختم ہو جائے اور لوگ یہ باتیں کرنے لگیں کہ ہم نے زینب کو واپس
لوٹا دیا تو انہیں چپکے سے لے کر نکل جاؤ اور ان کے والد تک پہنچا دو۔

کنانہ نے ابوسفیان کے مشورہ پر عمل کیا اور حضرت زینب کو مکہ واپس
لے آئے اور پھر جب ان کے بارے میں باتوں کا سلسلہ بند ہو گیا تو انہیں
چپکے سے رات کو لے کر نکلے اور انہیں اس جگہ پہنچا دیا جہاں حضرت زید بن
حارثہ اور ان کے ساتھی ان کا انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ کنانہ نے حضرت
زینب کو ان دونوں کے حوالہ کیا اور وہ دونوں حضرات ان کو لے کر ان کے
والد کی خدمت میں پہنچ گئے۔

غزوہ بدر کی فتح سے مسلمان نہایت مسرور و شادمان تھے لیکن دوسری
طرف قریش سخت غمگین پریشان اور اس شکست فاش اور اپنے سرداروں
اور بڑے بڑے لوگوں کے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جانے سے نہایت

آزردہ خاطر تھے۔

جس وقت اہل مکہ اپنے سرداروں اور جوانمردوں کے ساتھ مسلمانوں
سے لڑنے کے لئے بدر کی جانب رواں دواں تھے۔ اس وقت اہل مکہ کو اس
بات میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ یہ ہی لوگ فتحیاب اور غالب ہوں گے۔
اس لئے کہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ساز وسامان بھی ان کے پاس زیادہ
تھا، لیکن جب حیسمان بن عبداللہ خزاعی اہل مکہ کے پاس یہ خبر لے کر آیا کہ
ان کو شکست ہو گئی ہے اور فلاں فلاں سردار مارے گئے ہیں تو ان کی
عقول اس کی تصدیق کرنے پر آمادہ نہ تھیں اور وہ اس خبر کو سننے پر تیار نہ
تھے بلکہ وہ لوگ حیسمان کو دیوانہ قرار دینے لگے اور اس کی عقل میں فتور
آجانے کا الزام دینے لگے حتیٰ کہ اس کا مذاق اڑانے کے لئے صفوان بن امیہ
نے جو کہ مقام حجر میں بیٹھا تھا اور حیسمان کی باتیں سن رہا تھا یہ کہا: بخدا یہ بات
تو سمجھ میں نہیں آتی اچھا اس شخص سے میرے بارے میں پوچھو!

چنانچہ لوگوں نے حیسمان سے پوچھا: صفوان بن امیہ کا کیا ہوا؟

حیسمان یہ سمجھ چکا تھا کہ یہ لوگ اس کی بات ماننے کو تیار نہیں ہیں اس
نے جواب دیا:

یہ صفوان تو مقام حجر میں بیٹھا ہوا ہے بخدا میں نے اس کے والد
اور بھائی کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

ابولہب اس ہولناک خبر سننے کی تاب نہ لا سکا۔ چنانچہ اس نے جب اپنی قوم کی اس طرح ذلت و رسوائی کی خبر سنی تو وہ اپنے پاؤں گھسیٹتا ہوا باہر نکلا تاکہ کسی اور سے اس بات کی تصدیق کر سکے۔ چنانچہ جب وہ اس کمرہ کے پاس پہنچا جو زمزم کے کنوئیں کے برابر میں تھا جہاں ان کے بھائی حضرت عباس کے آزاد کردہ غلام ابو رافع بیٹھے تھے جو کہ کمزور آدمی تھے پیالہ پر نقش و نگار کیا کرتے تھے، وہاں ابولہب ابو رافع کے برابر نہایت غمگین و پریشانی کی حالت میں بیٹھ گیا۔ ابھی وہ اسی جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ: دیکھو یہ مغیرہ بن الحارث واپس آ گئے ہیں۔

مغیرہ ان لوگوں میں شامل تھا جو جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔

چنانچہ ابولہب نے نہایت بے قراری اور جلدی میں مغیرہ کو آواز دی۔ جلدی سے میرے پاس آؤ اس لئے کہ بخدا صحیح خبر تمہارے پاس ہے۔

چنانچہ مغیرہ آیا اور اپنے چچا ابولہب کے پاس بیٹھ گیا۔ صحیح صورتحال معلوم کرنے کے لئے لوگ اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ ابولہب نے اس سے پوچھا۔ بھتیجے مجھے یہ تو بتلاؤ تم لوگوں نے جنگ بدر میں کیا کیا؟

مغیرہ نے جواب دیا: بخدا بات یہ ہوئی کہ جیسے ہی دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم نے اپنے کاندھے ان کے حوالے کر دئے ہوں کہ وہ جس طرح چاہیں ہمیں قتل کر ڈالیں اور

جس طرح چاہیں قیدی بنالیں اور اس سب کے باوجود بخدا میں کسی کو ملامت نہیں کروں گا اس لئے کہ ہمارے مدمقابل ایسے لوگ تھے جو سفید لباس پہنے چتکبرے گھوڑوں پر سوار آسمان و زمین کے درمیان ہمارے سامنے ظاہر ہوئے تھے وہ ایسے لوگ تھے جو نہ کسی کو چھوڑتے تھے اور نہ ان کے سامنے کوئی چیز ٹھہر سکتی تھی۔

یہ سن کر ابو رافع اپنے آپ کو قابو نہ کر سکے اور یہ کہنے لگے: یہ تو بخدا فرشتے تھے فرشتے، ابو رافع کا یہ کہنا تھا کہ ابولہب نے ان کے چہرے پر ایک زور دار تھپڑ رسید کر دیا۔ ابو رافع اپنی طرف سے مدافعت کرنے لگے۔ لیکن ابولہب نے ابو رافع کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور پھر ان کو خوب مارنا شروع کر دیا اور ان پر مکوں کی بوچھاڑ شروع کر دی اور اس طرح سے اپنے دل کے کینے و حسد کی بھڑاس نکالنا شروع کر دی۔ لوگوں نے جلدی سے ابو رافع کو ابولہب کے پنجہ سے آزاد کرایا جو غصہ سے آگ بگولہ ہو رہا تھا۔

ابولہب یہاں سے نہایت غم و پریشانی کے عالم میں اپنے گھر چلا گیا اور اسی رات بیمار ہو گیا اور اسی بیماری میں سات دن بعد مر گیا۔

قریش کو یہ بات بالکل وثوق سے معلوم ہو گئی کہ جنگ بدر میں اس کے نوجوانوں اور جنگجوؤں نے شکست فاش کھائی ہے لہٰذا وہ ایک ماہ تک اپنے مقتولین پر نوحہ خوانی اور ماتم کرتے رہے۔ پھر وہ نوحہ خوانی سے رک

گئے اور رونے کو اپنے اوپر اس لئے حرام کیا تاکہ اس سے مسلمانوں کو خوشی کا موقع نہ ملے اور تاکہ اپنے مقتولین کا انتقام و بدلہ لے سکیں۔

اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے لئے ایک اور عذاب کا فیصلہ کر دیا اور وہ یہ کہ وہ اپنے دلوں میں سوزش و درد کو چھپاتے تھے۔ حالانکہ اس غم کو ہلکا کرنے کے لئے انہیں رونے پیٹنے کی ضرورت تھی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ وہ شخص جس کا خاندان ختم ہو گیا وہ اپنے مقتولین پر رونے پیٹنے کے لئے سوزش سے جلا جاتا تھا لیکن وہ نہ نوحہ خوانی کر سکتا تھا اور نہ رو سکتا تھا۔

چنانچہ اسود بن المطلب کے تین بیٹے مارے گئے۔ وہ چاہتا تھا کہ ان پر روئے ان کی نوحہ خوانی کرے ان پر ماتم کرے لیکن جب قریش نے رونے کو حرام و ممنوع کر دیا تو وہ بڑی مشکل سے خاموش ہوا لیکن اس کا دل غم و سوزش کی وجہ سے جل رہا تھا اور سینہ پھٹ رہا تھا۔

ایک رات وہ تنہائی میں بے خوابی کے عالم میں تھا نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی کہ اس کے کان میں ایک عورت کے نوحہ کرنے اور رونے کی آواز آئی۔ اسود نابینا تھا چنانچہ اس نے اپنے غلام کو نیند سے بیدار کیا اور اس سے کہا: جاؤ دیکھو کیا رونے کی اجازت دے دی گئی ہے؟ اور کیا قریش اپنے مرنے والوں پر رو رہے ہیں؟ تاکہ میں

بھی اپنی اولاد کے لئے آنسو بہالوں اس لئے کہ میرا سینہ پھٹا جا رہا ہے اور دل جل رہا ہے۔ چنانچہ وہ غلام گیا اور واپس آکر اس نے بتلایا کہ قریش نے رونے کی اجازت نہیں دی ہے۔ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا وہ اس کے لئے رو رہی ہے۔ یہ سن کر اسود نے کہا:

أتبكي أن أضل لها بعير ... ويمنعها من النوم السهود

کیا وہ اس لئے رو رہی ہے کہ اس کا اونٹ گم ہو گیا ہے ... اور اس کو سونے سے بے خوابی روک رہی ہے

فلا تبكي على بكر ولكن ... على بدر تقاصرت الجدود

پس تو نہ رو اونٹ پر بلکہ ... بدر پر رو جہاں کوششیں رائگاں گئیں۔

۱۴

غزوۂ اُحد

جس وقت سے جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور کافروں کو شکست فاش ہوئی تھی اس وقت سے نہ تو قریش کو سکون نصیب ہوا اور نہ ان کی آنکھیں بند ہوئیں، جنگ بدر میں کلمۃ اللہ کلمۂ حق کو سربلندی نصیب ہوئی تھی اور اسلام کی آواز جزیرہ عرب کے اطراف میں پھیل گئی تھی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کے قلوب جلال اور عظمت الٰہی سے پُر ہو گئے تھے اور کافروں، مشرکوں اور منافقین اور یہود کے دلوں میں خوف و رعب بیٹھ گیا تھا۔

چنانچہ قریش ایک ماہ تک اپنے مقتولین پر نوحہ خوانی اور آہ و بکا اور گریہ زاری کرتے رہے، پھر نوحہ خوانی سے رک گئے اور آنسو بہانا بند کر دیئے لیکن ان کا نوحہ خوانی سے رُکنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اپنے مرنے والوں پر صبر کر لیا تھا؟ اور رونے سے باز رہنے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا؟

صحیح بات یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں تھا، اس لئے کہ قریش اپنے مقتولین

پر نوحہ خوانی اور رونے پیٹنے سے باز رہنے والے ہرگز نہ تھے بلکہ نوحہ خوانی سے وہ اس لئے رُکے تھے تاکہ اپنے غصہ کو دبا کر ان مقتولین کا بدلہ لے سکیں اور رونا اس لئے بند کیا تھا تاکہ ان کے قتل کرنے والوں سے انتقام لے لیں، تو گویا ان کے آنسو اس آگ سے خشک ہوئے تھے جو ان کے دلوں کو کھائے جا رہی تھی۔

چنانچہ عورتوں نے اپنے سر کے بال مونڈ ڈالے اور یہ نذر مانی کہ نہ اس وقت تک خوشبو استعمال کریں گی اور نہ عطر لگائیں گی جب تک کہ ان کے مقتولین کا بدلہ نہ لے لیا جائے اور مردوں نے یہ عہد کیا کہ وہ اس وقت تک چین وآرام سے نہ بیٹھیں گے جب تک کہ اپنے مرنے والے ساتھیوں کا انتقام نہ لے لیں اور ابوسفیان بن حرب جو کہ اس قافلہ تجارت کے ساتھ تھا جو جنگِ بدر کا سبب بنا وہ ایک ہاتھ اور آگے بڑھا اور اس نے یہ نذر مانی کہ جب تک وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ نہیں کرے گا اس وقت تک اپنے سر کو پانی سے نہ دھوئے گا۔

اور اس طرح سے ایک وقت تک کے لئے قریش کے آنسو خشک ہوگئے اور ان لوگوں نے اس وقت تک کے لئے اپنے آنسو بہانا بند کر لئے جب تک کہ وہ اپنے آباؤ اجداد اور بھائیوں اور بیٹوں کے قتل کا بدلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے نہ لے لیں۔

قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے فوری طور سے تیاری شروع کردی اور سامانِ جنگ تیار کرنے لگے اور اس طریقہ سے تیاری شروع کی جس کے ذریعہ سے ایسا اچھا انتقام لے سکیں جس سے ان کے حسد وکینہ کی آگ ٹھنڈی ہو اور پیاس بجھ سکے۔

تجارت کا وہ قافلہ جس کے ساتھ ابوسفیان بن حرب شام سے واپس آیا تھا اور جو جنگِ بدر کا ذریعہ بنا تھا اس کو دار الندوہ میں اس طرح روک دیا گیا کہ نہ اس کو کسی نے ہاتھ لگایا اور نہ اس کو کھولا گیا اور نہ کسی مالک نے اس سے اپنا مال لیا۔ پھر قریش کے سرکردہ لوگوں نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ تاجر اپنا اصل مال (راس المال) اس سامانِ تجارت سے لیں اور جو نفع ان کو حاصل ہوا ہے اس کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرنے کے لئے لشکر کی تیاری کے واسطے الگ کر دیا جائے۔

اس مشورہ پر فوری طور سے عمل ہوا اور سامان تجارت بیچ دیا گیا جو نہایت قیمتی قسم کا سامان تھا اور مالکوں کو ان کا اصل سرمایہ واپس کر دیا گیا اور نفع کو لشکر کی تیاری کے لئے الگ رکھ لیا گیا۔

ابوسفیان جس کا بیٹا جنگ بدر میں مارا گیا تھا اس سے قریش کے اس تیار ہونے والے زبردست عظیم الشان لشکر کا انتظار نہ ہو سکا اس لئے وہ مکہ کے آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ

کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوتا کہ اپنی اس قسم سے نکل سکے جو وہ کھا چکا تھا۔
چنانچہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے اطراف میں واقع عریض نامی ایک جگہ
پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک انصاری اپنے ملازم کے ساتھ کھیتی میں کام
کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان دونوں کو قتل کر ڈالا اور وہاں بنے
ہوئے دو گھروں اور نخلستان کو جلا ڈالا اور پھر دم دبا کر اپنے گھروں کو واپس
لوٹ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی تو آپ اور چند
صحابہ کرام ان بھگوڑوں کے تعاقب میں نکلے، لیکن ان بھگوڑوں نے اپنا بوجھ
ہلکا کر دیا تھا اور اپنے توشہ کو مختصر کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ بھاگتے بھاگتے راستہ
میں اپنا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں گراتے جا رہے تھے اور اس طرح وہ
اپنی جان بچانے اور بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

غزوۂ بدر کے بعد قریش کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنے قافلۂ تجارت
کو اس متعارف و متعین راستہ سے لے جا سکیں بلکہ وہ اس راستہ کے بجائے
عراق کے راستہ سے جاتے تھے جو دور بھی زیادہ تھا اور ویران اور خشک بھی
جس کا مقصد یہ تھا کہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی دسترس سے بچا سکیں، لیکن نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو قریش کی اس تدبیر کا علم ہو گیا چنانچہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سو سواروں کے ساتھ

قریش کے قافلۂ تجارت کو پکڑنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ یہ لوگ سرزمین نجد میں
ذوالقردۃ مقام پر ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن ان کو دیکھ کر قافلہ
والے جان بچا کر بھاگ نکلے اور قافلہ کا ساز و سامان مسلمانوں کے لئے بہترین
مالِ غنیمت بن گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی دیگر مالِ غنیمت
کی طرح اللہ تعالیٰ کی وحی اور ارشاد کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا۔

جنگ بدر میں قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ہاتھوں
جو شکست فاش ہوئی تھی۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں تھی۔
اور آپ یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ قریش اس بدترین ذلّت و رسوائی پر اس
وقت تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک مسلمانوں کو سیر کا جواب سوا
سیر سے نہ دے دیں اور اپنے مقتولین اور مرنے والوں کا بدلہ لے کر اپنے دل
کو ٹھنڈا نہ کر لیں اور خصوصاً اس نئے واقعہ کے بعد اور بھی جب کہ مسلمانوں
نے شام جانے والے قریش کے قافلۂ تجارت کو لوٹ لیا تھا۔ وہ قافلۂ تجارت
جس کے لٹنے کے خوف سے قریش نے اس کے راستہ کو تبدیل کر کے عراق
کے راستہ سے بھیجنا شروع کر دیا تھا۔

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت کچھ اور تعجب نہیں
ہوا جب آپ کو آپ کے چچا حضرت عباس نے یہ لکھ کر بھیجا کہ قریش کا
لشکر آپ سے جنگ کے لئے نکلنے والا ہے لیکن پھر بھی آپ کو یہ توقع نہیں

تھی کہ اس سرعت اور جلدی سے قریش کا اتنا بڑا عظیم الشان لشکر جنگ
کے لئے نکل کھڑا ہوگا جس کا نقشہ آپ کے چچا نے اپنے مکتوب میں کھینچا تھا
اور اس کی افرادی نفری اور ساز و سامان کی تعداد کا اس خط میں تذکرہ
کیا تھا۔

قریش اپنے اس لشکر کی تیاری سے فارغ ہو چکے تھے جسے اس نے
خوب ساز و سامان اور اسلحہ سے لیس اور افرادی قوت سے آراستہ کیا تھا
اور اس کے سلسلہ میں مختلف قبیلے والوں سے معاہدے کئے تھے اور اس
لشکر کے لئے آزاد کردہ غلاموں حبشیوں تک کو نکلنے پر ابھارا تھا حتیٰ کہ
قریش کے شعراء، فصحاء و بلغاء لوگوں کو جنگ کرنے والوں کے ساتھ جانے
اور ان کے شانہ بشانہ لڑنے پر لوگوں کو اکساتے تھے اور مختلف اہل قبائل
کو جنگ کرنے والوں کے ساتھ اتحاد کرنے پر ابھارتے تھے اور تو اور عورتیں
بھی پیش پیش تھیں اور مردوں کو جنگ پر ابھار رہی تھیں۔

ان ابھارنے والی عورتوں کے آگے آگے ابوسفیان کی بیوی ہند
بنت عتبہ تھی جس کے باپ، بھائی اور چچا کو غزوہ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا
اور اس نے یہ نذر مانی تھی کہ جب تک ان مقتولین کا بدلہ نہ لیا جائے۔
اس وقت تک وہ تیل استعمال نہیں کرے گی اور پھر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)
سے جنگ کرنے جانے کے لئے لشکر روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گیا تو ہند

نے کہا کہ لشکر کے ساتھ وہ چند عورتوں سمیت ضرور جائے گی۔ مرد اگرچہ
عورتوں کو جانے سے روک رہے تھے لیکن اس نے ساتھ جانے پر اصرار کیا۔

جبیر بن مطعم کے چچا طعیمہ بن عدی جنگِ بدر کے مقتولین میں سے
تھے۔ جبیر کا ایک حبشی غلام تھا جس کا نام وحشی تھا جو حبشیوں کے طریقہ کے
مطابق خوب اچھی طرح سے نیزہ بازی جانتا تھا۔ جبیر نے اپنے اس غلام سے
کہا اے وحشی اگر تم میرے چچا کے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا حمزہ یا علی کو
قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔

ہند نے اس سے کہا: اے وحشی اگر میرے باپ اور بھائیوں کے
بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا حمزہ یا علی کو قتل کر دو گے تو میں تمہیں بہت
بڑا انعام دوں گی۔ اس لئے کہ ان تینوں کے علاوہ میرے اقرباء کا ہم سر
اور مماثل کوئی نہیں ہے۔ وحشی نے ایسا کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

قریش کا لشکر ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ کی جانب چل پڑا۔
جس میں تین ہزار جنگجو دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پچیس گانے
بجانے اور مقتولین بدر پر نوحہ کرنے اور مردوں کو ابھارنے اور عزت دلانے
اور ان میں نخوت کو بھڑکانے والی عورتیں تھیں اور لشکر کے ساتھ ابو عامر
اوسی اپنی قوم اوس (جو مدینہ سے اس وقت مکہ چلے گئے تھے جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تھے تو یہ لوگ اپنی جان بچانے کے لئے

مکہ مکرمہ بھاگ نکلے تھے) کی ایک جماعت کے ساتھ تھا اور وہ قریش کے لشکر سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ اگر وہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر سے ٹکرا جائے گا تو اوس کے دو آدمی بھی اس سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

جب یہ لشکر ابواء مقام پر پہنچا اور یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ مدفون ہیں، یہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے واسطہ مدینہ آئیں تھیں واپسی پر جب اس مقام پر پہنچیں تو اچانک بیمار ہو کر انتقال کر گئیں۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے بچے تھے اور اپنی والدہ کے ساتھ ہی تھے) تو ہند نے لوگوں سے کہا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ کی قبر اکھاڑ پھینکو اس لئے کہ اگر بالفرض تم میں سے کوئی شخص بھی قید کر لیا گیا تو تم ہر قیدی کے بدلہ ان کے جسم کا کوئی حصہ فدیہ دے کر آزاد کرا لو گے لیکن بعض مردوں نے یہ بات پسند نہ کی اور یہ کہا؛ کہ ایسی کوئی حرکت نہ کرو اس لئے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو بنو بکر اور بنو خزاعہ ہمارے مردوں کی قبریں اکھاڑ ڈالیں گے۔

لشکر قریش چلتا رہا اور مدینہ منورہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر وادی عقیق میں پڑاؤ ڈال دیا، ٹھیک اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کا مکتوب آپ کو ملا، آپ اس وقت قباء میں تھے۔

چنانچہ حضرت ابی بن کعب نے آپ کو وہ خط پڑھ کر سنایا۔ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کے مضمون کو پوشیدہ رکھا اور مدینہ منورہ واپس آگئے اور حضرت سعد بن الربیع کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے حضرت عباس کے مکتوب کا تذکرہ کیا اور ان کو بات مخفی رکھنے کا حکم دیا تاکہ آپ اپنے ساتھیوں اور مشیروں سے اس سلسلہ میں مشورہ کر لیں، لیکن حضرت سعد کی اہلیہ اس بات کو سن چکی تھیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر سے کی تھی اور اس طرح سے اس سے پہلے کہ آپ اپنے صحابہ سے مشورہ کر کے کوئی قطعی فیصلہ کریں یہ خبر پھیل گئی اور لوگوں میں مشہور ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر قریش کی خبریں اور حالات معلوم کرنے کے لئے جاسوسوں کو پھیلا دیا، چنانچہ آپ نے فضالہ کے بیٹے حضرت انس و مونس اور الحباب بن المنذر بن الجموح کو اس غرض سے بھیجا اور یہ حضرات یہ خبر لے کر آئے کہ لشکر آچکا ہے اور مدینہ کے اطراف میں ٹھہرا ہوا ہے اور ان کے گھوڑے اور اونٹ مدینہ کی کھیتوں اور باغات میں چر رہے ہیں، اور انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ لشکر نہایت طاقتور مسلح اور بڑا ہے۔

اہل مدینہ نے یہ رات نہایت خوف و ڈر کی حالت میں گذاری اس لئے کہ ایسا طاقتور سخت جانی دشمن ان کے شہر کے دروازوں پر موجود تھا اور مدینہ کے ذی وجاہت لوگوں نے مسلح ہو کر رات بھر مدینہ کے دروازوں کی حفاظت کی اور رات بھر اسی خوف سے مسجد نبوی کی حفاظت کرتے رہے۔

کہیں دشمن رات کو اس پر حملہ نہ کر دے۔

جب صبح ہوئی (اور یہ جمعہ کا دن تھا) لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو آپ نے ان سے فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ تم لوگ مدینہ ہی میں رہو اور دشمن جہاں ٹھہرا ہوا ہے اس کو وہیں چھوڑ دو پھر اگر وہ وہیں رہتے ہیں تو خود سزا بھگتیں گے اور بے کار جگہ پر پڑے رہیں گے اور اگر انہوں نے ہم پر حملہ کرنا چاہا تو ہم ان سے یہیں رہ کر جنگ کریں گے اس لئے کہ ہم ان کی بنسبت مدینہ کے راستوں اور طریقوں سے زیادہ واقف ہیں اب بتلاؤ تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے؟

عمر رسیدہ اور سمجھدار لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رائے کو پسند کیا اور اس سے موافقت کی اور عبداللہ بن ابی بھی یہ کہتے ہوئے اس رائے کی تائید میں آگے بڑھا کہ: ہاں اے اللہ کے رسول آپ مدینہ منورہ ہی میں رہیں اور باہر نہ نکلیں اس لئے کہ بخدا جب بھی ہم مدینہ سے باہر کسی دشمن سے جنگ کرنے نکلے ہیں تو دشمن نے ہمیں نقصان پہنچایا ہے اور جب بھی کوئی دشمن مدینہ میں داخل ہوا ہے تو ہم نے اسے نقصان پہنچایا۔ اس لئے اے اللہ کے رسول آپ انہیں چھوڑ دیں۔ اگر وہ وہیں ٹھہرے رہے تو خود ہی تکلیف برداشت کریں گے اور اگر وہ مدینہ میں داخل ہو گئے تو ہم مدینہ کے راستوں میں ان سے جنگ کریں گے اور عورتیں اور بچے مکانوں

اور ٹیلوں پر سے ان کو پتھر ماریں گے۔

کچھ ایسے نوجوان جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے ان پر غیرت کا غلبہ ہوا اور انہوں نے تمنا کی کہ کاش وہ بھی اس میں شریک ہوتے اور کچھ ایسے حضرات جو جنگ بدر میں شریک تھے اور نصرت و کامیابی کا مزہ چکھ چکے تھے اور جنگ بدر میں اللہ کی مدد و نصرت کا مشاہدہ کر چکے تھے اس قسم کے لوگوں میں سے ایک کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ ہمیں دشمن کی طرف لے کر چلیں۔ اس لئے کہ ہمیں ڈر ہے کہ وہ یہ گمان نہ کرنے لگیں کہ ہم ان کا سامنا کرنے سے کترا رہے ہیں اور بزدل ہو گئے جس سے ان کی جرأت اور بڑھے۔ اے اللہ کے رسول آپ جنگ بدر میں تین سو آدمیوں کے ساتھ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر غلبہ و فتح دی تھی اور آج ہم ایک بڑی جماعت ہیں، ہم اسی دن کے متمنی تھے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

ایک دوسرے صاحب نے کہا: اے اللہ کے رسول اگر آج ہم ان سے جنگ نہ کریں تو پھر اور کب جنگ کریں گے۔ صورت حال تو یہ ہے کہ وہ ہماری گھاٹیوں میں داخل ہو چکے ہیں اور ہماری کھیتیوں کو روند چکے ہیں۔

اور خیثمہ ابو سعد بن خیثمہ نے کہا: جنگ بدر میں تمنا آرزو کے باوجود میں شریک نہ ہو سکا۔ میرا بیٹا اس میں شریک ہوا اور جام شہادت نوش کر

گیا اور میں نے گذشتہ کل اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہا ہے:
اے میرے ابا جان! آپ بھی میرے ساتھ شامل ہو کر جنت کے رفیق و ساتھی
بن جائیے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اسے بالکل
سچا پایا ہے۔

حضرت حمزہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس نے
آپ پر قرآن کریم نازل کیا ہے میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب
تک مدینہ سے باہر ان کافروں سے اپنی تلوار سے جنگ نہ کروں۔

اور اس طرح سے غیرت و حمیت نے ان نوجوانوں کو دشمن سے لڑنے
کے لئے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا اور جنگ بدر کی فتح و کامیابی نے عمر رسیدہ حضرات
کو ان نوجوانوں کے مطالبہ کی تائید پر آمادہ کیا اور ان سب کا مقصد صرف
اسلام کی طرف سے مدافعت اور اسلام کے لئے جان دینا تھا تاکہ اللہ تعالےٰ
کی رضامندی ان کو حاصل ہو جائے اور اللہ نے اپنے رسولؐ کی زبانی جنت کی
جن نعمتوں کا وعدہ کیا ہے وہ ان کا مآل اور انجام بن جائیں۔

یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے اس کے اور کوئی
چارہ کار نہیں تھا کہ قوم کی اکثریت کی رائے پر عمل کریں اور دشمن کا مقابلہ کرنے
کے لئے ان سب کے ساتھ مل کر مدینہ سے باہر نکلیں۔ چنانچہ آپ کھڑے
ہوئے اور ان مسلمانوں کے ساتھ جمعہ پڑھا اور خطبہ دیا جس میں خوب جدوجہد

اور محنت اور کوشش کا حکم دیا اور انہیں بتلادیا کہ اگر انہوں نے صبر سے کام
لیا تو ان کو کامیابی حاصل ہوگی۔

عصر کی نماز پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے اور
آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان حضرات نے آپ کے
پگڑی (عمامہ) باندھی اور زرہ جنگ کا لباس پہنا دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے تلوار لٹکائی اور تیر و ترکش گلے میں ڈال لئے، باہر لوگ دو حصوں میں
بٹے ہوئے تھے۔ ایک وہ جماعت تھی جو دشمن سے جنگ کرنے کے لئے نکلنے
پر نہایت مسرور و شادمان تھی اور دوسری وہ جماعت تھی جو مدینہ سے باہر
نکلنے کے خلاف تھی اور اس نکلنے کو برا سمجھ رہی تھی اور دونوں اس موضوع پر
ایک دوسرے سے بحث مباحثہ اور مناقشہ کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن
معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر نکلنے کا مطالبہ کیا تھا۔

تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ دیا
اور آپ کو مدینہ منورہ سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا حالانکہ آپ پر آسمان سے
وحی نازل ہوتی ہے اس لئے فیصلہ آپ پر ہی چھوڑ دو، آپ جس چیز کا حکم
دیں اسے کرو اور آپ کی جو خواہش اور رائے ہو اس کی پیروی کرو

ابھی لوگ اسی بحث و مباحثہ میں لگے ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سامان جنگ پہن کر باہر تشریف لے آئے۔ چنانچہ جو لوگ باہر نکل
کر جنگ کرنے پر مصر تھے انہوں نے آپ سے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول ہمیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہم آپ کی مخالفت
کریں۔ اس لئے جو آپ کا دل چاہے اس کے مطابق عمل کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں یہ بات تمہیں پہلے ہی
کہہ چکا تھا لیکن تم لوگوں نے انکار کر دیا اور یاد رکھو کہ جب اللہ کا نبی سامان
جنگ پہن لیتا ہے تو اس کو اس وقت تک نہیں اتارتا جب تک اللہ تعالٰی
اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ دیکھو میں تمہیں
جس بات کا حکم دوں اس کی پیروی کیا کرو۔ لہٰذا اللہ کا نام لے کر چلے چلو۔
جب تک تم صبر کرتے رہو گے اللہ تمہاری مدد کرتا رہے گا۔

مجاہدین تیار ہو گئے اور ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر مدینہ منورہ سے روانہ
ہو گیا۔ اس لشکر میں سوائے دو گھوڑوں کے اور کوئی گھوڑا نہ تھا۔ ان دو گھوڑوں
میں سے ایک گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

لشکر میں کچھ نوعمر لڑکے بھی تھے جو جنگ کرنے والوں کی صفوں میں اس
لئے ملنا چاہتے تھے تاکہ اللہ کے دین کی طرف سے مدافعت کرنے کا شرف حاصل
کر سکیں۔ لیکن جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا
تو آپ نے ان میں سے صرف دو کو اجازت دی ان میں سے ایک بہترین تیرانداز

تھا اور دوسرا کشتی اور پچھاڑنے کا ماہر تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو لے کر چلے اور رات کو آرام کرنے کے
لئے ایک ایسی جگہ ٹھہرے جہاں دو اونچی جگہیں تھیں جن کا نام شیخین تھا، وہاں آپ
نے جنگ کرنے والوں کی ایک جماعت کو دیکھا جس نے شور و غوغا کرنے کی آوازیں
آ رہی تھیں تو آپ نے دریافت فرمایا یہ آوازیں کیسی ہیں؟

آپ کو بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن ابی کے حلیف ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کے خلاف مشرکین سے اس وقت تک مدد نہیں
لی جا سکتی جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس جماعت کے یہود و منافقین
پر مشتمل یہ دستہ جہاں سے آیا تھا وہیں واپس ہو گیا۔

لشکر نے رات وہیں گذاری اور اس کی چوکیداری کے لئے لشکر کے
پچاس آدمیوں نے رات بھر پھر کر چوکیداری کی۔ جب صبح ہو گئی تو لشکر میں سے
عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھ تقریباً تین سو وہ منافق آدمی جو بظاہر اسلام
کا دعوٰی کرتے تھے مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔ چنانچہ عبداللہ بن خزام نے ان
لوگوں کو جنگ کے لئے واپس لوٹانا چاہا اور انہیں وہ وعدہ یاد دلایا جو انہوں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو عبداللہ بن ابی نے ان سے کہا: انہوں
نے میری نافرمانی کی اور نوعمر لڑکوں کی بات مانی اور اگر بالفرض ہم کو یہ معلوم ہوتا
کہ وہ یقیناً لڑیں گے تو ہم ان کو اس طرح چھوڑ کر نہیں آتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ تقریباً سات سو مخلص مومنوں کی جماعت کو لے کر ایک ایسے دشمن کی طرف رخ کیا جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اور اس میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو بدلہ لینا چاہتے تھے اور ان کا کوئی نہ کوئی عزیز مارا گیا تھا۔

دونوں لشکر: ایک اللہ کے دین کے مخلص مومنوں کا لشکر اور دوسرا مشرکوں اور اللہ کے رسول کو جھٹلانے والوں کا لشکر جبل احد کے پاس ایک دوسرے کے مدمقابل آگیا اور دونوں فریقوں میں سے ہر ایک جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ چنانچہ جو تلواروں اور نیزوں سے مسلح تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس طرح صف بنائی کہ ان کی پشت پہاڑ کی طرف رہے اور ان کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر کے پاس تھا اور تیر اندازی کرنے والوں کو ان کے پیچھے پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی پر کھڑا کر دیا اور تیر اندازوں کو یہ وصیت کی کہ:

ہماری پشت کی حفاظت کرنا اس لئے کہ ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر پیچھے سے حملہ نہ ہو جائے اور تم لوگ اپنی جگہ پر کھڑے رہنا اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہٹنا، اگر تم یہ دیکھو کہ ہم دشمن کو شکست دے کر ان کے لشکر میں داخل ہو گئے ہیں تب بھی تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے تو ہماری امداد نہ کرنا نہ ان کو ہم سے دور کرنا بلکہ تم ان پر تیر برسانا اس لئے کہ گھوڑا تیروں کے سامنے نہیں آتا۔

قریش نے اپنے لشکر کی صفیں بنا دیں، ان کے دائیں ٹکڑے پر شہسواروں کی ایک جماعت تھی جس کے امیر خالد بن ولید تھے اور بائیں ٹکڑے پر شہسواروں کی ایک اور جماعت تھی جس کے امیر عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ لشکر کے قائد ابوسفیان نے لشکر کے جھنڈے اٹھانے والوں کو (جو کہ بنو عبد الدار سے تعلق رکھتے تھے) جوش دلانا چاہا اور ان کی حمیت کو ابھارنے کے لئے کہا:

دیکھو لوگوں پر حملہ اس جانب سے ہوتا ہے جس طرف جھنڈے ہوتے ہیں، اس لئے یا تو تم بہادری سے لڑنا اور ہمیں محفوظ رکھنا ورنہ پھر جھنڈا چھوڑ دو ہم اس کو سنبھال لیتے ہیں۔

یہ سن کر بنو عبد الدار میں جوش و حمیت پیدا ہو گئی اور ہمت بڑھ گئی اور انہوں نے کہا: جب ہماری اور ان کی ملاقات و مڈبھیڑ ہو گی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیا کریں گے۔

قریش کی عورتوں کے آگے آگے ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ تھی۔ یہ عورتیں لشکر کی صفوں میں آتی جاتی تھیں اور ان کو غیرت دلاتیں، ابھارتیں اور جوش دلاتیں اور طبلہ اور دف بجاتیں اور لشکر کے اگلے حصے کے افراد کو ان الفاظ سے جوش دلاتیں۔

ویھًا بنی عبد الدار — ویھا حماۃ الأدبار — ضربا بکل بتار

اے بنو عبد الدار — اے ملک و ملت کی حفاظت کرنے والو — ہر تیز دھار والی تلوار سے مار ڈالو

پھر مندرجہ ذیل اشعار پڑھتی ہوئی واپس چلی جاتیں۔

نحن بنات طارق   نمشی علی النمارق   ان تقبلوا نعانق   أو تدبروا نفارق

ہم طارق کی بیٹیاں ہیں   ہم گدوں پر چلتے ہیں   اگر دشمن کے مقابل ہو کر لڑو گے تو ہم گلے لگائیں گے   اور اگر پیٹھ پھیر کر بھاگو گے تو جدا ہو جائیں گے

فراق غیر وامق

ایسے شخص کی طرح جدا ہونا جو محبت نہ کرنے والا ہو

اور جب ہند وحشی کے پاس سے گذرتی تو اس کے ساتھ طے شدہ وعدہ کے مطابق اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی کے قتل کرنے پر یہ کہہ کر ابھارتی:
اے ابودسمہ تم ہمیں بھی شفا دو اور دل کی حسرت پوری کر دو اور اپنی دل کی حسرت بھی پوری کر کے اپنے آپ کو بھی شفا دو:

قریش کی صفوں میں سے ابوعامر اوسی آگے بڑھا اور اس نے اپنی قوم کو اپنے ساتھ ملانے کی امید پر اپنی قوم اوس کے ان افراد کو پکارا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفوف میں شامل تھے اور کہا: اے اوس والو میں ابوعامر ہوں، تو اوس کے مسلمان نے کہا: اے فاسق شخص خدا تیری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے۔
تو اس نے کہا: میری قوم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بگڑ گئی ہے۔

اور ابوسفیان نے یہ اعلان کیا: اے اوس وخزرج کی جماعت تم ہمارے اور

ہمارے چچازاد بھائیوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ ہم تم سے کنارہ کشی کر لیں گے اور تم سے لڑائی نہیں کریں گے۔ یہ بات سن کر اوس وخزرج نے ابوسفیان کو بہت سخت برا بھلا کہا اور اس پر سخت لعنت بھیجی۔

دونوں جماعتیں ایک وقت تک ایک دوسرے پر پتھر برساتی رہیں حتیٰ کہ ابوعامر اور اس کے پیروکار پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ ٹھیک اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اپنے صحابہؓ ایک جماعت کو شہسواروں کی دائیں جانب اور ایک جماعت کو شہسواروں کی بائیں جانب بھیج دیا اور مجاہدین کو مشرکین کے لشکر کے درمیان میں گھسنے کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ شیر اسلام حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اس دن کی جنگ کے لئے مسلمانوں نے جو نعرہ طے کیا تھا وہ بلند کیا اور وہ نعرہ یہ تھا:
امت، امت: اے اللہ کافروں کو ختم کر دے، ختم فرما دے۔

حضرت علی بن ابی طالب مشرکوں کے لشکر کے درمیانی حصہ میں گھس گئے تو ان کے مقابلے کے لئے (مشرکوں کا جھنڈا بردار) طلحہ بن ابی طلحہ آگے بڑھا۔ حضرت علی اس پر تلوار سے حملے کے ذریعہ ٹوٹ پڑے اور اس پر شدید وار کر کے اسے ختم کر ڈالا۔ چنانچہ اس کے بھائی عثمان نے جھنڈا اٹھا لیا۔ اس پر حضرت حمزہ نے حملہ کیا اور اس کے جس ہاتھ میں جھنڈا تھا اس پر ایک ضرب لگائی۔ اس نے جھنڈا دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ حضرت حمزہ نے اس پر وار کر کے اس کو

کاٹ ڈالا۔

پھر اس جھنڈے کو ان دونوں کے بھائی ابو سعید نے اٹھا لیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس کو تیر مارا جو اس کے گلے میں لگا اور وہ مر گیا اور اس طرح سے جھنڈا طلحہ اور اس کے بھائیوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہا حتی کہ اس کے بیٹوں مسافع اور طلحہ تک پہنچ گیا۔ چنانچہ ان کو حضرت عاصم بن ابی الاُفلح نے تیر سے نشانہ بنا کر قتل کر ڈالا۔ ان کی والدہ سلافہ قریش کے لشکر کی عورتوں کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے جب اپنے دونوں بیٹوں کو یکے بعد دیگرے نشانہ بنتے دیکھا اور دونوں کو اپنی گود میں اس حالت میں سہارا دیا کہ ان کی آخری سانس باقی تھی اور یہ ان سے سوال کر رہی تھی: اے میرے بیٹو تمہیں کس نے مارا ہے؟

تو اس کے بیٹے نے مرتے مرتے یہ جواب دیا کہ: مجھے جب تیر مارا گیا تو میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا:

لو سنبھلو دیکھو میں ابو الاُفلح کا بیٹا ہوں:

یہ کلمات سن کر سلافہ نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ نے اس کو حضرت عاصم بن ابی الاُفلح کا سر دلا دیا تو وہ اس میں شراب پیئے گی اور پھر اس نے ان کے سر لانے والے کو سو اونٹ انعام دینے کا اعلان کیا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار نکال لی اور فرمایا: اس تلوار کا اس

کا حق ادا کرنے کے لیے اپنے ہاتھ میں کون لے گا؟

چنانچہ چند حضرات اس غرض کے لیے آپ کی طرف بڑھے لیکن آپ نے وہ تلوار انہیں نہ دی حتی کہ انصار میں سے حضرت ابو دجانہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول اس کا حق کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس تلوار سے اس وقت تک دشمن سے لڑتے رہو جب تک یہ تلوار ٹیڑھی نہ ہو جائے۔

چنانچہ اس تلوار کو حضرت ابو دجانہ نے لے لیا۔ یہ نہایت بہادر اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے والوں میں سے تھے۔ یہ جب جنگ کا ارادہ کرتے تھے تو ایک سرخ رنگ کی پٹی سر پر باندھ لیا کرتے تھے اور لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے موت کی نشانی والی پٹی نکال کر سر پر باندھ لی اور جنگ کے موقعہ پر اپنی عادت کے مطابق یہ دونوں جماعتوں کی صفوں کے درمیان اکڑ کر چلنے لگے۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ چال چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

انها لمشية يبغضها الله — اللہ تعالیٰ اس انداز سے چلنے کو ناپسند فرماتے
إلا في هذا الموطن — ہیں سوائے اس (جنگ کے) موقع کے۔

حضرت ابو دجانہ نے حملہ شروع کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لے کر دشمن کی صفوں میں اس حالت میں گھستے گئے کہ ان کے سر پر موت کی

بچی بندھی ہوئی تھی اور کسی بھی مشرک کے پاس سے ان کا گذر نہ ہوتا تھا مگر یہ
کہ وہ اسے قتل کر ڈالتے تھے اور جو بھی ان کے سامنے آتا وہ اسے مار ڈالتے،
حتی کہ ان کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو لوگوں کو سخت جوش دلا رہا
تھا اور جنگ پر ابھار رہا تھا۔ جب ابو دجانہ نے اس کو مارنے کے لئے اپنی تلوار
اٹھائی تو وہ چیخنے لگا اور واویلا کرنے لگا۔ جب انہوں نے غور سے دیکھا تو معلوم
ہوا کہ وہ ہند بنت عتبہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابودجانہ نے تلوار واپس کھینچ لی تاکہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے کسی عورت کو نہ ماریں۔

دونوں جماعتوں میں سخت لڑائی شروع ہوگئی اور اس میں مسلمانوں
کا پلڑا بھاری تھا اور مشرکوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا اور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم تلواریں لے کر مشرکوں میں گھس رہے تھے اور ان
کو قتل کر رہے تھے اور ان پر تیر برسا کر بھی ان کو گرا رہے تھے۔

اللہ کے شیر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنی تلوار دائیں جانب گھماتے تھے
تو قتل کرتے جاتے اور جب اس کو بائیں جانب گھماتے تو مشرکوں کو گراتے جاتے
تھے لیکن وحشی کی آنکھیں ان کی تلاش وانتظار اور ان کے گھات میں تھیں
اور وہ ایسے مناسب موقعہ کی تلاش میں تھا کہ جس میں حضرت حمزہ کو اپنے نیزہ
کا نشانہ بنا سکے تاکہ ان کا قتل اس کی آزادی کے لئے فدیہ اور اس کی حریت
کی قیمت بن سکے۔

اور پھر وہ موقعہ بھی آگیا جس کی وجہ سے وحشی جنگ کے لئے نکلا تھا اور
وہ گھڑی بھی قریب آپہنچی جس کا انتظار وحشی جنگ کی ابتداء ہی سے کر رہا تھا۔
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایک مشرک کو اپنی تلوار کا نشانہ بنا رہے تھے۔
انہیں اس وحشی کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا جو ایک چٹان کے پیچھے چھپا بیٹھا نیزے
کو نشانہ پر لگانے کے لئے نشانہ باندھ رہا تھا تاکہ اپنے نشانہ سے حضرت حمزہ پر
کاری ضرب لگا سکے اور جب وحشی نے نشانہ اچھے طریقے سے درست کر لیا تو نیزہ
نشانہ کی جانب پھینک دیا جسم کے جس حصہ کے قریب زرہ ملی ہوئی تھی۔ اس
حصہ کو نیزہ پھاڑ کر جسم میں داخل ہو گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جب
اس جانب دیکھا جدھر سے نیزہ آیا تھا تو انہوں نے کیا دیکھا کہ ایک حبشی کی آنکھوں
سے فتح وکامیابی کی مسکراہٹ پھیل کر نکل رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے تلوار سے
اس پر حملہ کرنے کے لئے اس کی جانب قدم بڑھایا، لیکن افسوس کہ اللہ اور
اسلام کے شیر حضرت حمزہ کی طاقت جواب دے گئی اور وہ لڑکھڑا کر گر گئے اور
روح ان کے جسم سے نکل کر شہداء کی اس جنت کی جانب جانے کے لئے بے چین
ہو گئی جس کا اللہ تعالیٰ نے نیکوکار اور متقی لوگوں سے وعدہ کر رکھا ہے۔

خدا کا دشمن حبشی اللہ کے حبیب حضرت حمزہ کی جانب دیکھتا رہا اور
جب ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور جسم کی حرکت اور دل کی
دھڑکن بند ہو گئی تو وہ حبشی آگے بڑھا اور اس نے اپنا نیزہ نکال لیا اور پھر

لشکر کے پچھلے حصّے کی جانب گیا اور نیزہ وہاں گاڑ دیا اس لئے کہ اب اسے
جنگ سے نہ کوئی سروکار تھا اور نہ اس میں اس کا کوئی فائدہ تھا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے باوجود مشرکوں کو سخت شکست
کا سامنا کرنا پڑا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ایسی
فتح وکامرانی حاصل ہوئی جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی۔ قریش
کا جھنڈا زمین پر گر کر پاؤں تلے روندا جاچکا تھا۔ اس جھنڈے کو بنو عبد الدار والوں
نے یکے بعد دیگرے ہاتھ در ہاتھ لیا تھا لیکن وہ سب کے سب نیست ونابود
ہوگئے اور لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور صورت حال ان پر مشتبہ ہو
گئی اور مسلمانوں کی ان تلواروں سے بچنے کے لئے وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے جو
ان کی گردنیں اڑا رہی اور سر قلم کر رہی تھیں اور وہ عورتیں جو مردوں کو ابھار
رہی تھیں اور جنگ پر برانگیختہ کر رہی تھیں۔ وہ حیران وششدر رہ گئیں
اور پہاڑ کی گھاٹیوں کی طرف بھاگ کھڑی ہوئیں۔

اب مسلمانوں کو کھل کر یہ معلوم ہوچکا تھا کہ مددِ خداوندی ان کے ساتھ
ہے اور ان کا آج کا یہ دن بھی جنگ بدر کے دن کی طرح فتح کا دن ہے۔ چنانچہ
خوشی سے سرشار اور فتح کی دولت سے مالا مال پورا کا پورا لشکر دشمن کے لشکر
کی جانب بڑھ کر ان کے مال غنیمت کو لوٹنے لگا۔

مسلمانوں کے تیر اندازوں کی وہ جماعت جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے پہاڑ پر مقرر کیا تھا جب اس جماعت نے مشرکوں کی اس شکست فاش اور
مسلمانوں کی فتح وکامرانی کو دیکھا اور یہ مشاہدہ کرلیا کہ فتحیاب لشکر شکست خوردہ
لشکر کی صفوں میں گھس کر ان کا مال غنیمت لوٹ رہا ہے تو ان میں سے بعض
نے بعض سے کہا، اب تم لوگ یہاں بلاوجہ ٹھہر کر کیا کروگے؟! اللہ تعالیٰ نے
دشمن کو تو شکست دے دی ہے اور یہ تمہارے مسلمان بھائی دشمنوں کے لشکر
کو لوٹ رہے ہیں لہٰذا تم بھی ان کے ساتھ مل کر مال غنیمت کے لوٹنے میں
شریک ہوجاؤ۔

یہ سن کر دوسرے حضرات نے جواب دیا کہ تم لوگوں سے حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرتے رہنا
اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔

ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ مشرکین
کے شکست کھاجانے کے بعد بھی ہم یہیں پر رہیں۔ ان لوگوں کے امیر حضرت عبد اللہ
بن جبیر نے انہیں نصیحت کی کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں لیکن ان لوگوں نے ان کی بات پر کان نہ دھرا اور
ان کی نصیحت کی طرف توجہ نہ کی اور دوسرے حضرات کی طرح وہ بھی مال غنیمت لوٹنے
چلے گئے اور اس جماعت کے امیر کی بات پر لبیک کہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے حکم کی فرمانبرداری کے لئے وہاں پر سوائے چند حضرات کے اور کوئی باقی

نہ بچا۔

مشرکین کے دائیں جانب کے لشکر کے قائد خالد بن ولید نے جو اچانک اس جانب دیکھا جہاں مسلمان تیر انداز کھڑے تھے تو انہوں نے محسوس کیا کہ اس جگہ سوائے چند افراد کے اور کوئی بھی نہیں ہے لہٰذا وہ اپنی شہسواروں کی جماعت کے ساتھ مل کر اس جانب سے حملہ آور ہوئے اور پیچھے پیچھے بائیں جانب کے لشکر کا قائد عکرمہ بن ابی جہل بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حملہ آور ہو گیا اور ذرا سی دیر میں مسلمان تیر اندازوں کے قائد حضرت عبداللہ بن جبیر کے جسم کو ان لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ان کے ساتھیوں کے جسموں کو تیروں سے چھلنی کر ڈالا۔

کافر شہسواروں کا یہ لشکر میدان جنگ کے درمیان میں اسی جگہ پہنچ گیا جہاں معاملہ درہم برہم تھا مشرکین بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کا مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ چنانچہ کافروں کے اس لشکر نے بلند آواز سے اپنا مخصوص جنگی نعرہ بلند کیا۔

اے عزیٰ اور ہبل۔

کافر شہسواروں کی تلواریں ان مسلمانوں کے سروں پر بجنے لگیں جو اس صورت حال سے بالکل غافل تھے، اس لئے کہ یہ حملہ ان پر بالکل اچانک اور خلاف توقع ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مال غنیمت وہیں چھوڑا اور تلوار نیام سے نکال کر دشمن سے لڑنا شروع کر دیا اور دشمنوں کے جس لشکر نے ان کا محاصرہ کر

لیا تھا اس پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا لیکن بات بہت دور تک پہنچ چکی تھی اس لئے کہ دشمن کا لشکر تیار ہو کر موقع سے فائدہ اٹھا کر حملہ آور ہوا تھا اور ان کے آدمی مسلمانوں پر دائیں بائیں سے جھپٹ پڑے تھے اور مسلمان کچھ ایسے مبہوت ہو گئے تھے کہ کچھ دیر کے لئے انہیں اپنے ساتھیوں اور دشمنوں میں امتیاز نہ رہا اور ایک دوسرے کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا، حملہ ایسا ہولناک تھا کہ جس کی وجہ سے وہ اپنا جنگی شعار اور مخصوص لفظ بھی بھول گئے تھے اور اس طرح سے جنگ نے رخ بدلا اور اس کا ایک پلڑا جھک گیا اور دوسری جانب کا پلڑا بھاری ہو گیا۔

مشرکین میں سے کسی نے یہ اعلان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا گیا ہے، اس بات نے دونوں فریقوں پر جادو کا سا اثر کیا۔ یہ اعلان سن کر اکثر مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور جوش میں کمی آ گئی اور مشرک خوش ہو گئے اور ان کی ہمت اور بڑھ گئی۔ جنگ کرنے والی جماعتوں میں کچھ انتشار اور رخ پھرنے کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ چنانچہ بعض مسلمان جنگ سے ایک طرف ہو گئے اور بعض مسلمانوں نے جنگ بند کروانا چاہی لیکن بہت سے مسلمان اسی قوت و طاقت ایمانی کے ساتھ نہایت بے جگری سے لڑتے رہے اور وہ اپنے ان ساتھیوں سے جو ہمت ہار بیٹھے تھے یہ کہنے لگے کہ:

اگر بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں تو بتلاؤ ان کے بعد زندہ رہ کر تم کیا کرو گے؟ اس لئے جنگ کرو لڑو اور جس مقصد

کے لئے انہوں نے جان دی تم بھی اپنی جان دے دو یا کچھ لوگ یہ کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اس لئے تم لوگ اپنے دین اسلام کی طرف سے جنگ کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں ان پر کبھی بھی موت نہیں آئے گی۔

جس وقت اس کافر نے یہ اعلان کیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا گیا ہے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی اس جماعت کے درمیان گھرے ہوئے تھے جنہوں نے آپ کے قتل کرنے کا باہمی معاہدہ کیا ہوا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر اور تیر برسا رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو اپنی کمان سے بچا رہے تھے اور آپ کے اردگرد ان صحابہ کا حلقہ وحصار تھا جو آپ کو بچانے اور آپ کی حفاظت کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے حتیٰ کہ انہوں نے یہ عہد بھی کر لیا کہ وہ اپنی جان قربان کر دیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔

چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ مشرکین کے پھینکے ہوئے پتھروں کی وجہ سے آپ کی پیشانی مبارک زخمی ہو گئی ہے اور اگلے دندان مبارک شہید ہو گئے ہیں اور ہونٹ خون آلود ہے اور وہ خود جو آپ نے اپنے چہرہ پر پہنا ہوا تھا اس کی دو کڑیاں آپ کے رخسار مبارک میں گھس گئی ہیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کی خاطر آپ کے ہمراہ پہاڑ پر چڑھ

گئے، ابو عامر اوسی نے خندق نما گڑھے پہاڑ کے کنارے پر کھود رکھے تھے تاکہ مسلمان ان میں گر جائیں۔ ان خندقوں میں سے ایک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں مبارک پھسل گیا تو جلدی سے حضرت علی وطلحہ بن عبید اللہ آپ کی طرف لپکے اور آپ کے ہاتھ پکڑ کر آپ کو اوپر کی جانب اٹھا لیا اور پھر سب کے سب احد پہاڑ پر چڑھنے لگے۔

پہاڑ کے اونچے حصے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ نے آپ کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور اپنے جسموں کے ذریعہ آپ کی حفاظت کرنے کے خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے اور آپ پر اپنی جانیں قربان کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص تیر پھینکنے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تیر دیتے جاتے اور یہ فرماتے جاتے میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں تم تیر مارے جاؤ۔

اس اعلان کرنے والے نے جب یہ اعلان کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا گیا تو اس وقت جو صاحب شہید ہوئے تھے وہ در اصل مسلمانوں کے جھنڈا بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ان کو ابن قمیئہ نے قتل کیا تھا اور وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنایا ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان صحابہ کو جو آپؐ کے ارد گرد تھے
خاموش رہنے کا حکم دیا اور آپ کے بارے میں جو قتل کیے جانے کی غلط
خبر اڑائی گئی تھی اس کے جھٹلانے سے روک دیا۔

قریش کے آدمی مرنے والوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم
مبارک کو تلاش کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان میں سے ہر شخص کی یہ
خواہش تھی کہ وہ آپؐ کو پالے اور سب سے پہلے آپؐ کے جسدِ اطہر کی
تکا بوٹی وہی کرے۔ ان لوگوں میں سے ایک شخص ابو سفیان بھی تھا جو
مرنے والوں کے چہرے دیکھتا اور یہ کہتا جاتا کہ ہمیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہیں نہیں مل رہے ہیں۔

اسی اثناء میں ابو سفیان کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جسم خاکی نظر
آگیا۔ چنانچہ وہ حضرت حمزہ کے گلے پر نیزہ مار کر یہ کہنے لگا: اے نافرمان
مزہ چکھ لو، یعنی تم نے جو کہا تھا اس کی سزا مل گئی، آج تم نے بھی قتل کا مزہ
اسی طرح چکھ لیا جس طرح تم نے قریش کو جنگِ بدر میں قتل کر کے موت
کا مزہ چکھایا تھا۔

یہ دیکھ کر حُلیس بن زبان نے ابو سفیان کو پکڑ کر ایک طرف کھینچ لیا
اور اس کی اس حرکت کو ناپسند کیا اور یہ کہا: اے بنو کنانہ والو ذرا دیکھو تو
سہی کہ یہ قریش کا سردار اپنے بھتیجے کے ساتھ کیا حرکت کر رہا ہے!!

یہ سن کر ابو سفیان کو ہوش آگیا اور دماغ درست ہو گئے اور اس نے حُلیس
سے کہا کہ اس بات کو اور لوگوں سے مخفی رکھنا۔ یہ مجھ سے لغزش اور غلطی ہو
گئی تھی۔

ابو سفیان کی ملاقات خالد بن ولید سے ہوئی تو ابو سفیان نے اس سے
پوچھا: کیا تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل ہو جانے کا یقین ہے تو اس نے کہا
کہ میں نے تو انہیں اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چڑھتے
ہوئے دیکھا تھا۔

مشرکوں کے مکر و فریب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نجات پانے
کی خوشخبری مسلمانوں کو سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
نے سنائی۔ وہ اس جگہ سے گذرے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام
کے ساتھ موجود تھے۔ تو انہوں نے آپ کو دیکھ کر اس طرح پہچان لیا کہ خود سے آپ
کی چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے بآوازِ بلند یہ اعلان کیا
کہ اے مسلمانوں کی جماعت خوشخبری سن لو یہ دیکھو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ
وسلم یہاں موجود ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن
وہ مسلمان جن کے دلوں میں امید و آرزو کا چراغ اس اعلان سے جل اٹھا تھا
اور زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی تھی وہ جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد اکٹھا

ہو گئے جن کے آگے آگے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ پھر یہ سب حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے تاکہ آپ مشرکوں کی زد سے محفوظ رہیں۔ مسلمانوں کی عورتوں نے بھی اس جانب کا رُخ کیا۔ یہ عورتیں لڑنے والوں کو پانی پلانے کے لئے مشکیزے بھر بھر کر لا رہی تھیں جن کے آگے آگے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں جو اپنے والد کے پاس روتی ہوئی آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے خون صاف کرنے اور زخموں پر مرہم پٹی کرنے لگیں۔

مشرکوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچ گئے ہیں تو آپ کے تعاقب و تلاش میں مشرکوں کی ایک جماعت سرگرم ہو گئی جن میں آگے آگے ابی بن خلف ہتھیار لہراتا ہوا یہ کہتا ہوا چل رہا تھا کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں اگر وہ نجات پا گئے تو میں زندہ نہ بچوں۔

اور پھر جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ایک چھوٹا نیزہ لے کر اس سے ابی بن خلف کو نشانہ بنایا چنانچہ وہ الٹے پاؤں واپس لوٹا تاکہ اس کی جان راستہ میں نکل جائے۔

دوسری طرف سے خالد بن ولید پہاڑ پر چڑھا تاکہ آپ کو قتل کر سکے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ نے اسے الٹے پاؤں واپس کر دیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل حبشی معاوضہ حاصل کرنے کے لئے ہند

کے پاس گیا اور اس کو سارا واقعہ بتلایا اور کہا کہ میں حمزہ کو قتل کر چکا ہوں اب میرا معاوضہ کیا ہے تو اس نے کہا میرا زیور تمہارا ہے ذرا مجھے یہ تو بتلاؤ کہ حمزہ کس جگہ پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حبشی اس کو لے کر وہاں گیا جہاں حضرت حمزہ کا جسم پڑا ہوا تھا۔ ہندہ اپنے حقد و حسد اور دل کی آگ پر قابو نہ پا سکی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ کو چاک کیا جگر نکالا اور اس کو اپنے دانتوں سے چبانے لگی تاکہ انتقام کی آگ ٹھنڈی کر سکے اور اس کو تشفی ہو جائے مگر وہ اس کو چبا کر نگل نہ سکی۔ چبایا اور چبا کر تھوک دیا۔

اور پھر ہند نے اپنا زیور اتار کر وحشی کو دے دیا اور پھر قریش کی عورتوں کے ساتھ مل کر شہید مسلمان کی ناک اور کان کاٹنے لگیں اور ان کو ہار کی شکل میں پرونا شروع کر دیا تاکہ اس کو اپنا زیور بنالیں۔

قریش جب اپنے مرنے والوں کو دفن کرنے سے فارغ ہو گئے اور جانے کا ارادہ کر لیا تو ابوسفیان پہاڑ کے دامن میں آیا اور جو مسلمان اوپر چڑھے ہوئے تھے ان سے خوشی و سرور کے ساتھ یہ کہنے لگا۔

آج کا دن جنگ بدر کا بدلہ ہے اور ہمارا اور تمہارا آئندہ مقابلہ اگلے سال بدر کے مقام پر ہوگا اور پھر وہ یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ: تمہیں اپنے مقتولین کی ناک اور کان کٹے ہوئے ملیں گے۔ لہٰذا میں اس پر نہ خوش ہوں نہ ناراض اور نہ میں نے اس سے منع کیا اور نہ اس کا حکم دیا تھا۔

مسلمان پہاڑ سے نیچے اترے تاکہ اپنے شہیدوں کو دفن کر سکیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کے پاس گئے اور ان کے ساتھ جو مثلہ (اعضاء کا کاٹنا) کیا گیا تھا اسے دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو جاری ہو گئے اور داڑھی مبارک تر ہو گئی اور آپ یہ ارشاد فرمانے لگے: میں نے کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا جو مجھے اس منظر سے زیادہ غیظ و غضب میں ڈالنے والا ہو۔

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بخدا اگر ہم کبھی پھر ان پر غالب آگئے تو ان کے ساتھ ایسا معاملہ اور ان کا ایسا برا حشر کریں گے کہ کسی عرب قوم نے کسی کا ایسا حشر نہ کیا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ پر درج ذیل آیت نازل فرمائی۔

«وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ. وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ»

(النحل - ۱۲۶، ۱۲۷)

اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر کہ تم کو تکلیف پہنچائی جائے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے اور آپ صبر کیجئے اور نہیں ہے آپ کا صبر کرنا مگر اللہ ہی کی مدد سے اور ان پر غم نہ کریں اور تنگ مت ہوں ان کے فریب سے۔

۱۵

غزوہ احد کے بعد

«وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ»

(آل عمران - ۱۶۷، ۱۶۸)

اور کہا گیا ان سے کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن کو کہنے لگے اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو البتہ ہم تمہارے ساتھ رہیں وہ لوگ اس دن کفر کے قریب ہیں بنسبت ایمان کے، کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں، وہ لوگ جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے اور خود بیٹھے رہے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے، آپ کہہ دیجئے تم ہٹا دو اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو۔

یہ وہ آیات کریمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھیں جن میں غزوہ احد سے پہلے اور اس کے بعد منافقین کے کرتوتوں اور حرکات کو بیان کیا گیا تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قریش سے جنگ کے لئے نکلنا چاہا تو منافقین یہ کہتے ہوئے پیچھے رہ گئے کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ تم لوگ واقعی جنگ کروگے تو ہم تمہارے ساتھ ضرور چلتے اور تمہارا ساتھ دیتے۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ یہ لوگ زبان سے جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے اور یہ بھی کہ یہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن درپردہ ان کے دلوں میں کفر و نفاق چھپا ہوا ہے۔

غزوۂ احد کے بعد جب مسلمان مدینہ منورہ واپس آئے تو منافق خوش خوش ان کے پاس آئے اور کہا کہ اچھا ہوا ہم تمہارے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوئے ورنہ تمہاری طرح ہم بھی مارے جاتے اور مسلمانوں کو جو ہزیمت اٹھانی پڑی تھی ان منافقوں نے اس کا مذاق اس طرح سے اڑایا کہ کہنے لگے:

تمہارے وہ ساتھی جو جنگ میں مارے گئے اگر وہ ہماری بات مان لیتے اور ہمارے ساتھ ہو جاتے تو ہرگز قتل نہ ہوتے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ اس بات پر قادر ہیں کہ اگر اللہ ان کو مارنا چاہے تو وہ موت سے اپنے آپ کو بچالیں۔

جنگ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جو مصائب جھیلنا

پڑے اس پر یہود یہ کہنے لگے:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو غلبہ اور بادشاہت چاہتے ہیں اس لئے کہ کسی بھی نبی کے ساتھ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کو جسمانی تکلیف بھی پہنچی ہو اور اس کے ساتھیوں کو بھی مصائب برداشت کرنا پڑے ہوں۔

منافق عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ پکے سچے مسلمان تھے اور وہ جنگ احد میں شدید زخمی ہو گئے تھے۔ منافقوں کا سردار ان کا والد عبداللہ بن ابی ان کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں جانے پر سخت وسست کہا کرتا تھا۔ اس کی کڑوی کسیلی بات سن کر اس کے بیٹے عبداللہ صرف اتنا کہتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ اچھا ہی کیا ہے۔

اور واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس معاملہ میں مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیر و بھلائی ہی تھی اس لئے کہ اس کی وجہ سے منافقوں کا نفاق کھل کر مسلمانوں کے سامنے آگیا تھا اور ان کی ریاکاری اور دھوکہ بازی کا پردہ چاک ہو گیا تھا حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسلمانوں نے عبداللہ بن ابی منافق کو اس بات کے کہنے سے بھی روک دیا جو وہ جمعہ کے دن نمازیوں کے بھرے مجمع میں کہا کرتا تھا کہ انہیں چاہئے کہ وہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کریں اور ان کے بازو مضبوط کریں۔ چنانچہ اس مرتبہ جب اس نے یہ کلمات کہنا چاہے تو مسلمانوں نے اس کو پکڑ کر زبردستی بٹھا دیا اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے بات کرنے سے بھی روک دیا اور اس سے کہا:

اے اللہ کے دشمن تم بیٹھ جاؤ، بخدا تم اس لائق نہیں ہو، تم جو کچھ کر چکے ہو وہ سب کے سامنے عیاں ہے۔ عبداللہ بن ابی نہایت ذلت و رسوائی کی حالت میں مسجد سے یہ کہتا ہوا نکلا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کوئی بری بات کہہ دی میں نے تو ان کو قوت پہنچانے کے لئے ہی کھڑا ہوا تھا۔

منافقوں اور یہودیوں کا یہ پہلو جب مسلمانوں کے سامنے کھل کر آگیا اور مسلمان ان کی بد باطنی پر اچھی طرح مطلع ہو گئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہود اور منافقین سے جنگ کرنے اور ان کی بیخ کنی کی اجازت مانگنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

یہود سے میں نے معاہدہ کیا ہوا ہے اس لئے ان سے جنگ نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر نے فرمایا: کہ پھر منافقین کے ساتھ تو جنگ ہونا ہی چاہیے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا یہ لوگ یہ ظاہر نہیں کرتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں؟ حضرت عمر نے فرمایا: یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ لوگ تو مسلمانوں کے ساتھ مل کر کافروں سے جنگ نہیں کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی حقیقت کھل گئی ہے اور ان کا باطن ظاہر ہو گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر مجھے اس شخص سے لڑنے کے لئے روک دیا گیا ہے جو کلمہ شہادت پڑھتا ہو۔

اور اس طرح سے منافقین اب کھلم کھلا اپنے نفاق کا اظہار کرنے لگے اور مسلمانوں کی پریشانیوں پر خوشی کا اظہار کرنے لگے اور ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور یہ نہیں دیکھا کہ جنگ احد کے موقعہ پر ہی مسلمانوں نے اپنی وقتی شکست کا بدلہ لے لیا تھا اور انہوں نے قریش کے لشکر پر از سر نو حملہ کر کے ان کے دانت کھٹے کر دیئے تھے اور شروع کی کامیابی و فتح سے ان کے دلوں میں مدینہ پر دوبارہ حملہ کا جو خیال پیدا ہوا تھا اس کو ختم کر کے ان کی آرزوؤں پر پانی پھیر دیا تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ قریش اپنی فتح پر خوش خوش مکہ مکرمہ گئے لیکن انہیں یہ خیال آیا کہ چپکے سے مدینہ پر اچانک حملہ کر دیا جائے اس لئے کہ مسلمان شکست کی وجہ سے ٹوٹے پھوٹے زخم خوردہ اپنے زخموں کی مرہم پٹی اور اپنے مقتولین پر نوحہ خوانی کر رہے ہوں گے۔ یہ سوچ کر قریش کے لشکر نے روحاء مقام پر پڑاؤ ڈالا اور طے کیا کہ دوبارہ لوٹ کر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے اور ان کی بیخ کنی کر دی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں یہ اعلان کیا کہ جو جنگ احد میں شریک ہوا ہو اس کو چاہیے کہ وہ میرے ساتھ قریش کے لشکر کا مقابلہ کرنے نکلے، جنگ احد کے شرکاء نے یہ آواز سنی تو اس پر فوراً لبیک کہا اور باوجود

تکان اور زخموں کے آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے آگے آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

حمراء الاسد مقام پر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا اور وہاں سے معبد بن ابی معبد خزاعی کا گذر ہوا۔ خزاعہ والوں کا رجحان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا اور وہ مسلمانوں کے ہمدرد تھے۔ معبد کو مسلمانوں اور قریش کی جنگ کی اطلاع مل چکی تھی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ حضرات کو جو تکلیف پہنچی ہے ہمیں اس سے سخت دکھ ہوا۔ ہم تو تمنا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان لوگوں سے بچائے۔

معبد یہاں سے رخصت ہو کر قریش کے لشکر کے پاس آئے جن کا سردار ابوسفیان تھا، ابوسفیان نے معبد سے پوچھا: اے معبد کیا خبر لائے ہو؟

معبد نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کے اتنے بڑے لشکر کے ساتھ تمہارے مقابلے پر آ رہے ہیں جتنا بڑا لشکر میں نے کبھی نہیں دیکھا اور پورا لشکر تم سے لڑنے کا دیوانہ اور تمہاری ملاقات کا بے تاب ہے۔

ابوسفیان نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیا کہہ رہے ہو؟

معبد نے کہا: بخدا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ لوگ واپس ہو جائیں۔

ابوسفیان نے کہا: ہم نے تو یہ طے کیا تھا کہ مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر کے ان کی بیخ کنی کر دی جائے اور باقی ماندہ لوگوں کو ختم کر دیا جائے۔

معبد نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ تم اس خیال سے باز آجاؤ۔

ابوسفیان کو چکر آگیا اور وہ پریشان ہو گیا کہ کیا کرے کیا نہ کرے؟ اور کون سی صورت اختیار کرے؟ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رخ کرے اور لڑائی کے لیے ان کے مدمقابل آجائے جب کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں پیچھے رہنے والوں کو بھی اپنے ساتھ لشکر میں ملا لیا ہے اور سب کے سب لڑائی کے لیے بے تاب ہیں جس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اور اس کا لشکر ان کے ہاتھوں شکست کھا جائے، یا یہ کہ مسلمانوں کے خلاف جتنی فتح و کامیابی اور نام حاصل ہوا ہے اس پر اکتفا کر کے مکہ مکرمہ صحیح سالم واپس لوٹ جائے۔

ابوسفیان اور قریش کے سرکردہ لوگ آپس میں بحث و مباحثہ میں مشغول تھے کہ ان کے پاس سے عبد قیس کا ایک قافلہ گذرا تو ابوسفیان نے قافلہ والوں سے پوچھا: کہاں جا رہے ہو۔

انہوں نے جواب دیا: ساز و سامان خریدنے اور تجارت کی غرض سے مدینہ جا رہے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا: کیا تم لوگ میرا ایک پیغام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہنچا دو گے جس کے بدلے میں تمہارے قافلہ والوں کو جب تم سوق عکاظ میں آؤ گے منقے دے دوں گا، یہ سن کر قافلہ والوں نے کہا: ٹھیک ہے ہم تیار ہیں۔

ابوسفیان نے کہا: جب تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچو تو ان سے کہہ دینا کہ ہم ان کی بیخ کنی کرنے کے لیے پہنچنے والے ہیں۔

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

چنانچہ جب قافلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو اس نے آپ کو ابوسفیان کا پیغام پہنچا دیا۔ تو آپ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بہت کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے لڑائی کے لئے تین دن تک ابوسفیان اور اس کے لشکر کے آنے کا انتظار کیا لیکن ابوسفیان واپس نہیں آیا بلکہ اس نے اور اس کے لشکر نے سلامتی کو ترجیح دی اور اس خوف سے اسی طرح مکہ مکرمہ واپس لوٹ گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بجائے خوشی کے رسوائی کی حالت میں ناکام و نامراد واپس جانا پڑے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قریش کے مکہ واپس لوٹنے کا علم ہوا تو آپ بھی مدینہ منورہ واپس ہو گئے اور آپ نے یہ محسوس کر لیا کہ قریش کے ساتھ اب سردست فوری جنگ نہیں ہو سکتی اور اب ان کے پروگرام اور دھمکی کے مطابق بدر کے مقام پر اگلے سال ہی لڑائی ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے سامنے وہ منافق اب بھی موجود تھے جو مسلمانوں پر آوازیں کستے اور ان کا مذاق اڑانے میں کوئی کسر نہ

چھوڑتے تھے اور وہ یہود بھی موجود تھے جو مسلمانوں کو کمزور سمجھنے لگے تھے اور ان کی ہیبت و خوف ان کے دلوں سے نکل چکا تھا اور ساتھ ہی جزیرہ عرب کے وہ قبائل بھی تھے جو مسلمانوں کی اس وقتی شکست سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان پر حملہ کا پروگرام بنا رہے تھے تاکہ ان کے مال و دولت پر قبضہ کر سکیں۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی تدبیر پر غور فرمانے لگے جس کے ذریعے سے مسلمانوں کی سابقہ شان و شوکت اور رعب و دبدبہ لوٹ آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ لوگ آپ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نجد کے علاقہ حمر الاسد میں لشکر کو تیار کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک سو پچاس آدمیوں پر مشتمل ایک لشکر ترتیب دینے کا حکم دیا اور اس پر ابوسلمہ بن عبد الاسد کو امیر مقرر فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ قطن نامی جگہ کا رخ اختیار کریں جہاں بنو اسد کے لشکر والے اکٹھے ہوئے ہیں اور اس سے قبل کہ وہ لوگ مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری مکمل کریں، یہ لوگ ان پر حملہ کر دیں۔

چنانچہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت منزل مقصود کی طرف (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور نصیحتوں اور وصیتوں سے مالا مال ہو کر) روانہ ہو گئے۔ جب یہ لوگ مقام قطن پر پہنچے تو بنو اسد کے

لشکر والوں کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع مل گئی، وہ اس وقت تک جنگ
کے لئے تیار نہیں ہوئے تھے لہٰذا دم دبا کر بھاگ گئے اور کافی تعداد میں اونٹ
و بکریاں اور مال غنیمت چھوڑ گئے۔ مسلمانوں کے لشکر نے اس پر قبضہ کر لیا،
اور ان جانوروں کی رکھوالی کرنے والے تین غلام بھی قیدی بنا لئے اور اس
مال غنیمت کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فقراء و مسافروں کے لئے الگ کر کے باقی مال غنیمت
آپس میں تقسیم کر لیا۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر بھی پہنچی کہ خالد بن سفیان بن
نبیح ہذلی مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے نخلہ کے مقام پر لشکر اکٹھا کر رہا
ہے تو آپ نے صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے عبداللہ بن انیس کو بھیجا۔
چنانچہ حضرت عبداللہ خالد کے پاس گئے وہ اپنے گھر میں اپنی عورتوں کے
ساتھ بیٹھا تھا۔ خالد نے عبداللہ سے پوچھا، تم کون ہو؟

حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ میں ایک عربی ہوں مجھے اطلاع ملی
تھی کہ آپ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جنگ کے لئے ایک لشکر تیار کر
رہے ہیں۔ اس غرض سے میں بھی آگیا ہوں۔ چنانچہ وہ تو اس غرض کے لئے
لشکر اکٹھا کر ہی رہا تھا اس لئے اسے ان کا آنا کوئی تعجب خیز نہ معلوم ہوا۔

جب حضرت عبداللہ نے یہ تحقیق کر لی کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کے لئے واقعی
لشکر جمع کر رہا ہے تو وہ اس تاک میں لگ گئے کہ خالد کو جیسے ہی تنہا پائیں اس
کو ٹھکانے لگا دیں اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے اور موقعہ پا کر خالد کو
قتل کر ڈالا اور مدینہ منورہ ایسی حالت میں آئے کہ خالد کی عورتیں خالد
کے مرنے پر بین کر رہی تھیں۔

اور اس طرح سے ایک وقت تک کے لئے ہذیل کے لشکر کے افراد
منتشر ہو گئے لیکن اب ان کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے
جنگ کرنے کے لئے ایک سبب تھا اور وہ اپنے سردار خالد کے قتل کا بدلہ
وانتقام لینا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ ہر اس جماعت کے ساتھ اختیار
کیا جو مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر ان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتی تھی چنانچہ آپ
جس قبیلہ کے بارے میں یہ خبر سنتے اس سے جنگ کرنے کے لئے مسلمانوں کی
جماعت بھیج دیتے، اسی اثناء میں ہذیل کے پڑوس میں رہنے والے قبیلے کے
کچھ افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ
سے عرض کیا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، ہم میں مسلمان موجود ہیں اس لئے آپ
اپنے ساتھیوں میں سے کچھ ایسے ساتھی ہمارے ساتھ بھیج دیں جو ہمیں دین

اسلام سکھائیں اور قرآن کریم کی تعلیم دیں اور شریعت اسلامیہ سے روشناس کرائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جس قبیلہ کے بارے میں آپ کو یہ علم ہوتا کہ اس میں مسلمان ہیں اور وہاں کے دوسرے لوگ اسلام کی طرف مائل ہیں تو آپ ان کے پاس کچھ ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیج دیا کرتے تھے جو انہیں قرآن کریم کی تعلیم دیں اور دین سکھائیں اور شریعت اسلامیہ سے باخبر کریں لہٰذا اس غرض کے لئے آپ نے چھ آدمی منتخب کئے اور ان کو ان لوگوں کے ساتھ بھیج دیا۔ یہ جماعت مدینہ منورہ سے رخصت ہوگئی اور وہاں سے چل کر جب یہ لوگ حجاز کی ایک جانب ہذیل کے ایک کنوئیں پر جسے رجیع کہا جاتا ہے قیام پذیر ہوئے تو اس وفد کے ارکان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ساتھیوں کے ساتھ غداری کی اور ہذیل کے آدمیوں کو ان چھ نہتے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پکارا۔

چنانچہ ہذیل کے آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ پر تلواریں لے کر جھپٹ پڑے اور ان چھ کے چھ آدمیوں پر اچانک حملہ شروع کر دیا۔ یہ حضرات بھی فوراً سمجھ گئے کہ ان لوگوں نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور یہ انہیں مسلمانوں کے پاس سے دھوکہ دے کر اس لئے لائے تھے کہ ان کو قتل کرکے ہذیل اپنے سردار خالد بن سفیان بن نبیح کے قتل کا بدلہ لیں۔ چنانچہ یہ دیکھ کر ان حضرات نے بھی اپنی تلواریں نیام سے نکال لیں اور جن غداروں نے چاروں طرف سے ان کا محاصرہ کر رکھا تھا ان سے نبرد آزما ہوگئے۔ لیکن انہوں نے سنا کر ہذیل کے آدمی

یہ کہہ رہے ہیں کہ بخدا ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری وجہ سے اہل مکہ سے اپنا کچھ حصہ اور بدلہ حاصل کرلیں اور ہم تمہیں خدا کا عہد و پیمان دیتے ہیں کہ تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب نے یہ خوب سمجھ لیا کہ ان لوگوں کے عہد کا کوئی اعتبار نہیں اور ان کے وعدہ پر اعتبار کرنا ان کے ساتھ جنگ سے بھی بدتر ہوگا اس لئے ان حضرات نے ہذیل والوں سے کہا: خدا کی قسم ہمیں مشرکوں کے کسی عہد و پیمان کا اعتبار نہیں ہے۔

اور اس طرح سے باوجود دشمنوں کے تعداد میں زیادہ ہونے اور اپنی تعداد کم ہونے کے ان مسلمانوں نے ان غدار مشرکوں کے خلاف اپنی تلواریں سونت لیں لیکن اس کا نتیجہ وہی نکلا جو ظاہر تھا کہ کافروں کی یہ بڑی تعداد چند گنتی کے آدمیوں پر غالب آگئی اور تین مسلمان: مرثد بن ابی مرثد اور خالد بن بکیر اور عاصم بن ثابت بن ابی افلح شہید ہوگئے اور باقی ماندہ تین حضرات قیدی بنا لئے گئے ہیں اور وہ خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ اور عبداللہ بن طارق تھے۔

حضرت عاصم بن ثابت نے جنگ احد میں سلافہ بنت سعد کے دو بیٹوں مسافع اور طلحہ کو قتل کر دیا تھا جس پر ان کی ماں نے یہ نذر مانی تھی کہ جو شخص اس کے پاس عاصم کا سر لائے گا تو وہ اس کی کھوپڑی میں شراب پئے گی اور سر لانے والے کو سو اونٹ انعام میں دے گی، چنانچہ جب ہذیل کے مشرکوں نے حضرت عاصم کو شہید کر دیا (اور ان کو سلافہ کی نذر معلوم ہی تھی) تو وہ اس لالچ میں کہ

سو اونٹ انہیں مل جائیں، حضرت عاصمؓ کے جسم کی طرف بڑھے تاکہ سر کو جدا کرلیں لیکن وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے جسم کے اردگرد بھڑوں نے حلقہ بنایا ہوا ہے اور وہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے جسم تک پہنچنا ناممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا، چلو رات تک انتظار کرلیتے ہیں تاکہ اندھیرے میں بھڑیں بھاگ جائیں۔

جب شام ہوئی اور اس جگہ پہنچے جہاں حضرت عاصمؓ کا جسد تھا تو دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے اور ان کے جسم کو سیلاب ایسی جگہ لے گیا ہے جس کا انہیں علم ہی نہیں ہو سکتا اور اس طرح سے اللہ نے ان کی اس آرزو کو پورا ہونے دیا اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے سر کو اس سے محفوظ رکھا کہ سلافہ اپنی نذر پوری کرنے کے لئے ان کی کھوپڑی میں شراب پی سکے۔

قبیلہ ہذیل والے باقی ماندہ تین گرفتار مسلمان قیدیوں کو اپنے ہمراہ مکہ لے گئے تاکہ وہاں لے جاکر ان کو فروخت کردیں۔ قیدیوں کو انہوں نے کمانوں کے تانت سے باندھ رکھا تھا مکہ کے قریب جب وادی ظہران میں پہنچے تو حضرت عبداللہ بن طارق نے کسی تدبیر سے اپنے ہاتھ تانت سے آزاد کرالئے اور اپنی تلوار حاصل کرلی لیکن ہذیل والے ان سے دور بھاگ گئے اور ان پر پتھر برسانا شروع کردیئے اور پتھر مار مار کر ان کو شہید کر ڈالا اور پھر باقیماندہ دونوں قیدیوں کو مکہ لے کر پہنچے اور ان کو وہاں فروخت کر ڈالا۔ چنانچہ حضرت

زید بن دثنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے قتل کرنے کے لئے خرید لیا اور حضرت خبیب کو حجیر بن ابی اہاب نے اپنے ایک عزیز کے بدلے قتل کرنے کے لئے خرید لیا۔

صفوان بن امیہ نے حضرت زید بن دثنہ کو قتل کرنے کے لئے اپنے غلام نسطاس کے حوالہ کیا اور وہ ان کو لے کر تنعیم (مکہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر واقع ایک جگہ) کی جانب چلا گیا اور جب ان کو قتل کرنا چاہا تو ان کے اردگرد اہل مکہ کی ایک بڑی جماعت موجود تھی جس میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا۔ ابوسفیان آگے بڑھا اور اس نے زید سے کہا: زید میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں یہ بتلاؤ کہ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس ہوں اور ہم تمہارے بجائے ان کی گردن اڑا دیں اور تم بعافیت اپنے گھر لوٹ جاؤ۔

حضرت زید نے فرمایا، بخدا مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جس جگہ ہیں ان کے ایک کانٹا بھی لگے اور میں اپنے گھر آرام سے بیٹھا رہوں۔

یہ سن کر ابوسفیان نے نہایت تعجب سے یہ کہا: میں نے کسی آدمی کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس سے ایسی شدید محبت کرتے ہوں جیسی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی ان سے کرتے ہیں۔

اور پھر نسطاس نے حضرت زید کو شہید کر دیا اور حضرت زید نے اپنے

دین کی امانت کو پہنچانے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے کے لئے اپنی جان نثار کر دی۔

حضرت خبیب کو ان لوگوں نے چند روز قید رکھا اور پھر جب ان کو صولی پر چڑھانے اور قتل کرنے کے لئے تنعیم لے جانے لگے تو حضرت خبیب نے ان لوگوں سے کہا، اگر تم لوگ مجھے دو رکعت پڑھنے کی اجازت دے سکتے ہو تو دے دو۔ انہوں نے کہا: تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔

چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے نہایت خشوع وخضوع سے دو رکعتیں مکمل کیں اور پھر لوگوں کو متوجہ کر کے فرمایا:

بخدا اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ کہو کہ میں نے قتل سے ڈرنے کی وجہ سے نماز طویل کی ہے تو میں اور طویل کر دیتا۔

پھر جب حضرت خبیب کو اس تختہ کی جانب لے جایا گیا جس پر انہیں صولی دینا تھی اور اس کے ساتھ ان کو باندھ دیا گیا تو حضرت خبیب نے آسمان کی طرف آنکھیں اٹھا کر دعا مانگی: اے اللہ ہم نے آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس لئے اے اللہ ان تک یہ تمام حالات پہنچا دے جو ہمارے ساتھ گذرے ہیں۔ اے اللہ میں یہاں کوئی ایسا شخص بھی نہیں پاتا ہوں جو آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک میرا اسلام ہی پہنچا دے اس لئے اے اللہ آپ ہی میرا اسلام ان تک پہنچا دیجئے۔

پھر حضرت خبیب نے ان لوگوں کی طرف دیکھا جو ان کے سولی چڑھائے جانے اور قتل کئے جانے کا منظر دیکھنے کے لئے جمع تھے اور ان سے کہا: اے اللہ ان کو چن چن کر پکڑ لے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور انہیں ایک ایک کر کے ختم کر دے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑ اور اس طرح سے انہوں نے ان سب کے الگ الگ قتل کئے جانے کی بد دعا کی۔

یہ سن کر لوگوں پر ایسی شدید کپکپی طاری ہوئی کہ جس کی وجہ سے وہ اس ڈر سے زمین پر گر پڑے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں حضرت خبیب کی بد دعا لگ جائے اور پھر تھوڑی دیر بعد ان کافروں نے حضرت خبیب کو قتل کر ڈالا اور اس طرح سے حضرت خبیب اپنے شہید ساتھیوں زید وغیرہ سے جا ملے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنے ان ساتھیوں کی شہادت کی خبر ملی جو اللہ کے راستہ میں اللہ کے رسول کے پیغام کو پھیلانے کے لئے نکلے ہوئے تھے اور اسی حالت میں ان کو شہید کر دیا گیا تو اس واقعہ سے آپ کو سخت دکھ ہوا، اور شعراء نے ان کے لئے بڑے زبردست مرثیہ کہے اور مسلمانوں نے ان کے فراق پر بہت آنسو بہائے۔

منافقوں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا: تف ہو ان دیوانوں پر جو ہلاک ہو گئے نہ تو اپنے گھر میں اہل وعیال کے ساتھ ہی بیٹھے اور نہ ہی اپنے ساتھی کے پیغام کو پہنچایا۔ اس حادثہ پر کوئی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل نجد کے ایک صاحب آئے جن کا نام ابو براء عامر

بن مالک تھا اور وہ ملاعب الاسنۃ کے نام سے معروف تھے۔ ان کی قوم والے ان
کی بات پر کان دھرتے اور عمل کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام
کی دعوت دی تو نہ وہ اسلام لائے اور نہ اسلام لانے سے بیزاری کا اظہار کیا۔ البتہ
یہ کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ اپنے کچھ آدمی اہل نجد کے پاس اسلام کی
دعوت دینے بھیج دیں تو مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی دعوت پر لبیک کہیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ اہل نجد انہیں نقصان
نہ پہنچائیں۔

ابو براء نے کہا: میں ان کو اپنی امان دوں گا لہٰذا آپ لوگوں کو بھیج دیں
تاکہ وہ اسلام کی دعوت دے سکیں۔

ابو براء چونکہ اپنی قوم میں صاحب حیثیت تھے اور وجاہت کے مالک
تھے اور ان کی امان دینے کا مطلب یہ تھا کہ لوگ ان کے ساتھ غدر نہیں کریں گے
اور مسلمانوں کی زندگی خطرہ میں نہیں ہو گی۔ اس کو دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس مقصد کے لئے کچھ حضرات کو بھیجنے کا ارادہ کر لیا اور اس مقصد کے لئے
بہترین مسلمانوں کی جماعت کا انتخاب کیا جو حافظ قرآن بھی ہوں لہٰذا چالیس
افراد کا انتخاب کیا جن کا امیر منذر بن عمرو کو بنایا ان جانے والوں میں حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ بھی تھے۔

یہ جماعت مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر نجد کی جانب چل پڑی۔ جب

یہ لوگ بئر معونہ (ایک کنواں ہے جو بنو عامر اور بنو سلیم کی زمینوں کے درمیان
واقع تھا) پہنچے تو وہاں کجاوے اتار دئیے اور وہاں سے ایک آدمی عامر بن طفیل
کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر بھیجا۔

ابن طفیل نے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک دیکھا اور نہ
اس نامہ کو لانے والے کو موقع و مہلت دی بلکہ اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے جنگ کے لئے بنو عامر کو پکارا لیکن بنو
عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے جنگ کرنے سے یہ کہہ کر انکار
کر دیا کہ: ہم ابو براء کا عہد نہیں توڑ سکتے اور جن کو انہوں نے امان دیا ہے ہم
اس کے ساتھ غدر نہیں کریں گے۔

یہ دیکھ کر عامر بن طفیل نے مسلمانوں کے خلاف بنو سلیم کے قبائل سے مدد
مانگی اور وہ اس کے ساتھ ہو لئے اور ان لوگوں نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے
گھیر کر سخت حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ ایسا ہو گا لیکن
پھر بھی وہ اس غیر متوقع صورت حال سے نمٹنے کے لئے اپنی تلواروں کی طرف لپکے
اور اپنی طرف سے مدافعت شروع کر دی اور جو شخص ان کے ہتھے چڑھا اس
کو قتل کر دیا، جنگ ہوتی رہی اور نتیجہ یہ نکلا کہ سوائے دو آدمیوں کے تمام مسلمان
شہید ہو گئے۔ ایک میں زندگی کی کچھ رمق تھی اور وہ کچھ عرصہ کے بعد مدینہ منورہ
واپس ہو گئے اور دوسرے عمرو بن امیہ تھے جنہیں عامر بن طفیل نے گرفتار کر لیا

تھا اور ان کی والدہ پر ایک غلام آزاد کرنا واجب تھا جس کی جگہ پر انہوں نے
عمرو کو آزاد کر دیا۔

حضرت عمرو بن امیہ تن تنہا اس حالت میں مدینہ منورہ واپس لوٹے کہ
ان کا دل اپنے ان ساتھیوں کے لئے سلگ رہا تھا جن کے جسموں کو وہ درندوں
و پرندوں کی غذا کے لئے وہ چھوڑ آئے تھے اور ان لوگوں پر غصہ و نفرت کی
وجہ سے ان کا سینہ پھٹ رہا تھا جو مسلمانوں پر اس مصیبت اور آفت لانے
کا ذریعہ بنے تھے۔

حضرت عمرو راستہ میں تھے چلتے چلتے وہ جب تھک گئے تو ایک سایہ
کی جگہ میں تکان دور کرنے کے لئے بیٹھ گئے کہ اچانک وہاں پر دو اور تھکے ماندے
مسافر آرام کے لئے آ گئے۔ جب وہ دونوں بھی وہاں آرام پذیر ہو گئے تو حضرت عمرو
نے ان سے پوچھا کہ آپ دونوں کون ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم بنو عامر سے تعلق رکھتے
ہیں۔ حضرت عمرو نے ان کو موقعہ دیا اور جب وہ دونوں سو گئے تو انہوں نے
ان دونوں کو یہ سمجھ کر قتل کر ڈالا کہ اس طرح سے انہوں نے اپنے بے گناہوں ساتھیوں
کے قتل کا کچھ نہ کچھ بدلہ لے لیا ہے۔

لیکن جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام واقعات
بتلائے اور بنو عامر کے ان دونوں آدمیوں کے بارے میں بھی بتلایا تو نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نہایت افسوس سے کہا۔

اے عمرو تم نے بہت برا کیا، تم نے ان دو آدمیوں کو مار ڈالا جن کو میں
امان دے چکا تھا لہذا اب میں ان دونوں کی دیت دوں گا۔ اس کا سبب یہ
تھا کہ یہ دونوں آدمی ابو براء کی قوم کے تھے اور ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا ایک خط تھا جس میں آپ نے انہیں امان دی تھی اور ان کے ساتھ
معاہدہ نامہ تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہید ساتھیوں کے اس حادثہ کا سخت
دکھ و صدمہ تھا اور آپ نے فرمایا:

یہ سب کچھ ابو براء کا کیا دھرا ہے۔ مجھے اسی بات کا خوف و ڈر تھا۔

اس واقعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا صدمہ پہنچا کہ اس کی وجہ سے آپ
ایک مہینے تک فجر کی نماز کے بعد اللہ سے دعا کرتے رہے کہ اللہ ان لوگوں
سے بدلہ لے جنہوں نے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا۔

عامر بن طفیل کے ہاتھوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو صدمہ و سانحہ
پہنچا تھا اس کی وجہ سے ابو براء کو بھی بہت سخت دکھ ہوا تھا اس لئے کہ ابو
براء نے ہی ان حضرات کو اپنے امان اور عہد میں بلایا تھا۔

ان شہداء کے مرثیہ میں مسلمانوں کے پہلے شاعر حضرت حسان بن ثابت
نے بڑے درد بھرے اشعار کہے تھے اور ان اشعار کے ذریعہ ابو براءؓ کی اولاد کو
اس بات پر ابھارا تھا کہ وہ ان لوگوں سے انتقام لیں جنہوں نے ان کے والد

کے عہد و پیمان کو توڑا ہے۔ چنانچہ ابو براء کی اولاد میں سے ایک شخص ربیعہ بن عامر ابن طفیل کے پاس گیا اور اس کو نیزہ مارا، ابن طفیل گھوڑے پر سوار تھا، نیزہ کاری ضرب نہ لگا سکا بلکہ وہ اس کی ران پر لگا اور وہ گھوڑے سے زمین پر آرہا اور یہ کہنے لگا: یہ ابو براء کا کام ہے، اگر میں مرجاؤں تو میرا بدلہ میرے چچا لیں گے قاتل کو اور کوئی کچھ نہ کہے، اور اگر میں زندہ رہا تو میں خود فیصلہ کروں گا کہ یہ کیوں ہوا اور مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

ابو براء نے ایک گھوڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر اسے واپس کر دیا کہ: میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔

یوم الرجیع اور یوم بئر معونہ کے واقعات کا منافقین اور یہود اور دیگر مد مقابل عرب قبائل کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اپنی حیثیت اور مقام پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوچنے لگے تھے کہ آپ کو کیا وسائل اور کیا تدبیریں اختیار کرنا چاہیئے جن کی وجہ سے مسلمانوں کی ہیبت اور پہلے جیسی عزت وشان واپس لوٹ آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دس صحابہ کرام کے ساتھ جن میں حضرت ابوبکر و عمر و علی رضی اللہ عنہم بھی تھے، بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس گئے تاکہ ان سے ان دو آدمیوں کی دیت کے سلسلہ میں مدد لیں جنہیں عمرو بن امیہ

نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔

بنو نضیر کے یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کی آمد پر ظاہری طور سے بڑی خوشی وسرور کا اظہار کیا اور ان حضرات کو اپنی ایک ایسی نشست گاہ میں بٹھا دیا جو ایک بلند و بالا دیوار کے پیچھے تھی جب آپ نے انہیں اپنی آمد کا مقصد بتلایا تو انہوں نے کہا: اے ابو القاسم آپ جس مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں ہم آپ کی ضرور امداد کریں گے۔

پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے گفتگو اور سرگوشیاں کرنے لگے اور ان میں سے ایک شخص اس گھر میں داخل ہو گیا جس کی دیوار سے ٹیک لگا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے رخصت ہو گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور یہودیوں نے یہ سمجھا کہ شاید آپ کسی حاجت سے تشریف لے گئے ہیں۔

کچھ وقت جب گذر گیا اور آپ واپس تشریف نہ لائے تو صحابہ کرام کو تعجب ہوا کہ آپ بتائے بغیر کہاں تشریف لے گئے اور یہود نہایت حیرت و بے چینی میں گرفتار ہو گئے۔ جب کافی دیر تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف نہ لائے تو صحابہ کرام آپ کو تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ ابھی یہ حضرات مدینہ کی جانب جا ہی رہے تھے کہ انہیں مدینہ سے آتا ہوا ایک آدمی ملا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

دیکھا ہے تو اس نے جواب دیا کہ ہاں میں نے آپ کو مدینہ میں داخل ہوتے ہوئے
دیکھا ہے۔ چنانچہ آپ کے صحابہ بھی جلد ہی جلدی مدینہ منورہ کی جانب چل پڑے
اور وہ اس سبب کو جاننے کے لئے بے چین تھے جس کی وجہ سے آپ جس مقصد
کے لئے بنو نضیر کے پاس آئے تھے اسے حاصل کئے بغیر انہیں چھوڑ کر بلا اطلاع
مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔

جب مدینہ منورہ پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وجہ پوچھی تو
آپ نے بتلایا کہ یہود نے سازش کی تھی اور وہ غدر کرنا چاہتے تھے اس کی وجہ
سے مجھے شک پڑ گیا تھا اس لئے جب میرے پاس اس خیال کی تائید میں وحی
بھی آگئی تو میں واپس آگیا اور یہ بالکل سچ بھی تھا اس لئے کہ یہود نے سازش
کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دیوار کے پیچھے بیٹھنے کو انہوں نے آپ کے
قتل کرنے اور آپ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے نہایت قیمتی موقعہ سمجھا تھا۔

اور وہ شخص جو اس مکان میں داخل ہوا تھا جس کی دیوار کے ساتھ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے وہ اسی مقصد کے لئے اندر گیا تھا
تاکہ دیوار کے اوپر سے بڑا پتھر پھینک کر آپ کو ختم کر دے۔

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اندازہ ہوا کہ یہود کتنی خطرناک سازش
کا منصوبہ بنا رہے تھے جسے یہ لوگ تو نہ سمجھ سکے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
سمجھ گئے تھے اور آپ کا وہاں سے کچھ ذکر کئے بغیر چلا جانا مصلحت پر مبنی تھا۔

بنو نضیر کے یہود کی اس ذلیل حرکت اور کھلے ہوئے غدر کی وجہ سے وہ معاہدہ
ٹوٹ گیا تھا جو مسلمانوں اور ان یہودیوں کے درمیان تھا اور اب نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو یہ حق پہنچتا تھا کہ آپ جو فیصلہ چاہیں ان یہود کے خلاف فرمائیں اور
جو راستہ پسند کریں وہ اختیار کر لیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے یہودیوں کو یہ پیغام بھیجا کہ تم
لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ اس لئے کہ تم نے غدر کا منصوبہ بنا کر عہد کو توڑ
ڈالا ہے۔ میں تمہیں صرف دس دن کی مہلت دیتا ہوں اس کے بعد تمہارا جو آدمی
بھی نظر آیا اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

اکثر یہودی اپنے جان و مال کو بچانے کی خاطر کوچ کرنے کے لئے
سامان سفر تیار کرنے لگے لیکن منافقین کے سردار عبد اللہ بن ابی نے یہود کو
پیغام بھیجا کہ تم لوگ کوچ نہ کرو بلکہ اپنے گھر بار میں ہی رہو اور اپنے قلعوں میں
بند ہو جاؤ، فکر نہ کرو اس لئے کہ میرے ساتھ میری قوم اور عرب کے دو ہزار
آدمی ہیں جو تمہارا ساتھ دیں گے اور تمہارے لئے جنگ کریں گے۔

یہ سن کر بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم اپنے گھر بار اور مال و دولت کو چھوڑ کر قطعاً نہیں جائیں
گے، آپ جو کچھ کر سکتے ہوں کر لیں اور اس طرح سے وہ دس دن گذر گئے جو
آپ نے انہیں دئے تھے۔ یہودی اپنے اوپر بھروسہ اور عبد اللہ بن ابی کے وعدہ

پر اعتماد کئے ہوئے اپنے گھروں میں ہی مقیم رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور مسلمانوں کا لشکر لے کر چل پڑے اور ان کے قلعوں کا کئی دن تک محاصرہ کئے رہے۔ یہود مسلمانوں کے لشکر پر تیر اندازی اور نیزہ بازی اور پتھراؤ وغیرہ کرتے رہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھجوروں کے باغات کے کاٹنے کا حکم دے دیا۔ یہود نے جب یہ دیکھا کہ وہ ان کے باغات جن کی وجہ سے وہ مدینہ میں مقیم تھے اور جن کی خاطر جنگ پر آمادہ تھے ان کو نیست و نابود کیا جا رہا ہے تو انہوں نے بآوازِ بلند پکارا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تو لوگوں کو فساد پھیلانے سے منع کرتے تھے اور فساد پھیلانے والوں کو برا کہا کرتے تھے لیکن اب خود آپ باغات کیوں کٹوا اور جلوا رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی:

(مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا — جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت

قَائِمَةً عَلٰى أُصُوْلِهَا — یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے

فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ) — حکم سے اور تاکہ رسوا کرے نافرمانوں کو۔

(الحشر۔ ۵)

یہودی عبداللہ بن ابی کی مدد کے نہایت بے چینی سے منتظر تھے لیکن اس کا وعدہ سراب ثابت ہوا اور اسی طرح ان کے ۹ چچا زاد بھائیوں بنو قریظہ

والوں نے بھی ان کی کسی قسم کی کوئی مدد نہ کی نہ ہتھیار و اسلحہ سے اور نہ افراد سے۔

یہ صورت حال دیکھ کر ان پر ناامیدی چھا گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا چنانچہ انہوں نے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کرنا شروع کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ: ہم نکلنے پر اس شرط پر آمادہ ہیں کہ ہماری جان و مال محفوظ رہے اور ہمیں مال و متاع لے جانے کی اجازت دی جائے۔

آپ نے ان کو جواب بھجوایا کہ آج تمہاری یہ بات نامنظور ہے، کوئی شرط قبول نہیں کی جائے گی البتہ تم لوگ جا سکتے ہو اور تم میں سے ہر تین آدمیوں کو سوائے ہتھیاروں کے ایک اونٹ بھر سامان لے جانے کی اجازت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی اور عبداللہ بن ابی کے جھوٹے وعدے پر اعتماد کی وجہ سے جب یہود اپنے اکثر مال و متاع کو ضائع کر بیٹھے تو ان کو ہوش آیا اور وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہاں سے نکل جائیں لہٰذا یہ بنو نضیر کے یہودی اپنے بیوی بچوں کو لے کر کوچ کرنے لگے اور مدینہ کے بازار کے درمیان سے اس طرح گذرے کہ ان کی عورتیں ریشم کے اعلیٰ کپڑے پہنے، سونے کے زیورات سے آراستہ دف و بانسری بجاتی ہوئی اور اپنی بڑائی اور بہادری کا اظہار کرتے ہوئے گذرنے لگیں۔

اور اس طرح سے بنو نضیر مدینہ منورہ سے نکل گئے اور خیبر کی جانب

چل دیئے اور ان کی اکثریت وہاں جا کر مقیم ہو گئی اور ان میں سے بعض شام جا کر اس کے اطراف میں ٹھہر گئے۔ یہودی اپنے پیچھے بہت سا مال غنیمت چھوڑ گئے تھے جس میں زیادہ تر ہتھیار تھے اس طرح ان کی کھیتیاں اور باغات بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس و خزرج کے انصار کو جمع کیا اور انہوں نے اپنے مسلمان مہاجرین بھائیوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا تھا اس کی تعریف کی اور انہوں نے مہاجرین کے لیے جو اپنے مکانات اور مال و متاع پیش کیا تھا اس کو سراہا اور پھر ان سے فرمایا: اگر تم لوگ پسند کرو تو میں تمہارے اور مہاجرین کے درمیان وہ مال تقسیم کر دوں جو اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور اگر تم لوگ یہ پسند کرو کہ میں یہ مال تو ان میں تقسیم کر دوں اور وہ تمہارے گھروں سے منتقل ہو جائیں؟ یہ سن کر خزرج کی طرف سے حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے اور اوس کی طرف سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: اے اللہ کے رسول آپ اس مال کو مہاجرین میں تقسیم کیجیے اور اس کے ساتھ ہی وہ حسب سابق ہمارے مکانات میں رہتے رہیں۔

تمام انصار نے یہ سن کر بیک آواز زور سے کہا: اے اللہ کے رسول ہم سب اس پر راضی ہیں اور اس فیصلہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کا جواب سن کر یہ دعا دی: اے اللہ انصار اور انصار کی اولاد پر

رحم فرما اور پھر آپ نے یہودیوں کی سرزمین کو مہاجرین پر تقسیم کر دیا البتہ دو انصاری مسکین و فقیر تھے تو انہیں بھی اتنا ہی دیا جتنا ہر مہاجر کو دیا تھا۔ بنو نضیر کے دو یہودی مسلمان ہو گئے تھے تو انہیں ان کی زمین و اموال پر برقرار رکھا گیا۔

اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو بھی مال و دولت اور جائیداد والا بنا دیا اور اس طرح سے ان کو کچھ بدل اس سامان و جائیداد کا مل گیا جو وہ مکہ میں چھوڑ آئے تھے اور ساتھ ہی وہ اس سے بے نیاز ہو گئے کہ اپنے انصار بھائیوں کے دست نگر رہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار و پوشیدہ و مخفی باتوں کا لکھنا والا ایک یہودی شخص تھا۔ جب بنو نضیر کا یہ واقعہ پیش آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک نوجوان مسلمان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عبرانی اور سریانی زبان سیکھ لی اور اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطوں اور پیغامات میں کسی تبدیلی یا تحریف کے خطرہ سے بھی محفوظ ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد مسلمانوں پر کچھ عرصہ تک راحت و سکون کا دور دورہ رہا اور بنو نضیر کے اس حادثہ نے مسلمانوں کا سابقہ رعب و دبدبہ منافقوں کے دلوں میں دوبارہ بٹھا دیا تھا۔ اس عرصہ اور انہیں حوادثات کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شراب کو حرام قرار دینے کا حکم دیا۔

اور اسی عرصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سلمہ بن عبد الاسد
کو بنو اسد کے ساتھ جنگ کے لئے بھیجا تھا اور وہ اس جنگ سے واپسی
پر زیادہ عرصے زندہ نہ رہ سکے اس لئے کہ جنگ احد میں ان کو ایک زخم
آگیا تھا اور وہ علاج سے ٹھیک ہو چکا تھا لیکن جب یہ بنو اسد سے جنگ
کرنے گئے تو وہ زخم دوبارہ ہرا ہو گیا اور یہ سخت بیمار پڑ گئے اور ان کا
وصال ہو گیا۔ ان کے وصال کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوہ
حضرت ام سلمہ سے نکاح کر لیا تھا۔

ہوا یوں کہ ابو سلمہ مرض الموت میں بستر پر دراز تھے۔ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور ان کے لئے حسن خاتمہ کی دعا کی۔
آخر کار ان کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیوی چھوڑی جو
جوانی کی عمر سے آگے بڑھ چکی تھی اور بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے
جب چند ماہ گذر گئے تو نبی کریم صلی اللہ نے انہیں پیغام نکاح بھیجا لیکن
انہوں نے اپنی عمر کی زیادتی اور بچوں کی کثرت کا عذر کر دیا لیکن آپ نے
پھر پیغام دیا تو انہوں نے قبول کر لیا اور آپ نے ان سے نکاح کر لیا اور
ان کے بچوں کی پرورش فرمائی۔

اور اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے
ایک مثال قائم کر دی کہ انہیں چاہیئے کہ مجاہدین کے بچوں کو عورتوں کو

اس طرح سے مجبوری و فاقہ مستی کے رحم و کرم پر نہ چھوڑیں۔

جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے ایک اور مثال
قائم کی اور وہ یہ کہ اپنی چچازاد بہن زینب بنت جحش سے نکاح، جن کا
نکاح آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام و متبنی حضرت زید بن حارثہ سے کر دیا
تھا اس نکاح سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں یہ رواج ڈالا جائے
کہ معززین اور غلاموں میں طبقاتی فرق و امتیاز نہیں ہونا چاہیئے، لیکن
حضرت زینب حضرت زید کے ساتھ گذارہ نہ کر سکیں اور حضرت زید نے
انہیں طلاق دے دی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی
کرنا چاہی تاکہ مسلمانوں کے لئے ایک سنت یہ بھی قائم ہو جائے کہ انسان
اپنے پالک و متبنی کی بیوی سے شادی کر سکتا ہے جو زمانہ جاہلیت میں
اہل عرب کے یہاں حرام تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں کچھ تردد
ہوا اور اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے میں آپ کچھ رکے لیکن جب اللہ تعالیٰ
نے آپ کو اس کا حکم دے دیا تو آپ نے ایسا کر لیا اور خدا کے حکم سے حضرت
زینب سے شادی کر لی، اس لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی دوسری بیویوں سے فخر یہ کہا کرتی تھیں:

تمہاری شادی تو تمہارے والدین وغیرہ نے کی ہے لیکن میری
شادی اللہ تعالیٰ نے کرائی ہے۔ حضرت زینب سے شادی کے سلسلہ میں

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا۔

«فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا»

(الاحزاب - ۳۷)

پھر جب زید پوری کر چکا اس عورت سے اپنی غرض تو ہم نے اس کو آپ کے نکاح میں دے دیا تاکہ نہ رہے مسلمانوں پر گناہ نکاح کر لینے میں اپنے لے پالکوں کی بیویوں سے جب کہ وہ ان سے اپنی غرض پوری کر لیں اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔